تعلیم مذہب کے سلسلہ کا
پہلا نمبر یعنی کتاب
توحید الائمہ

جسے عامہ ناس کی تعلیم و ہدایت کے لئے مولانا الکامل مولوی فاضل وممتاز الافاضل عالیجناب مولوی سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری دام فیضہ نے باوجود تعلقات کثیرہ کے حقیقی خلفائے رسول اور امناء اللہ کے کلام سے ترجمہ کیا ہے تاکہ دنیا کے تمام مذاہب ہنود۔ آریہ۔ عیسائی یہود مجوس وغیرہم جو جو معرفت اللہ کا دعوے رکھتے ہیں۔ دیکھیں کہ اصلی توحید اور حقیقی معرفت اللہ یہ ہے جو اس کتاب میں مندرج ہے۔ اور اس سے حق و باطل کا تفرقہ معلوم کریں اور یقین کریں کہ ان حکمائے مذہب اور خلفاء حقیقیہ سے بڑھکر کسی کو معرفت اللہ حاصل نہ تھی۔ اور یہ کہ یہی وہ لوگ ہیں جنکی اقتدا باعث نجات ہے۔ دراصل یہ کتاب اردو زبان میں دعوت الی الایمان کا پہلا نمبر ہے۔ جو سید زوار حسین اور سید محمد اسلام کے

اہتمام سے

مطبع الاشاعت دہلی میں چھپکر شایع ہوا

ملنے کا پتہ۔ دہلی کشمیری دروازہ۔ مسجد نواب حامد علیخان۔ سید زوار حسین و محمد اسلام

شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم

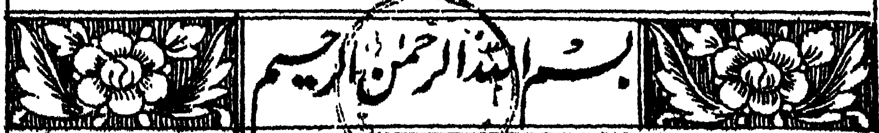
معرفت الٰهیه کا بینظیر سبق اور اسلام حقیقی کا بے عدیل درس یعنی



جناب ممتاز الافاضل سید محمد ہارون صاحب نے حدیثوں سے ترجمہ کیا اور

مطبع اثنا عشری دہلی باہتمام سید محمد عباس صاحب طبع شد





الحمد للہ اقرارا بنعمتہ واستسلاما لعزتہ والصلوٰۃ علی نبیہ وحبیبہ محمد خیر بریتہ وعجیب صنعتہ وغریب قدرتہ وعلی اھلبیتہ وعترتہ سیما علی اخیہ وصفوتہ وحامل شریعتہ وامین ملتہ صلوٰۃ وسلاماً متصلا متواترا لا انقطاع لمدتہ ولا احصاء لعدتہ

وبعد۔ اہل عقول پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔ کہ عمدہ علوم و معارف معرفت پروردگار عالم ہے کیونکہ انسان کو صرف دو عالموں سے تعلق ہے۔ ایک عالم دنیا۔ دوسرا عالم آخرت۔ دنیا میں رہکر تو ان چیزوں کی معرفت بضرورت زندگی لازم ہوتی ہے جنپر بقائے حیات و بقائے تمدن ہے۔ لیکن چونکہ یہ عالم زندگی یقینی فانی ہے لہذا اُس جہان کی فکر مقدم ہے۔ اسلئے ہمیں اس بات کے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم کیا ہیں۔ کون ہیں۔ ہمارے گرد وپیش کیا کیا چیزیں ہیں۔ وہ کیونکر ہیں۔ کیوں ہوئیں کس نے بنائیں۔ ہمیں کس نے بنایا۔ وہ کیسا ہے۔ وہ ہمسے کیا چاہتا ہے۔ وہ کس عظمت کا ہے۔ کس طاقت کا ہے۔ کس صفت کا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اگر ہم اُس سے بالکل غافل رہیں اُسکی معرفت حاصل نکریں اُسکی عبادت نکریں تو ہمیں اُس دوسرے عالم میں جانے کے بعد سخت سزا دے تکلیف میں ڈالے۔ ہمپر عذاب کرے۔ اور ہماری غفلت کا سبب ہمسے دریافت کرے تو اُسوقت ہم کچھ جواب دے سکیں اسلئے ہمیں نہایت ضروری ہوا کہ واقعی حالت اُسکی معلوم کریں۔ اور جہانتک ہوسکے اُسکی مرضی کے مطابق کام کریں؛

یہانتک تو شاید ہر قوم و ہر ملت کے آدمی مانتے ہیں کہ ہم فانی ہیں۔ ہم قابل سزا و جزا بھی ہیں

ہم سے بالاتر کوئی ہمارا مدبّر و مصلح بھی ہے۔ البتہ وہ لوگ جو بالکل سائنس کے بندے ہیں انکو ابھی تامل ہے کہ آیا ہمارا کوئی پیدا کرنیوالا ہے یا نہیں۔ مگر جسوقت وہ بھی باقاعدہ عقل سے غور کرتے ہیں تو انکو بھی یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اس عالم کا اور نیز ہمارا خالق ہے جو بڑا حکیم مدبّر۔ عالم۔ قادر عظیم و جلیل ہے؛

داعی مذہب دُنیا میں جتنے آئے اُن سب کا یکزبان یہی قول رہا کہ کوئی اس جہان کا پیدا کرنے والا ضرور ہے خواہ ہنود و طریق پر انہوں نے دعوت کی ہو۔ یا عیسائی طریق پر۔ یا مجوسی طریق پر یا اسلامی طریق پر۔! مگر طریقے مختلف تھے؛

مجوس۔ پارسی۔ جو بہت قدیمی مذہب ہے اُنکا تو خیال یہ رہا کہ خالق دو ہیں۔ ایک نور ایک ظلمت۔ نیکی کا خالق نور ہے۔ بدی کا خالق ظلمت ہے۔ نور کا نام یزدان رکھا۔ اور ظلمت کا نام اہرمن۔ مگر نور کو زیادہ طاقتور مانتے رہے۔ اسی لئے آتش پرستی اختیار کرلی۔ اب وہ آگ ہی کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ ہنود اگرچہ دعویٰ توحید کرتے ہیں اور زبانی طور پر خالق عالم کو واحد مانتے ہیں مگر عملاً اُسکے برخلاف ہیں۔ پتھر کی مورتیں اپنے ہاتھ سے بناتے اور انکی پرستش کرتے رہیں۔ مٹی کے جانور بنا بنا کر اُسکو سجدہ کرتے ہیں جو بالکل شان موحد کے خلاف ہے؛

عیسائی۔ مذہب کا داعی اگرچہ بڑا سچا۔ بڑا پاکباز۔ بڑا برگزیدہ۔ بڑا عارف بڑا عابد تھا۔ اُس نے توحید تو ضرور سکھائی۔ مگر اس کے ماننے والے اُسکے اصلی مقصود کو یا تو سمجھے نہیں یا شدت محبت کی وجہ سے غلو کرنے لگے۔ اور حضرت عیسےٰ اور روح القدس کو خالق عالم کا شریک بنا دیا۔ اور تثلیث کے قایل ہوگئے۔ اسلئے یہ بھی موحد نرہے؛

یہود۔ زمانہ سابق کے تو بالکل خدا کو سمجھ ہی نہ سکے اُسکے لئے بیٹا تجویز کردیا تھا حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا جانتے تھے۔ مگر اب کا حال معلوم نہیں ان لوگوں کے کیا خیالات ہیں تاہم ایسے ہیں کہ ہنود و عیسائی۔ اہل اسلام اور مجوس سے انکی رائے الگ ہے؛

اہل اسلام کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم موحّد ہیں۔ چنانچہ انکا قرآن جسے یہ لوگ کتاب خدا کہتے ہیں وہ بھی توحید ہی کی تعلیم دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ قل ھو اللہ احد ۱ اللہ الصمد ۲ لم یلد ولم یولد ۳ ولم یکن لہ کفوا احد ۴۔ مگر اس فرقے میں بہت سے فرقے ہوگئے اور ہر ایک نے توحید میں ایک

جداگانہ رائے اختیار کرلی۔ چنانچہ کچھ لوگ خدا کے جسم ہونے کے قایل ہوگئے۔ کوئی اُسکے لئے مکان تجویز کرنے لگا۔ کوئی اسمیں حوادث تجویز کرنے لگا۔ کوئی اُسکے دیدار کا مشتاق بنا۔ کوئی اُسکی صورت کا شیدا ہوگیا۔ کوئی اُسکو خواب میں دیکھنے لگا اور کوئی جاگتے میں۔ غرض ان لوگوں نے اگرچہ دو خدا لفظاً نہیں مانے مگر واقعاً بڑا حصہ مسلمانوں کا صرف نام کا موحد رہا۔ باقی سب علامات واقوال مشرکین کے سے اختیار کرلئے۔ اگر آپ میرے اس دعوے کی تصدیق چاہتے ہیں تو میرے اس آیندہ بیان کو پڑھئے۔ آپکو ہر مذہب کا حال توحید کے متعلق معلوم ہوجائیگا اور اہل مذاہب کے خیالات کا اندازہ ہوسکے گا۔ اسکے بعد دیکھئے گا کہ عقل کیا کہتی ہے۔ اور خالق کو کیسا ماننا چاہئے۔

میں مذاہب کے حالات اسی بنا پر لکھونگا جو اُن مذاہب والوں کی کتابوں میں مندرج ہیں یا ملل ونحل شہرستانی میں مذکور ہیں اسکی واقفیت اور سچائی کی ذمہ دار وہ کتابیں ہیں جنسے یہ باتیں اخذ کیجائینگی۔[۱]

اہل مذاہب اگرچہ دُنیا میں بیشمار ہیں مگر مشہور مذاہب ور موجود بالفعل جو قابل اعتبار ہوسکتے ہیں یہ ہیں (۱) مجوس (جنکو پارسی بھی کہتے ہیں) (۲) ہنود (۳) یہود (۴) نصاریٰ (۵) اہل اسلام اور اہل اسلام میں مشہور بڑے فرقے دو ہیں ۱۔ اہلسنت والجماعت (جنکے مشہور فرقے دو ہیں اگرچہ تعداد فرق انکی بہت ہی ۱۔ اشاعرہ ۲۔ معتزلہ) ۲۔ فرقہ اہل اسلام شیعہ امامیہ اثناعشریہ ہی۔ اگرچہ مطلق شیعہ کے بھی بہت سے فرقے ہیں مگر مشہور بڑا فرقہ یہی ہے۔ ان سب کے اعتقادات کی مختصر مختصر حالت گزارش کیجاتی ہی۔

مجوس میرا خیال ہی کہ یہ فرقہ بہت قدیم ہے اور غالباً ہنود کے مذہب سے بھی مقدم ہو۔ یہ دونو فرقے بہت سی باتوں میں متفق ہیں اور اسی سے معلوم ہوتا ہی کہ ایک دوسرے کا ماخذ ہے۔ مثلاً مجوس بھی آفتاب کو قابل عبادت و حمد وستایش جانتے ہیں ہنود بھی۔ مجوس بھی چاند کو قابل پرستش سمجھتے ہیں ہنود بھی۔ مجوس بھی آگ کو معبود جانتے ہیں ہنود بھی۔ یہ بات تو بالتفصیل آگے معلوم ہوگی مگر یہاں اسقدر معلوم کرنا چاہئے۔ کہ مجوس کے مذہب کی نسبت ملل ونحل کے مصنف محقق عالم عبدالکریم شہرستانی نے کیا

---

[۱] اس بیان سے میرا مقصود یہ نہیں ہی کہ کسی مذہب پر ناجایز حملہ کروں یا بلا وجہ اسپر نکتہ چینی کو کام میں لاؤں بلکہ صرف واقعی حالت کا دکھانا مطلوب ہے جس سے صحیح اور غلط مذہب کا تفرقہ معلوم ہوسکے۔ اگر ان اہل مذاہب میں سے کوئی صاحب کوئی غلطی میرے بیان میں پائیں اور انہیں اپنے مذہب کی خوبی بدلایل عقلیہ اسلام کے اصول سے بہتر ثابت ہوچکی ہو تو انکو اعلان دیا جاتا ہی کہ اسلام کی توحید سے وہ اپنی توحید کو عقلی دلایل سے بہتر ثابت کردیں میں انکا ہم مذہب ہم خیال ہونیکے لئے تیار رہوں بشرطیکہ وہ اپنی رائے پر کوئی برہان انی یا لمی قایم کرسکیں۔

لکھا ہے :-

یہ بھی معلوم رہے کہ اس مذہب کی کئی شاخیں ہیں اگرچہ حاصل اُن سب کا تقریباً ایک ہی طرف رجوع کرتا ہے ۱ ثنویہ شہرستانی لکھتے ہیں۔ ثم الثنویۃ اختصت بالمجوس حتی اثبتوا اصلین اثنین مدبرین قدیمین یقتسمان الخیر والشر والنفع والضر والصلاح والفساد یسمون احدھما النور والثانی الظلمۃ۔ وبالفارسیۃ یزدان واھرمن جسکا حاصل یہ ہے کہ ثنویہ فرقہ مجوس سے خاص ہے۔ ان لوگوں نے دو اصلیں مدبر قدیم ثابت کی ہیں یعنی خالق عالم خدا دو ہیں ان دونوں نے نیکی بدی۔ نفع نقصان۔ صلاح و فساد کو آپس میں بانٹ لیا ہے۔ ایک نیک کام کرتا ہے۔ دوسرا بد کام۔ ایک کا کام نفع پہنچانا ہے دوسرے کا کام نقصان۔ ایک کا کام صلاح پیدا کرنا ہے دوسرے کا کام فساد۔ ان دونوں میں ایک کا نام نور ہے دوسرے کا نام ظلمت۔ فارسی میں انکو یزدان اور اہرمن کہتے ہیں " جس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کے اعتقاد میں دو خدا اور دو خالق ہیں۔ جتنے اچھے کام ہوتے ہیں یزدان سے ہوتے ہیں۔ اور جتنی برائیاں ہیں اہرمن سے ہوتی ہے۔ (اب رہی یہ بات کہ دو خالق کا ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں عقل بھی تجویز کرتی ہے یا نہیں یہ آگے معلوم ہوگا)

۲ کیومرثیہ۔ ان کے نزدیک صرف یزدان تو قدیم ہے۔ اہرمن حادث و مخلوق ہے۔ یزدان نے ایک مرتبہ غور کیا کہ اگر میرا کوئی مخالف ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ خراب فکر جو اُسے لاحق ہوئی تو اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمت پیدا ہوگئی۔ اُسی ظلمت کا نام اہرمن ہے۔ چونکہ اہرمن فاسد فکر سے ہوا تھا اس لئے اُسکے مزاج میں شر و فساد تھا۔ آخر اُس نے نور (یزدان) پر چڑھائی کی اور خوب اُن کے اور اُن کے لشکروں میں جنگ ہوئی۔ مگر فرشتوں نے بیچ بچاؤ کر کے اُن کے درمیان صلح کرا دی۔ وہ صلح اس طور پر قرار پائی کہ عالم سفلی تو خالص اہرمن کے قبضے رہے اور عالم علوی یزدان کے قبضے میں۔ لیکن سات ہزار برس کے بعد اہرمن اپنا قبضہ اٹھا دے اور پھر دونوں عالم یزدان کے ہو جائیں۔ خلاصہ صفحہ ۴۰-۴۳ ملل و نحل شہرستانی۔ برحاشیہ ملل و نحل ابن حزم ظاہری۔ (اس بنا پر اگر فرض بھی کر لیا ہے کہ یزدان حادث ہے اور اہرمن کو حادث مانتا ہے تب بھی اس مذہب کی تنگ خیالی اسی سے ظاہر ہے کہ اپنے معبود کو ایسا جانتا ہے کہ اسمیں خراب اور اچھی دونوں فکریں آیا کرتی ہیں اسمیں خوف بھی پیدا ہوتا ہے اُسے

مخالف کا ڈر بھی ہو سکتا ہے۔ اسکے دماغ بھی ہے۔ جس سے وہ فکر و غور کرتا ہے۔ اور جب دماغ ہوا تو جسم بھی ضرور ہوگا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ جسے وہ یزدان کہتے ہیں اچھا خاصہ آدمی ہوگا جسمیں اسباب مذکورہ بالا باتوں کا ہونا ممکن ہے۔ پھر تو پروردگار کبھی قدیم اور واجب الوجود نہو سکیگا۔ وہ بھی اگر اسکے قدیم ہونیکے قایل ہیں تو انکی غلطی ہے۔ کیونکہ جو مجسم ہوا اور اسمیں فکر ردی و صحیح دونوں پیدا ہوسکیں وہ حادث اور ممکن الوجود ہوگا نہ واجب الوجود اور قدیم۔ اسکی تشریح آگے معلوم ہوگی)

سا زروانیہ۔ انکا خیال یہ ہے کہ نور (جو انکا خدا ہے) نے نوری اشخاص پیدا کئے تھے اور وہ سب کے سب روحانی و ربانی تھے۔ لیکن انمیں کا بڑا شخص جو زروان تھا اسکو کسی معاملہ میں شک پیدا ہوگیا اس شک کی وجہ سے اہرمن شیطان پیدا ہوا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ زروان نو ہزار نو سو ننانوے برس تک ریاضت کرتا رہا کہ اسکے کوئی بیٹا پیدا ہو مگر نہوا۔ آخر اسے یہ سوچ ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید یہ عالم کچھ بھی نہیں ہے۔ محض دھوکا ہے اس خیال فاسد کیوجہ سے اہرمن پیدا ہوگیا اور اس علم کی وجہ سے ہرمز گو دونوں کا حمل ایک ہی پیٹ میں قرار پایا اہرمن چونکہ حیلہ گر تھا۔ اسلئے جھٹ ماں کا پیٹ پھاڑ کر نکل آیا اور تمام دنیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر بہت دنوں بعد ہرمز کو سلطنت دنیا ملی۔

بعض زروانیوں کا یہ خیال ہے کہ خدا تعالےٰ میں یا تو کوئی خراب ردی فکر تھی یا کوئی بدبودار چیز تھی جس سے اہرمن (شیطان) پیدا ہوا۔ (اس مذہب کی عقلمندی اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے معبود کے لیئے بدبودار چیز ردی فکر بیٹے کا پیدا ہونا۔ ہرمز و اہرمن معبود کے بیٹے ہیں وغیرہ وغیرہ تجویز کرتا ہے) مسخیہ ہے۔ انکا خیال ہے کہ نور (خدا تعالیٰ) تنہا تھا۔ خالص تھا۔ پھر اسکا ایک حصہ مسخ ہوگیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمت پیدا ہوئی۔ (اب بھی دونوں مدبر عالم ہیں)۔ (آدمی پر فالج گرنا اور اسکے کسی عضو کا بیکار ہو جانا تو سنا ہے اور دیکھا بھی ہے۔ مگر معلوم نہیں مجوسیوں کے خدا پر کیسا مادہ فاسد گرا جسنے اسکو بیکار اور مسخ کر دیا میرے خیال میں انکے ایسے اصل خدا پر فالج ہی گرا ہوگا۔ جس سے اسکا ایک حصہ بیکار ہوگیا اور اس سے اہرمن پیدا ہوا۔ پناہ بخدا دنیا میں اس عقل کے بھی لوگ ہوتے ہیں)

۵ زردشتی۔ زردشت مدعی نبوت کے پیرو ا۔ یہ زردشت گشتاسپ بن لہراسپ بادشاہ

ایران کے زمانہ میں تھا۔ اسکی رائے میں خدا واحد ہی۔ لاشریک ہی۔ مگر عالم کا مبدا اُسکے نزدیک بھی نور اور ظلمت ہی۔ انہیں دونوں کے خلط ملط سے تمام عالم پیدا ہوا ہے ؛

۱۱۔ مانویہ۔ مانی بن فاتک کا فرقہ۔ یہ شخص زمانہ شاپور بن اردشیر میں تھا۔ جو زمانہ حیات مسیح علیہ السلام سے متاخر ہے۔ اِس نے یہ خیال کیا ہی کہ عالم مصنوع و مرکب تو ہی مگر دو قدیم اور ازلی اصلوں سے بنا ہی۔ ایک نور دوسرے ظلمت یہ دونوں ازلی الوجود اور ابدی الوجود ہیں۔ نہ کبھی معدوم تھے نہ کبھی معدوم ہوں گے۔ یہ دونوں دو قوتیں ہیں جنمیں حس سماعت۔ بصارت بھی موجود ہے۔ نفس۔ صورت۔ فعل اور تدبیر میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا نفس اچھا دوسرے کا برا۔ ایک کی صورت اچھی دوسرے کی بری۔ ایک کا فعل اچھا۔ دوسرے کا برا ہے ؛

غرض یہ تمام فرقے مجوس کے نور و ظلمت کے قایل ہیں۔ سوائے زردشتیوں کے اور باقی تمام فرقے انہیں دو کو خدا مانتے ہیں۔ خیر و شر کا فاعل انہیں کو سمجھتے ہیں اسلئے۔ یہ فرقہ موحد نہیں ہے علاوہ اسکے جو خرابی اس خیال میں ہے وہ یہ ہی کہ دو خدا یا بعبارت اخری دو خالق قدیم ازلی کا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ جب دو قدیم ازلی ہونگے۔ تو یقیناً دونوں مرکب ہونگے اور جو چیز مرکب ہے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہوسکتی۔

نیز یہ خیال کہ یزدان۔ یا نور صرف قدیم ہے مگر اسمیں فکر ردی یا عفونت تھی جس سے ظلمت یا اہرمن یا شیطان پیدا ہوا۔ اُس یزدان کی نہایت درجہ کمزوری کو ثابت کرتا ہی۔ ہمیں تو ایسا خدا نہیں چاہیئے جسمیں بدبو۔ گندیدگی۔ نقص۔ فکر فاسد ہو۔ علاوہ بریں ایسا خدا حادث ہوگا جسمیں اس قسم کی حادث چیزیں پائی جاتی ہوں۔ پھر تو اُسکے لئے کسی اور خدا کی ضرورت ہو گی جس نے اُسے پیدا کیا ہو۔ اور وہ خود خدا نہیں ہوسکے گا ؛

اس فرقہ کی کمزوری زیادہ تر اِس سے سمجھی جاتی ہی کہ یہ لوگ آفتاب۔ چاند۔ آگ اور غرض ہر روشن چیز کو قابل عبادت و پرستش جانتے ہیں حالانکہ یہ سب کے سب ہی خالق کے مخلوق ہیں اور کسی صانع کے مصنوع ہیں۔ حادث ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ بے حس و بے ادراک ہیں۔ قابل زوال ہیں کسی کی عبادت کا احساس نہیں کرسکتے۔ پھر اصلی اور حقیقی معبود کو چھوڑ کر ان مصنوعات کی پرستش کرنی عجیب ہی۔ معلوم نہیں کہ کیونکر اِن کے بانیان مذہب نے ایسے

کمزور خیالات اختیار کئے تھے۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ لوگ آفتاب چاند۔ آگ و صبح کو پرستش کے قابل جانتے ہیں۔ ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے جو ژند پاژند میں مذکور ہیں؛

آفتاب کی حمد و ثنا مع متن و شرح

گویا خدا تعالیٰ زردشت کو سکھاتا ہے کہ تم اس طرح آفتاب سے دُعا کرو اور اسکی ثنا و صفت کیا کرو "درود بر تو زندشہائے یزداں و فرخہاش۔ یعنی سلام و تحیت کہ دعائے جاویداں زیستن بود برتو۔ لمے روشنگر زر گتر و گروندہ و ستودہ خجستہ و ہمایوں تر تابندہ از آفرینندہ بے مایہ و مادنکش یعنی روشن شدہ از نور خالق خود کہ بے ہمتا و بے امتداد زمان ترا آفریدہ۔ گروندہ و رفزوں مہر منترگش آفرینندہ خود بگردش سپہر خود کہ پاکست از پذیرفتن۔ کشودہ شدن و پارہ گشتن و تازہ پیکر گرفتن و کہنہ پیکر گذاشتن و گردش راست ناچرخی۔ یعنی گردش کنندہ بگردش فلک خود دش کہ از قبول کشادہ شدن و خرق و تجدید صورت بری ست از حرکت مستقیمہ بکران (ناچرخے حرکت مستقیمہ چرخی کہ حرکت دوری باشد" ژند پاژند ص ۳۳-۳۴۔

غرض اسی طرح کئی ورق تک آفتاب کی ثنا و صفت و حمد و نماز کے طریقے مندرج ہیں۔ پھر اسکے بعد چاند کی نماز ہے۔ چنانچہ اسکے بھی چند جملے نذر ناظرین ہیں۔ ص ۳۹ "نمو فیستہ و تیاعہ نمو فیتہ دیتیہ۔ نماز بماہ دیدہ شدہ و نماز بدیدار او۔ وخشنونرہ اہور سہ مرزدا اشم وہی۔ سہ گفتن فرہ وران ہرگاہ کہ باشد۔ مانگہہ مہ گوچترسہ کی عشچ ابود و اتیاکی غنچہ فو عروسرہ و یا خشنوترہ یسا تچہ و ہما بچہ خشنوترا تچہ فرہ ستہ پچہ۔ ماہ گوسفند تخمہ را و کاوایوہ دادار و گوسفند پرسرورہ را یزش و نیائش و دعا۔ و خوشنودی و ستایش میکنم"

غرض کئی ورق تک چاند کی نماز مذکور ہے۔ اسکے بعد آگ کی نماز ہے۔ ص ۴۳۔ "نمہ سی آترش مزدا اہور سہ ہود امرشتہ نیرہ تہ۔ نماز بتو لے آتش بلند ترین و لایق ستائیدن و پیدا کردہ اورمزد نیک پیدائش پیدا کنندہ"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں ص ۴۵ ژند پاژند۔ "اشتہ یوپا اہما عرنیرہ لیسر تو یادہ فرا نیزا عتسہ البسمو زلیتو بر ہمو زستو گاعو زستوبا۔ و نور ستو۔ نیک بختی باد شخصے را کہ ترا ہمیشہ ستایدا لبسم بدست

و برسم بدست و جیوام بدست و ہاون بدست گرفتہ - یعنی ہر کس کہ ایں آلاتہائے یزش را بدست گرفتہ اور البتہ بد بد و نیکبختی باد"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں تمام طاقتیں مثل خدا کے تسلیم کیگئی ہیں۔

ع ۲۹ ژندپاژند - وایامی آتزش فترہ آہورہ مزدآ رسوخاتزم آسوسرا عیتم آسوجیتم - فوعروخاتزم فوعرو سرا عیتم فوعروجیتم - لے آتش عزیز اورمزد تیز آسانی و تیز پرورش و تیز روشنی و پرآسانی و پرپرورش و پرزندگی بخش من

ستیم سفانو خشوہ و رم ہزدام اشہ خرہ نیم فسجیتہ مسہ تم مزاعتم ارونہ اشہ خرہ نیم فسجیتہ مسہ تم مزاعتم افرہ آترمیا بیریام فسجیتہ ہام درہ تیم - بزرگی و دانش و شیرینی و فصاحت زبان و ہوشیاری برلئے رواں و پس ازاں خرد بزرگ کہ با بزرگی نامضطرب باشد و پس ازاں ہمت نیک مردانگی بخش من"

غرض اسی طرح کی دعائیں آگ سے کی گئی ہیں اور آگ کی حمد و ثنا ادا کی گئی ہے۔ اسکے بعد صبح کو دعا مانگی ہے اور اُسکی بھی نماز کا طریقہ لکھا گیا ہے۔ ژندپاژند کے دیکھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اُسکے مصنف کے نزدیک جس طرح معبود حقیقی" قابل پرستش ہے اُسی طرح سورج - چاند - آگ صبح بھی قابل پرستش ہیں - اور انکو اس طرح خطاب کیا گیا ہے جیسے خدا تعالیٰ کو خطاب کرنا چاہیئے۔ اور انسے اسی طرح دعائیں مانگی گئی ہیں جیسے خدا تعالیٰ سے دُعا مانگی جانی چاہیئے۔ انکو صاحب روح - صاحب حواس - صاحب ادراک - صاحب عقل - صاحب گوش و چشم تسلیم کیا گیا ہے - انہیں قدرت تسلیم کی گئی ہے - غرض جو ایک خدائے حقیقی کی صفت ہونی چاہیئے وہ انہیں مان لی گئی ہے۔ مگر باوجود اسکے انکو خدا کا بنایا اور پیدا کیا ہوا بھی تسلیم کیا گیا ہے مجھے زردشت پیغمبر مجوس سے اس بات کا تعجب ہے - کیونکہ یہ تو خالق عالم کے وجود اور اُسکے قدم کے قایل ہیں پھر کیونکر انکو جرأت ہوئی کہ ایسی بے حس چیزوں کی بھی عبادت کرنیکا طریقہ لوگوں کو سکھایا - کیا سوائے معبود حقیقی کے کوئی مخلوق بھی پرستش کے قابل ہو سکتا ہے - اگر ہو سکتا ہے تو پھر معبود حقیقی اور ان مخلوقات میں کیا فرق رہا؟

اب دیکھو اس مقام پر اسلام کی توحید کو - اہل اسلام خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو قابل پرستش نہیں سمجھتے - ہاں عناصر و موجودات عالم کو مخلوق خدا - عجیب صنعت خدا کا نمونہ - اُسکے آثار قدرت جانتے ہیں مگر انکو قابل عبادت نہیں جانتے - کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب چیزیں بے حس و ادراک ہیں - انہیں اتنی طاقت نہیں کہ بالارادہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں - نفع یا نقصان پہنچانا انکا طبعی فعل ہے جسکا انکو

خود ادراک نہیں ہوتا۔ جیسے مثلاً ملہٹی کا اثر کھانسی کو دفع کرنا۔ کنین کا اثر بخار کو روکنا۔ سنکھیا کا اثر زندہ کو مار ڈالنا ہے مثلاً یہ افعال خواص طبیعی ہیں اُن کے اختیار و ارادہ سے انکا کوئی فعل نہیں ہوتا بسبب اپنے وجود میں دوسرے کے محتاج ہیں۔ خصوصاً آگ تو سب سے زیادہ دوسری چیز کی محتاج ہے ایک تو ایندھن کی ضرورت ہے اگر ایندھن نہ ہو فوراً بجھ جاتی ہے۔ دوسرے روشن کرنے والے کی ضرورت ہے۔ آپ سے آپ آگ پیدا نہیں ہو جاتی بلکہ اُسکے اسباب و آلات مہیا کئے جاتے ہیں اُنسے آگ نکالی جاتی اور پھر بڑھائی جاتی ہے۔ پھر کسقدر افسوس ہے کہ جو چیز ہمارے اختیار میں ہو اور ہمارے علاوہ اور چیزوں کی محتاج ہو اسکو ہم سجدہ کریں۔

یہ تو حال زردشتیوں کا ہے جو خدائے واحد کے وجود کے بھی قایل ہیں۔ لیکن اُنکا کیا حال ہوگا جو نور و ظلمت ہی کو دراصل خدا جانتے ہیں۔ یا صرف نور ہی کو خدا جانتے ہیں اور ظلمت کو اُس سے پیدا ہوا مانتے ہیں۔ انکے نزدیک تو آفتاب چاند آگ سب ہی خدائے حقیقی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ مذہب موحد نہیں ہے۔ اور صفات معبود حقیقی کو بالکل نہیں سمجھ سکا ہے۔ امیں صرف زردشتی کسی قدر موحد ہیں مگر چونکہ آگ وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں اسلئے یہ بھی مشرک ہو گئے:

ہنود ۔ بھی اپنے تئیں موحد کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ زبانی طور پر خدا تعالیٰ کے بہت سے ایسے صفات بیان کرتے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ نرنکار ہے۔ خالق ہے۔ مالک ہے۔ حی۔ وقیوم ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر عملی طور پر اور نیز انکی کتب کی تعلیم کے طریقے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تو اُن کا مذہب کچھ اور ہے مگر مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے ایسا ہو گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی طور پر موحد بنگئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوگ اگر غور کریں گے تو ضرور مسلمانوں کے اس معاملہ میں شریک ہو جائینگے۔ اُنکا عمل بالکل توحید کے برخلاف ہے۔ بتوں کی پرستش کرنی جنہیں آدمی خود ہی اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں کسقدر تعجب خیز ہے۔ کیونکہ علاوہ اُس نقصان کے کہ آدمی ہی کے مصنوع و مخلوق ہوتے ہیں یہ بھی خرابی ہے کہ نہ تو وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکتے ہیں۔ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ نہ نقصان۔ اگر تم انہیں سونے کا خول پہنا دو تو انہیں کچھ نہیں۔ اگر پھٹا چیتھڑا پہنا دو تو انہیں کچھ خبر نہیں۔ توڑ ڈالو تو انہیں محسوس نہیں ہوتا۔ بڑی حفاظت سے رکھو تو انہیں کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ اسپر زیادہ تر قابل افسوس تو یہ بات ہے کہ یہ مورتیں سجائی جاتی ہیں انکے آگے گھنٹیاں بجائی جاتی

ہیں۔ تاکہ جاگیں اور انکی دُعاؤں کو سُنیں۔ کیا معبود کی یہی شان ہونی چاہیئے؟

انکی کتابیں بھی توحید کا سبق نہیں سکھاتیں۔ مسئلہ حلول یعنی یہ کہ پروردگار تمام چیزوں میں حلول کرتا ہے۔ یا یہ کہ تمام چیزیں عین خدا تعالیٰ ہیں۔ انکی کتابوں میں موجود ہے۔ دیکھو۔

(۱) آئیترا برہمنا۔ منتر اوّل صفحہ ۲۶۔ انسان کا جسم بنا کے اُس نے (خدا نے) اسکے کاسہ سر کو پھوڑ ڈالا اور اسکے وسیلہ سے روح ہوکر داخل ہوا۔ اسلئے یہ (روح) برہم ہے (یعنی خدا ہے)۔

(۲) انیئترا برہمنا صفحہ ۸۷۔ پرمیشور نے اپنے آپ میں چاہا کہ تمام چیزوں کو پیدا کروں اور اپنے اِس ارادے کو پورا کرنے کے لئے وہ تپسیا کرنے لگا۔ اسکے بعد اس نے تمام چیزوں کے مادے کو پیدا کیا اور تب اُس نے انکو اپنی روح دی اور اسطرح سے وہ خود ہی تمام چیزیں بنگیا۔ خواہ وہ دیدنی یا نادیدنی تھیں۔ وہ خود ہی گیان اور اگیان بنا اور خود ہی ست اور است ہوا۔ اگر کوئی آدمی کسی چیز کو پرمیشور نہ جانے تو وہ یاویہ دوزخ میں جائیگا"

(۳) سوئتاسوتر۔ منتر ۳ "تو ہی عورت ہے اور تو ہی آدمی ہے۔ تو ہی لڑکا ہے اور تو ہی لڑکی ہے اور تو ہی خود ہر ایک چیز ہے"

(۴) ستھریرک۔ ادہائے ۲۔ پاؤ ۳۔ سوتر ۴۴ "وید سکھلاتا ہے کہ پرمیشور ہی خود ہر ایک چیز ہے"

(۵) شریرک آدہائے ۲۔ پاؤ ۳۔ سوتر ۴۵۔ پرمیشور فرماتا ہے کہ تمام جیو میرے بھاگ ہیں وہ کہاں کہتا ہے؟

بھاگوت گیتا۔ ادھائے ۱۵۔ اور ادھائے ۱۳ میں "

(۶) اگوپت برہمنا میں لکھا ہے۔

"وہ جو خدمت کرتا ہے برہم ہے۔ جو چوری کرتا ہے وہ بھی برہم ہے۔ جیو ہو کے میں ہر ایک چیز میں مِل گیا ہوں"

رگ وید۔ بھاگ ۲۔ سوکت ۹۰ صفحہ ۹۴۳ صرف پرمیشور ہی یہ تمام دنیا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہی تھا۔ اور جو کچھ ہوگا وہی ہوگا۔ وہ مرتا نہیں موت اسکے قبضہ میں ہے اور خوراک کھا کر وہ بڑھتا ہے" (خدا تعالیٰ خوراک کھاتا ہے۔ عجیب!)

منتر دہم۔ گھوڑے اور تمام حیوانات جو دو قطار دانت رکھتے ہیں۔ گائے۔ بکری۔ بھیڑ۔

اسُ سے نکلے ہیں ''

منتر ۱۱۔ جب وہ تمام چیزیں بنا چکے (یعنی خدا صاحب) تو انہوں نے اسکو کتنے حصوں پر تقسیم کیا؟ اسکا مُنہ کیا تھا۔ اسکے بازو کیا تھے۔ اسکی رانیں کیا کہلاتی تھیں اور کیا اسکے پاؤں۔

منتر ۱۲۔ برہمن اسکا مُنہ تھے۔ راجنیا۔ اسکے بازو تھے۔ وہ جو ویش تھے اسکی رانیں ہوئے اور شودر اسکے پاؤں سے نکلے۔

منتر ۱۳۔ چاند اسکے دماغ (مالنس) سے نکلا۔ سورج اسکی آنکھ سے۔ اندرا اور اگنی اسکے مُنہ سے۔ وایو (ہوا) اسکے سالنس سے۔

اتھروید۔ کانڈ ۱۹۔ سوکت ۲ منتر ۵-۷۔ اسکا مُنہ کیا ہے۔ اسکے بازو کیا ہیں۔ اسکی رانیں کیا ہیں۔ اسکے پاؤں کیا ہیں۔ برہمن اسکا مُنہ ہیں۔ راجا اس کے بازو ہیں۔ ویش اسکی رانیں ہیں۔ اور شودر اسکے پاؤں ہیں۔ اسکے مُنہ سے اندرا اور اگنی اتپن ہوئے۔ اسکے سالنس سے وایو۔ اسکی ناف سے زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ اسکا سر آسمان ہے۔ اسکے پاؤں سے دنیا پیدا ہوئی۔ اور چار اطراف اسکے کانوں سے نکلے ''

یہ تمام عبارتیں کھڑک سنگھ صاحب و دھوکے ترجمے سے لی گئی ہیں جو انہوں نے بصورت لکچر کے مسٹر مارٹن کلارک صاحب کی مدد سے لکھے ہیں۔ ان تمام عبارتوں سے توحید کے معاملہ میں بہت کچھ قصور سمجھ میں آیا۔ اوّل تو وحدت وجود کا مسئلہ سمجھا گیا۔ حالانکہ بالکل خلاف عقل ہے کہ خدا اور مخلوقات ایک ہی ہوں۔ اگر ایسا ہوگا تو لازم آئیگا کہ ایک آدمی مثلاً جب سچ بولتا ہے تو دراصل وہ خدا ہی ہے اور جب جھوٹ بولتا ہے تو دراصل وہ خدا ہی ہے جبوقت زنا کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے اور جبوقت اپنی زوجہ سے صحبت کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے۔ جب ظلم کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے اور جب انصاف کرتا ہے تو بھی وہ خدا ہی ہے۔ لہذا دنیا میں کوئی شخص قابل مذمت نہیں رہیگا۔ کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے خدا ہی کا فعل ہے۔ اسمیں کسی کو دخل نہیں ہے۔

اسمیں ایک اور خرابی یہ لازم آئیگی کہ عبادت اور تپ یا بالکل فضول ٹھہرے گی اسلئے کہ جب آدمی مثلاً خود ہی خدا ہے تو وہ کسکی عبادت کرتا ہے کیا اپنی ہی؟ کیا کوئی عقل اس بات کو تجویز کرسکتی ہے کہ ایک شخص معبود بھی ہو اور عابد بھی۔ مالک بھی ہو۔ غلام بھی

خالق بھی ہو مخلوق بھی۔ اللہ بھی ہو بندہ بھی؟ جب یہ نہیں ہو تو عبادت بیکار رہے۔ حالانکہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں۔ پھر اسکے کیا معنی ہیں؟

تیسری خرابی جو اس سے لازم آتی ہے یہ ہے کہ خدا فانی بھی ہو اور باقی بھی۔ کیونکہ اپنی ذات سے تو وہ باقی ہے مگر جب آدمی۔ گھوڑا۔ خچر۔ پتھر۔ درخت۔ گھاس وغیرہ ہوا تو فانی ہوا کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں۔ نیز یہ کہ بے تغیر بھی ہو باتغیر بھی۔ کیونکہ یہ سب چیزیں متغیر اور ایک حال سے دوسرے حال پر بدلتی رہتی ہیں۔

پھر اِن بیانات سابقہ سے خدا کی کمزوری بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اُسکو جہان کے پیدا کرنے کیواسطے عرصہ تک تپسیا کرنا پڑا تھا۔ کیسا کمزور وہ خدا ہوگا جو صرف اپنے حکم سے جہان کو پیدا نہ کرسکا بلکہ عرصہ تک اسکو ریاضت کرنی پڑی۔

پھر سابقہ عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ مرکب ہے تب تو اسکے مُنہ۔ رانیں۔ پیٹ ناف پاؤں وغیرہ ہوئے جنسے برہمن۔ راجا۔ شودر۔ ویش پیدا ہوئے۔ اور جب وہ مرکب ہوا تو حادث ہوا قدیم نہوا۔ حالانکہ اُسکو قدیم ازلی مانا گیا ہے۔ یہ ہے کمی توحید۔ اسکو خوب سمجھو۔

مجھے اس بات سے بھی بہت تعجب ہو کہ جب ہادیان مذہب ہنود نے خداشناسی کے میدان میں قدم رکھا اور اسکے وجود اور قدامت اور خالقیت رازقیت۔ علم۔ قدرت وغیرہ صفات کمالیہ کو سمجھے اور اسکو قابلِ عبادت جان لیا۔ تو پھر کیا ہو گیا کہ اندر (آسمان یا بالائی قوت) اگنی (آگ) چاند سورج۔ صبح۔ شام۔ ہوا۔ پانی۔ زمین کی بھی عبادت کرنے لگے۔ کیا یہ سر جو تعظیم کے لیے جھکایا جاتا ہے اسی قابل ہو کہ ایسی مخلوق چیزوں کے آگے جھکے جنھیں اختیاری کوئی طاقت نہیں بلکہ صرف خالق کے حکم سے کرنے میں جو کچھ کرتے ہیں؟؟ کیا پانی کو یہ اختیار ہے کہ جب ہم اسکی بندگی کریں گے تو ہمیں کسی وقت ڈوبنے سے بچالیگا؟ کیا اگر آگ کی عبادت کریں گے تو ہمکو نہ جلائیگی۔ کبھی ایسا نہوگا۔ اگر صد سال گبر آتش فروزد چو یکدم اندراں افتد بسوزد؀

اسپر جو ہم دیکھتے ہیں کہ ویدوں میں صرف نہیں کی عبادت کی ہدایت کیگئی ہے اور انھیں کی عبادت کے طریقے بتائے گئے ہیں تو سخت تعجب ہوتا ہے؀

ہمارے پاس رگ وید۔ کا حصہ۔ انوکا اٹھارھواں سکت (۱) آنکا منشر لچھمن داس صاحب رئیس

سنیٹ سٹیفن کالج دہلی کا ترجمہ کیا ہوا موجود ہے۔مطبوعہ مطبع مرتضیٰ ی۔ اسمیں سوائے آگ یسورج چاند اندر۔ وغیرہ کی عبادت کے اور کچھ ذکر ہی نہیں۔ خدا تعالی کا تو کہیں نام بھی معلوم نہیں ہوتا ؛
شروع ہی کتاب سے آگ کی پرستش کی تعلیم دی گئی ہے۔
ورک (۱) میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو۔ کارکن۔ اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا۔ اور بڑا ثروت والا ہے۔ حمد کرتا ہوں (حمد کرتا ہوں)
ورک (۵) ایسا ہو کہ اگنی جو نذروں کا پہنچانے والا اور علم کا حاصل کرنے والا اور سچا نامور دیوتا ہے معہ دیوتاؤں کے یہاں آوے۔
سوکت ۳۔
(۱) لے اگنی معہ تمام دیوتاؤں کے سوم کا رس (میٹھا عرق) پینے کو ہمارے پوجا میں آ اور نذر پیش کر۔
(۸) اُن دیوتاؤں کو جنکی ہم پرستش اور تعریف کرتے ہیں سوم کا رس ارگ چڑھتی وقت پلا۔
(۳) لے اگنی اندر۔ وایو۔ برسپتی۔ مترا۔ اگنی پستان۔ بھاگا۔ ادتیاؤں اور مروت کے گروہوں کو نذر پیش کر۔ (یہ سب نام دیوتاؤں کے ہیں جنکی پرستش کیجاتی ہے)
سکت ۲
(۱) یہ تیز اور نعمتوں سے پُر سوم کا رس چڑھا گیا ہے لے وایو (ہوا) آ اور اس چڑھائے ہوئے رس کو پی ؛
(۲) ہم اندر (آسمان) اور وایو (ہوا) دونو دیوتاؤں کو جو دیو لوگ میں رہتے ہیں۔ سوم کا رس پینے کو بلاتے ہیں (دیوتا کو رس پلایا جاتا ہے)
اتوکا ۱۲۔ سکت ۱۔
(۳) اگنی خوراک کے مانند خوشگوار ہے۔ زمین کے مانند وسیع ہے۔ پہاڑ کے مانند ترکاریوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ پانی کی مانند خوش نما ہے۔ وہ گھوڑے کے مانند ہے جبکو رن میں حملہ کرنیکو دباتے ہیں اور بہنے والے پانی کے مانند ہے اُسے کون روک سکتا ہے ؛
غرض اسی طرح۔ اندر (آسمان)۔ ہوا۔ اگنی۔ مارت جو اندر کا مددگار دیوتا ہے۔ اسونوں و ورن

تردتی - وغیرہ دیوتاؤں کی عبادت کے طریقے اور اُنکی حمد اس تمام حصہ رگ وید میں مذکور ہے اسکے علاوہ خدا تعالیٰ کی کہیں ایک حرف میں بھی حمد وثنا نہیں ؛ ※

یہود - ان کے پانچ فرقے ہیں ۱ سامریہ ۲ صدوقیہ جو حضرت عزیر ہی کو خدا کا بیٹا بتاتے ہیں ۳ عنانیہ ۴ ربانیہ ۵ عیسویہ (اصحاب ابو عیسی اصبہانی)۔

ان پانچوں میں سے صرف صدوقیہ فرقہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا ہے اور یہ بات توحید کے بالکل برخلاف ہی کیونکہ اگر اُسکے بیٹا ہو تو ضرور ہے اُسکے کوئی جورو بھی ہوگی اور جب جورو ہوئی تو اُس سے ہمبستری کی بھی نوبت آئیگی - اسطرح تو خدا تعالیٰ کا تجسم ثابت ہوتا ہی جو اُسے حادث بنائے دیتا ہے حالانکہ وہ قدیم ہے -

توریت جو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے عمل درآمد کی کتاب ہے اسمیں بھی خلاف معرفت و توحید بہت سی باتیں لکھی ہیں - مثلاً خدا کا باغ میں ٹہلنا - کیا وہ کوئی آدمی ہے جسے تفریح کے واسطے باغ میں سیر کرنے کی ضرورت ہے - دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس ص ۴ (قصہ آدم وحوا میں) اور اُنہوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سنی اور آدم اور اُسکی جورو نے آپ کو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا ؛

اگرچہ آدم وحوا کا قصہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے مگر اُسمیں خدا تعالیٰ کا باغ میں ٹھنڈے وقت پھرنا نہیں لکھا گیا - اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت موجودہ محرف ہو ورنہ اسمیں ایسی خلاف عقل باتیں نہوتیں ؛

ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ خدا کے بہت سے بیٹے تھے - یہ مفہوم اُس عبارت کا جو آیندہ مذکور ہوگی - دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس ص ۱۱ (جب زمین پر آدمی بہت بڑھنے لگے

※ یہ کمزوری صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ عناصر وافلاک ونجوم کے جو تاثیرات عالم میں دیکھنے تھے تو ابتدائی زمانے کے آدمی جنکی عقلیں محدود - علم محدود - خیالات محدود تھے انکو اپنا معبود سمجھنے لگے - یہ تو سمجھے نہیں کہ یہ مستقل مخلوقات ہیں - ہمارے ہی فائدہ کے لئے اُنکو کسی اور رب العالم نے پیدا کیا ہے - وہاں تک تو نظر پہنچ نہ سکی انہیں ما دیات میں پھنسکر رہ گئے - اور اب بھی جبکہ علم وعقل کا زمانہ ہے اُسی لکیر کے فقیر چلے جاتے ہیں - یہ نہیں سمجھتے کہ ہم ایسے معبود حقیقی - خالق عالم - مدبر جہان - قادر مطلق - صانع عجائب اشیا کو چھوڑ کر کیا بے اختیار چیزوں کی عبادت کرتے ہیں - حالانکہ عقل صحیح اُسے پسند نہیں کرتی ؛

اور انسے بیٹیاں ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے خوبصورت ہیں اور اُن سبھوں سے جسے جو پسند آئیں اپنے لئے جورواں لیں۔ تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کریگی وہ تو بشر ہے تو بھی اسکے دن ایکسو بیس برس اور ہوا، گے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے ایک چھوڑ بہت سے بیٹے ہیں اور آوارہ بھی ہیں کیونکہ آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھکر للچائے اور انکو اپنی جوروئیں بنانا چاہا۔ مگر خدا اُنکا سے لئے روک دیا!!

توریت موجودہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انجام کا حال معلوم نہیں ہے وہ اپنے کاموں میں غلطی بھی کرتا ہے۔ اور جب اُسکی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے تو آخر پچھتاتا ہے دیکھو کتاب مقدس ص۱۱ مطبوع لودیانہ مشن پریس۔

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اُسکے دل میں تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔"

توریت کا یہ بھی بیان ہے کہ خدا تعالیٰ کے دل میں۔ تصورات و خیالات آتے ہیں جیسے آدمی کے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محرف توریت کی دماغی قوت اسی قدر تھی کہ وہ اپنے حقیقی معبود لیس کمثلہ شی کے واسطے "دل" اور "افسوس" وغیرہ تجویز کرے۔ دیکھو کتاب مقدس ص۱۵ مطبوع لودیانہ مشن پریس آیت اکیسویں۔

"اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے لئے میں زمین کو پھر کبھی لعنت نکروں گا۔ اسلئے کہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے برا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کیا ہے پھر سارے جانوروں کو نہ ماروں گا۔"

توریت حضرت موسیٰ کے قصے میں تو خدا تعالیٰ کی رویت وجہ کا انکار کرتی ہے۔ مگر حضرت ابراہیم کے قصہ میں بتاتی ہے کہ ابراہیم کو خدا دکھائی دیا۔ جس سے اُسکا مجسم ہونا ثابت ہوتا ہے دیکھو کتاب مقدس کتاب پیدائش ص۲۱ آیت ۷۔ تب خداوند نے ابرام (ابراہیم پیغمبر)

کو دکھلائی دیکے کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا"

توریت یہ بھی سبق دیتی ہے کہ آدمی اور خدا کی ایک ہی صورت ہے۔ اور جب اسکی کوئی صورت ہوگی تو اُسمیں مادہ بھی ضرور ہوگا جسپر اُس صورت کو قیام ہو لہذا مرکب ہوگا اور جب کب ہوگا تو ضرور ہے کہ اپنے مرکب ہونے سے پہلے معدوم رہا ہوگا۔ کیا کوئی عقل یہ تجویز کر سکتی ہے کہ خدا تعالی کبھی معدوم رہا ہو۔ اِس بات کے ثبوت کے واسطے دیکھو باب پیدائش ص۴-۵ کتاب مقدس آیت ۲۶-۲۷-۲۸ "تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اور اپنے مانند بناویں کہ وے سمندر کی مچھلیوں پر اور آسمان کے پرندوں پر اور مواشیوں پر اور تمام زمین پر اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں سرداری کریں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اسکو پیدا کیا"

اِس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی خدا کے مانند ہے۔ کیونکہ اس نے آدمی کو اپنے مانند اور اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ یہی وہ خیال ہے جسے اکثر مسلمانوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ داود خوارزمی کا قول آیندہ آئیگا۔ وہ کہتے تھے کہ خدا کے ہاتھ پاؤں مُنہ آنکھ ناک خون۔ گوشت۔ بال (اور وہ بھی گھونگر والے) سب ہیں۔ مسلمانوں نے آدمی کا بصورت خدا ہونا بھی بیان کیا ہے اور اُسپر یہ تہمت لگائی ہے کہ رسولؐ خدا نے ایسا فرمایا ہے۔ دیکھو کتاب ملل و نحل شہرستانی۔ ج۔ اول ص۱۴۰-۱۴۱۔ اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا نے اپنے رسول محمد مصطفےؐ سے مصافحہ بھی کیا ہے۔ اور یہ بات آپ رسولؐ خدا نے بیان فرمائی ہے۔ معاذ اللہ من ذلک۔ یہی گروہ مسلمانوں کا مشبہ کہا جاتا ہے انکو شیعہ اثناعشری گروہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ جنکے اماموں کی بیان کردہ توحید اس رسالہ میں مندرج ہوگی۔

اس بات کا ثبوت کہ یہودیوں کی کتاب توریت سے تجسم باریتعالی کا مسئلہ مسلمانوں نے لیا ہے وہ ہے جو آیندہ آتا ہے۔ اُس سے معلوم ہوگا کہ خداوند تعالی کھانا بھی کھاتا ہے جیسا کہ وید کا پہلے قول نقل ہو چکا ہے کہ خداوند تعالی خوراک کھا کر بڑھتا ہے۔ دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس ص ۲۸-۲۹ "پھر خداوند ممرے کے بلوطوں میں اسے (ابراہیم کو) نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پر بیٹھا تھا اور اُس نے اپنی آنکھیں اٹھا کے نظر کی اور کیا دیکھا کہ تین مرد اُسکے پاس کھڑے ہیں وہ انہیں دیکھکر خیمے کے دروازے سے انکے ملنے کو دوڑا اور زمین تک انکے آگے جھکا اور بولا کہ اے خداوند اگر مجھپر تیری مہربانی ہے تو اپنے بندے کے پاس سے

چلے نہ جائیے کہ تھوڑا سا پانی لایا جاوے اور آپ اپنے پاؤں دھو کر اس درخت کے نیچے آرام کیجئے۔
(کیونکہ معاذ اللہ خدا صاحب چلتے چلتے تھک گئے تھے) اور بیٹھا یا بھی کہاں؟ درخت کے نیچے اپنے خیمہ
میں نہ آنے دیا) میں تھوڑی روٹی لاتا ہوں تازہ دم ہو جئے۔ اسکے بعد جائیگا۔ کیونکہ اسی لئے اپنے
بندے کے یہاں آئے ہیں (یعنی روٹی کھانے۔ واہ رے معرفت۔ خدا کی بھی خوب ہی قدر کی)

اس قدر نقل عبارت توریت کی اہل بصیرت کیواسطے کافی ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہود کو خدا تعالے
کی کس درجہ معرفت حاصل تھی۔ اور انکے خیالات اسکی نسبت کیا تھے۔ انکی قوت دماغیہ کہاں تک تھی
اور اب بھی جو اسی رائے پر جمے ہوئے ہیں تو کہاں تک انکا یہ جمود قابل قدر ہے۔ میں نے اس مقام پر
صرف اسی قدر نقل کرنا کافی سمجھا ہے۔ کیونکہ آئندہ میرا ارادہ ہے کہ جب تمام دنیا کے مذاہب پر مفصل
بحث کرونگا۔ اور ایک مستقل کتاب انشاء اللہ ترتیب دونگا اور انکا اسلام سے مقابلہ کرونگا اسوقت اور
بھی باتیں توریت وغیرہ سے دکھائی جائینگی جو بالکل خلاف عقل ہیں۔

عیسائی۔ ان کے قدیم فرقے تین معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اب دو فرقے الگ ہو گئے ہیں۔ مگر
ان سب کے خیالات تقریباً تثلیث پر دائر ہیں۔ پہلا فرقہ ملکائیہ ہے۔ دوسرا نسطوریہ۔ تیسرا یعقوبیہ
ملکائیہ کا یہ خیال ہے کہ کلمہ بدن مسیح کی صورت میں ہو گیا۔ اور اس نے انسانی لباس پہن لیا
اور کلمہ کی تعبیر اقنوم العلم کرتے ہیں اور روح القدس کو اقنوم الحیاۃ کہتے ہیں۔ مگر جبتک
اقنوم العلم نے انسانی لباس نہیں پہنا تھا۔ اسوقت خدا کا بیٹا نہیں ہوا۔ جب پہن لیا تو خدا
کا بیٹا ہو گیا۔

انکا خیال ہے کہ مسیح ناسوت (انسان) کلی ہیں۔ قدیم ازلی ہیں۔ قدیم ازلی سے پیدا ہوئے ہیں
اور مریم نے خدائے قدیم ازلی کو جنا تھا۔ صلیب جو دی گئی تھی تو جسم انسانی پر واقع ہوئی۔
لاہوت (انکی الٰہیت) پر نہیں واقع ہوئی۔ (کسقدر عجیب بات ہے کہ خدا تو قدیم ازلی ہے۔ جسے
اس نے پیدا کیا وہ بھی قسم ہے ازلی ہو گیا۔ حالانکہ عقل بتاتی ہے کہ اُسے حادث ہونا چاہئے نہ قدیم)

نسطوریہ کا یہ خیال ہے (جو حکیم نسطور کے پیرو ہیں جسکا ظہور زمانہ مامون رشید عباسی میں ہوا تھا)
کہ اللہ تعالیٰ تو واحد ہے مگر اسمیں تین اقنوم ہیں۔ ایک وجود۔ دوسرے علم۔ تیسرے حیاۃ (یہاں تک
مضایقہ نہیں کیونکہ یہ صفتیں ایک معبود برحق میں ہونی چاہئیں) یہ تینوں اقنوم زائد برذات

اور نہ عین خدا تعالیٰ ہیں۔ اور کلمہ (جس سے مراد اقنوم علم ہے) جسد عیسیٰ سے متحد ہو گیا مگر نہ بطور امتزاج اور نہ بطور ظہور بلکہ بطور اشراق آفتاب کے کسی شیشہ کی شے پر یا جیسے نقش انگوٹھی پر ابھر آتا ہے۔

ان میں سے اکثروں کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن (بیٹا خدا کا) ہمیشہ سے پیدا ہوا تھا (ہمیشہ سے پیدا ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی۔ اور پیدا ہوئی اُسکے لیے ہمیشگی کہاں) یہاں صرف بدن مسیح سے متحد ہو گیا اور اُس جسم میں نمودار ہوا۔ جبکہ مسیح پیدا ہوئے۔ لہٰذا وہ خدا بھی ہیں اور انسان بھی۔ یہ دونوں ہی دو جوہر۔ دو اقنوم۔ دو طبیعتیں ہیں۔ ایک جوہر قدیم ہے دوسرا جوہر حادث ہے۔ الہٰ تام ہے اور انسان تام۔ اس اتحاد نے نہ قدیم کے قدم کو باطل کیا اور نہ حادث کے حدوث کو لیکن دونوں ایک مسیح بنگئے۔ (یعنی واجب لذاتہٖ واجب ہی رہا۔ اور حادث حادث ہی رہا۔ پھر بھی دونوں ملکر ایک مسیح کی صورت میں نمایاں ہوئے" (سبحان اللہ فلسفہ دانی اتنی تو ہو)۔

یعقوبیہ کا یہ خیال ہے کہ اقانیم تین ہیں۔ اور وہ کلمہ جس سے حضرت مسیح پیدا ہوئے وہی خون اور گوشت بنگیا۔ لہٰذا خدا ہی مسیح ہو گیا۔ اور اُس نے انکے بدن میں ظہور کیا بلکہ خدا اور مسیح دونوں ہی ایک ہیں (انمیں آنمیں کچھ فرق نہیں) ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۶۳-۶۴-۶۵-۶۶-

اب میں تھوڑی ہی انجیلوں کی عبارت بھی پیش کرونگا جس سے اُن کے مذہب کی حقیقت بخوبی معلوم ہو جائے۔ اور یہ ثابت ہو جائے کہ عیسائی تقسیم ہرگز موحد نہیں ہے جس طرح سے یہ لوگ زمانہ قدیم میں حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا عین خدائے تعالیٰ سمجھتے تھے اُسی طرح اب بھی انکو معاذ اللہ خدا کا بیٹا ہی سمجھتے ہیں ؛

چنانچہ انجیل مرقس کا شروع ہی یہاں سے ہوا ہے "خدا کے بیٹے یسوع مسیح کی انجیل کا شروع"

انجیل متی باب ۱۲- آیت ۲۵- ۲۶- ۲۷- اُسی وقت یسوع پھر کہنے لگا کہ اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے اُن چیزوں کو داناؤں اور عقلمندوں سے

چھپایا۔ اور بچوں پر کھولدیا۔ ہاں اے باپ کہ یونہیں تجھے پسند آیا۔ میرے باپ سے سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا مگر باپ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا مگر بیٹا؛؛

پھر آگے چلکر خود ہی حضرت عیسےٰ نے اپنے تئیں ابن آدم کہا ہے۔ جو بالکل خدا کا بیٹا ہونے کے منافی ہے ملاحظہ ہو۔ انجیل متی باب ۱۲۔ آیت ۴۰۔ کیونکہ جب یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویساہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہیگا؛؛

یہ اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بعد صلیب کے تین روز تک دفن رہے اور پھر زندہ ہوکر آسمان پر چلے گئے۔

انہیں حضرت عیسیٰ کو کہیں معاذ اللہ یوسف نجار کا بیٹا بھی بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل لوقا باب ۳۔ آیت ۲۴۔ اور یسوع آپ برس تیس ایک کا ہوا جب شروع کیا اور جیسا کہ گمان تھا وہ یوسف کا بیٹا تھا اور وہ ہیلی کا؛؛

انجیل یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۱۔ میرے باپ کے گھر میں بہت مکان ہیں۔ نہیں تو میں تمہیں کہتا میں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے جگہ تیار کروں؛؛

اور اسی انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عیسےٰ اپنے تئیں خدا کا رسول کہتے تھے نہ بیٹا۔ دیکھو انجیل یوحنا باب ۷۔ آیت ۱۶ تب یسوع نے انہیں جواب میں کہا کہ میری تعلیم میری نہیں بلکہ اسکی ہے جس نے مجھے بھیجا۔

خیر یہ تو تناقضات ہیں جو انجیلوں کی عبارت میں ہیں انہیں اس سے بحث نہیں۔ مطلب تو یہاں صرف اسقدر ہے کہ عموماً عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ پیغامبر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں حالانکہ یہ صریح الزام ذات پروردگار پر ہے اور جس سے اُسکا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔

اہل اسلام۔ یہ فرقہ بہت سے فرقوں پر منقسم ہوگیا ہے۔ چنانچہ سچے نبی محمد مصطفےٰ نے اسکی پیشین گوئی فرمادی تھی ستفترق امتی علی ثلثہ وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحد ۃ مگر آخر دو بڑی گروہوں پر منقسم ہوگئے ۱۔ سنی ۲۔ شیعہ۔

سنی فرقے کے بھی بیشمار فرقے ہیں۔ جو کتاب ملل شہرستانی اور ملل ونحل ابن حزم کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتے ہیں۔ مگر ان کے دو تین بڑے فرقوں کے اصول مذہب یہاں بطور نمونہ کے دکھائے جائینگے جن سے معلوم ہوگا کہ یہ لوگ کس درجہ کے موحد ہیں؛

معتزلہ- اس فرقہ کو اگرچہ صاحب ملل ونحل یعنی شہرستانی نے مجوس امت محمدیہ بنایا ہے اور اسپر ایک حدیث بھی جناب رسالتماب کی نقل کی ہے- اور غالباً صرف اس وجہ سے کہ یہ فرقہ توحید میں نہایت سچا ہے- اور جو حق واجب توحید ہے اسکا قایل ہے- یہ فرقہ خدا تعالیٰ کو قدیم مانتا ہے صفات خدا تعالیٰ کو زاید بر ذات نہیں سمجھتا- بلکہ عین ذات خدا سمجھتا ہے- ورنہ تعدد قدما لازم آئیگا جو عقلاً محال ہے- کلام خدا کو مخلوق و حادث بتاتا ہے- (اور واقعی بھی یوہیں ہے- کیونکہ خدا تعالےٰ نے کلام کو حروف و اصوات کی صورت میں پیدا کیا ہے- نہ یہ کہ وہ خود کلام ہے- یا کلام اسمیں چھپا ہوا ہے) خدا تعالیٰ کے دیدار کا منکر ہے اسے محال بتاتا ہے- خدا تعالیٰ کو مخلوقات سے مشابہ نہیں بتاتا- غرض جو اعلیٰ درجہ کی توحید ہونی چاہیئے وہ اس فرقہ میں موجود ہے- صرف شیعوں میں اور انمیں اگر اصولی اختلاف ہے تو باب امامت میں- یہ لوگ ثلاثہ کو خلفاے برحق جانتے ہیں- اور شیعہ بموجب نص قرآنی اور احادیث رسول علی بن ابیطالب علیہ السلام کو خلیفہ برحق بلافاصل مانتے ہیں

اشعریہ- اصحاب ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری- کے چند خیال منافی توحید معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ اشاعرہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفت میں تغفر کرتے ہیں اور اسکے صفات کو اسکی ذات سے علیحدہ ایک چیز قدیم مانتے ہیں- جسکا لازمی نتیجہ تعدد قدما ہے جو عقلاً محال ہے- دوسرے یہ کہ خدا ہی کو فاعل نیک و بد ٹھہراتے ہیں- انکا خیال ہے کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد کام بندوں سے ہوتا ہے سب خدا ہی کرتا ہے-

شہرستانی لکھتے ہیں صفحہ ۱۲۲ جلد ا- ملل ونحل- قال ابوالحسن- الباری تعالیٰ عالم بعلم قادر بقدرۃ حیٌ بحیاۃ- مرید بارادۃ متکلم بکلام سمیع بسمع بصیر ببصر" اللہ تعالےٰ علم سے عالم ہے- قدرت سے قادر ہے- حیاۃ سے زندہ ہے ارادہ سے مرید ہے- کلام سے متکلم ہے قوت سامعہ سے سُننے والا ہے- قوت باصرہ سے دیکھنے والا ہے"

غرض جو طریقے انسان کے کام اور ادراکات کے ہیں بعینہٖ ویسے ہی خدا کیلئے بھی اُنہوں نے ثابت کیئے ہیں-

اُن کے نزدیک کلام خدا کے نفس میں قایم ہے- جسے کلام نفسی سے تعبیر کرتے ہیں-

صفحہ ۱۲۳- والکلام عند الاشعری قائم بالنفس سوی العبارۃ بل العبارۃ دلالۃ

علیحدہ ہیں الانسان "

اسمیں خرابی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا محل اشیاء کثیرہ ہونا لازم آتا ہو۔ کیونکہ جب بصارت۔ سماعت۔ قدرت۔ علم۔ ارادہ۔ کلام۔ حیاۃ وغیرہ علیحدہ سے اسکی ذات میں قایم ہوئے تو اسکی ذات ان سب کا محل قرار پائی۔ اب دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا یہ کہ صفات قدیم ہونگے یا حادث ہوں گے۔ اگر قدیم ہیں تو ایک چھوڑ کئی قدیم کا وجود لازم آئیگا۔ حالانکہ کئی قدیم نہیں ہوسکتے ورنہ سب کا مرکب ہونا لازم ہوگا اور جب سب کے سب مرکب ہوں گے تو یقیناً سب کے سب حادث ہوجائیں گے۔ پھر کوئی بھی قدیم نہ رہے گا۔ یہانتک کہ پروردگار عالم بھی حادث ہوجائیگا معاذ اللہ عن ذلک "

کئی قدیم نہو سکنے کی ایک موٹی دلیل تو یہ ہے کہ جب ہم کسی چیز کو دو۔ یا تین یا چار مثلاً کہتے ہیں جیسے چار گھوڑے۔ تین درخت۔ پانچ آدمی۔ دو قدیم۔ تو ضرور انمیں باہم کوئی چیز ایسی بھی ہے جو سب میں پائی جاتی ہے اور کوئی چیز ایسی بھی ہوتی ہے جس سے وہ ایک دوسرے سے متمائز اور علیحدہ علیحدہ سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً زید۔ عمرو۔ بکر۔ خالد۔ یہ چار آدمی ہیں۔ انکو چار آدمی کیوں کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ چاروں میں ایک چیز مشترک پائی جاتی ہے یعنی آدمیت اور انسانیت۔ جیسا زید انسان ہے ویسا ہی عمرو ہے۔ ویسا ہی بکر ہے ویسا ہی خالد انسان ہے۔ لہذا یہ چار انسان ہوئے۔ پھر انکو چار کیوں کہا گیا۔ زید۔ زید کیوں ہوا عمرو۔ عمرو۔ کیوں ہوا۔ بکر۔ بکر کیوں ہوا۔ خالد۔ خالد کیوں ہوا؟ اسی وجہ سے کہ انکی صورتیں الگ الگ ہیں۔ انکی شباہتیں الگ الگ ہیں۔ انکا طرز گفتگو الگ الگ ہے۔ ان کے قوائے ظاہری و باطنی الگ ہیں۔ غرض اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں جنسے یہ علیحدہ علیحدہ پہچانے جاتے ہیں۔ اور جن سے یہ چار شخص چار شخص کہے گئے۔ معلوم ہوا کہ انمیں کم از کم دو چیزیں پائی جاتی ہیں ایک تو وہ ہے جو ان سب میں برابر پائی جاتی ہے یعنی انسانیت۔ دوسرے وہ چیز ہے جو سب میں الگ الگ ہے وہ انکی صورتیں ہیں۔ لہذا یہ چاروں ان دو چیزوں سے مرکب ہوئے۔ اسی لئے حادث ہیں۔ پس اگر دو یا چار قدیم ہوں گے تو اسی طرح ایک چیز انمیں مشترک ہوگی اور ایک وہ ہوگی جس سے یہ علیحدہ علیحدہ سمجھے جاسکے اور انمیں باہم تمائز ہوا لہذا۔ یہ چاروں قدیم ان دو چیزوں سے مرکب ہوجائینگے اور ظاہر ہے جو چیز مرکب ہوتی ہے۔ وہ اپنے اجزاء کے وجود سے پیچھے موجود ہوتی ہے۔ دیکھو شرح

آنار کہاں تھا؟ جب تم نے شکر اور عرق دانہ آنار ملایا اور انکو یکا کر ترکیب دی تب شربت آنار بنا پہلے صرف شکر بھی اور عرق تھا شربت نہ تھا۔ جب دونوں مل گئے۔ تب شربت ہوا۔ لہٰذا شربت بہ نسبت اپنے اجزا (شکر و عرق) کے پیچھے حادث ہوا۔

پس اگر چند قدیم مرکب پائے جائیں گے تو ضرور وہ اپنے اجزا کے وجود سے متاخر ہوں گے۔ لہٰذا حادث ہوں گے۔ کوئی بھی انہیں قدیم نہ رہیگا۔ تو اس سے خدا تعالےٰ جو قدیم ہے اسکا بھی حدوث لازم آئیگا اور یہ کہنا پڑے گا کہ ایک وقت میں وہ موجود نہ تھا جب اسکے اجزا مل لئے تب اسکا وجود ہوا۔ اور جب ایسا ہوا تو ضرور ہے کہ اسکے پہلے کوئی ان اجزا کا باہم ملانے والا بھی ہوگا۔ لہٰذا وہ بہ نسبت اس خدا کے قدیم ہوگا۔ حالانکہ تم نے اسی خدائے مرکب کو قدیم کہا تھا۔

خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ جل اسمہ وعز مجدہ کی توحید حقیقی اس وقت عقل کے نزدیک مسلم ہو سکتی ہے جبکہ مان لیا جائے کہ اسکے سوا کوئی قدیم ازلی نہیں !!!

اور اگر وہ صفات حادث ہیں تو لازم آئیگا کہ کسی وقت خدا تعالےٰ بے علم بھی تھا۔ بے حیات بھی تھا۔ بے قدرت بھی تھا۔ بے سمع بھی تھا بے بصر بھی تھا۔ حالانکہ کوئی عقلمند اس بات کو خدا تعالےٰ کی نسبت نہیں کہہ سکتا۔

علاوہ اسکے خواہ تم صفات زائدہ کو قدیم مانو یا حادث جب تم انکو ذات خدا سے علیحدہ سمجھو گے تو تمکو کہنا پڑے گا کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو قدرت سے مدد لیتا ہے جب جاننا چاہتا ہے تو علم سے مدد لیتا ہے۔ جب سننا چاہتا ہے تو سماعت سے مدد لیتا ہے۔ جب دیکھنا چاہتا ہے تو بصارت سے مدد لیتا ہے اور جب زندہ رہنا چاہتا ہے تو حیات سے مدد لیتا ہے !! یہ کیسا خدا ہوا جو اپنے کاموں میں اور چیزوں کا محتاج ہے۔ یہ کیسا خدا ہے کہ بذاتہ زندہ نہیں ہے بلکہ ایک علیحدہ زندگی سے زندہ ہے تو کیا اس زندگی کے آنے سے پہلے مردہ تھا؟ کیا یہی شان خدا تعالیٰ کی ہونی چاہیے؟۔ حاشا وکلا؛

پھر اگر تمام نیک و بد کاموں کا پیدا کرنے والا خدا ہی کو سمجھو تو اس سے بڑھکر کوئی بھی ظالم نہ ہوگا کیا تم خدا کو ظالم سمجھتے ہو؟۔

کیا عقل یہی کہتی ہے کہ خدا ہی خود بندے کے منہ سے شراب پیئے۔ بندے کے ہاتھوں سے جوا کھیلے

بندے کے اعضا سے زنا کرے۔ بندے کے ہاتھ پاؤں سے نماز پڑھے۔ بندے کے ذریعہ سے حج زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے اور پھر اُسکو سزا یا جزا بھی دے؟ حالانکہ یہ صریح ظلم ہے۔ خود ہی ہمسے جھوٹ بلوائے۔ اور پھر خود ہی ہمیں سزا دے۔ خود ہی ہمسے جوا کھلوائے اور خود ہی عذاب بھی ہمپر کرے۔ یہ کیسی لغوبات ہے!!

دیکھو اگر کوئی آدمی زبردستی کسی کے حلق میں شراب ڈالدے۔ اور پھر اُس سے کہے تونے کیوں شراب پی۔ اب تو مارا جائیگا۔ تو ایسے شخص کو لوگ کیا کہیں گے؟ کیا ظالم بے رحم۔ ناانصاف نہ کہیں گے؟ پھر کیا تم خدا کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو؟ ہرگز یہ خیال عقل کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ بلکہ انسان اپنے فعل آپ اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اُسے ہدایت کردی ہے کہ یہ نیک کام ہے یہ بد کام ہے۔ اگر اسے کروگے تو سزا پاؤگے۔ اگر اُسے کروگے تو جزا پاؤگے۔ البتہ آلات ایسے پیدا کردئے ہیں جن سے دونوں کام برابر ہوسکتے ہیں یہی ہاتھ ہے۔ اس سے چاہو کسی کو سلام کرو۔ چاہو کسی کو طمانچہ مارو۔ یہی مُنہ ہے چاہو اس سے جھوٹ بولو۔ چاہو سچ بولو۔ یہی آنکھ ہے چاہے اُس سے نامحرموں کو دیکھو۔ چاہے اس سے قرآن کے مضامین کو دیکھکر اُنہیں غور کرو۔ یہی کان ہیں۔ چاہے اس سے گانا سُنو یا غیبت سُنو۔ چاہے اس سے موعظ سُنو۔ احکام الٰہیہ سُنو۔ یہی پاؤں ہیں چاہے ان سے شراب خانے میں جاؤ۔ چاہے مسجد میں۔

مگر اس نے بتا دیا ہے کہ اگر وہ یا کروگے تو سزا پاؤگے جہنم میں جلوگے۔ اگر ایسا کروگے تو جنت میں جاؤگے جزا پاؤگے۔

اگر یہ کہو کہ اچھا پھر ایسے آلات ہی کیوں بنائے جنسے دونوں کام ہوسکیں۔ کیوں نہ ایسے بنائے کہ جن سے صرف نیک ہی کام ہوسکتے؟

تو بھائی! اسکا جواب یہ ہے کہ پھر تمہاری تعریف ہی کیا رہتی۔ اگر تم اس صورت میں نیک ہی کام کرسکتے۔ تو تم اُن نیک کاموں کے کرنے پر مجبور ہو۔ اور جس سے بجبر کوئی کام لیا گیا ہو وہ شخص ہرگز اُس کام کے کرنے پر قابل داد نہیں ہوسکتا۔ ایک بوڑھا آدمی اگر زنا نہیں کرتا تو اُسکی کیا تعریف ہے۔ جبکہ اُسکے پاس وہ آلہ ہی نہیں جس سے زنا کرے۔ ایک گونگا آدمی اگر جھوٹ نہیں بولتا تو اُسکی کیا تعریف ہے۔ اسلئے کہ اُسکے پاس وہ آلہ ہی نہیں ہے جس سے جھوٹ بولے ایک بہرا آدمی اگر غیبت نہیں سُنتا۔ یا ایک مفلوج آدمی چوری نہیں کرتا۔ یا ایک اندھا بری نظر سے کسی کو نہیں دیکھتا تو انکی تعریف ہی کیا۔ اگر اُن کے آلات اس قابل ہوتے اور پھر ہدایت خدا پر

عمل کرکے ان کاموں کو نہ کرنے تب قابل تعریف ہوتے !! - ایک جوان آدمی جب تمام ظلم و فحش ۔ زنا ۔ بد نظری ۔ جھوٹ ۔ غیبت وغیرہ سے بچتا ہے تو لوگ اُسے کہتے ہیں کیا جوان صالح ہے ۔ حالانکہ اُس کے پاس بھی وہ آلات موجود ہیں جن سے وہ ان کاموں کو کرسکتا ہے ۔ لیکن حکم خدا کو ماننے کی وجہ سے بُرے کام نہیں کرتا ۔ لہٰذا قابل تعریف ہوا ۔

نیز اگر ایسا ہی ہوتا کہ تم سوائے نیک کاموں کے بُرے کام نہ کرسکتے تو انبیا کا آنا بیکار ہوتا کتابوں کا خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا فضول ہوتا کیونکہ یہ سب ہدایت کیواسطے آئے ہیں ۔ اور جب تم آپ ہی ایسے ہو کہ ہمیشہ اچھے کام کرتے ہو بُرے کام کرتے ہی نہیں تو ہدایت کے کیا معنے ہوسکتے ہیں اور کسے ہدایت کیجاتی ۔ یہ انبیا تو اسی لئے آئے تھے تاکہ تمکو نیک اور بد راہیں بتادیں اور تمہیں سمجھا دیں کہ اگر وہ کروگے جزا کے مستحق ہوگے اگر یہ کروگے سزا کے لایق ہوگے ۔ پس اگر خدا ہی تمہارے سب افعال کا خالق ہو تو کسقدر فضول ہوتا ہے انبیا کا آنا اور کتابوں کا نازل ہونا ۔ اور اسی طرح اگر تمہارے پاس آلات عمل بد کے ہوتے ہی نہیں تو انکا آنا کسقدر لغو ہوتا ۔ سمجھو اور غور کرو ۔

پھر ابوالحسن اشعری کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو تکلیف مالایطاق دیتا ہے اور دیسکتا ہے ۔ یعنی ایسی باتوں کا انسان کو حکم دیسکتا ہے یا دیتا ہے جنہیں انسان کر نہیں سکتا ۔ شہرستانی لکھتے ہیں ص ۴۲ ا ۔ ملل و نحل " وتکلیف مالا یطاق جایز علی مذھبہ " یعنی امام اشعری کی رائے بموجب ایسی تکلیف جائز ہے جسے انسان نہ کرسکے ۔ مثلاً پروردگار عالم ۔ یہ حکم دیسکتا ہے کہ آدمی آسمان پر اوڑجائے حالانکہ اسکے پاس ایسے پروبازو نہیں ہیں کہ جن سے وہ اڑسکے ۔ اور جب باوجود اپنی بےبسی کے اُس تکلیف محال کو نہ کرسکے تو اُسے سزا بھی دیتا ہے ۔ کہ تو آسمان پر بغیر پروبال کے کیوں نہ اڑ گیا ۔

کیوں بھائیو ۔ کیا عقل ایسی ہی باتیں ۔ خدا تعالیٰ جل ذکرہ کی نسبت تجویز کرتی ہے ۔ کیا تمہارا ایسا عادل پروردگار ایسی ہی صفت کا ہوسکتا ہے ؟ ۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہم ایسے خدا کے بندے نہیں بننا چاہتے جو اتنا بڑا ظالم ہو ۔ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرًا اللہ اکبر جل جلالہ و عز عزہ ۔

جب تم ایک معمولی عقل کے آدمی کی نسبت یہ تجویز نہیں کرتے کہ وہ کسی کو ناممکن بات کا حکم دے تو خدا تعالیٰ کی نسبت کیونکر یہ بات تسلیم کرلی گئی ۔ کیا تم کسی آدمی سے اللہ سکتے ہو کہ ایک شخص بیس من

سے لکھنو کو پیدل چلا جا؟ ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ اُسکے پاس ایسے آلات نہیں ہیں جسسے وہ تنہا
یہ حکم بجا لاسکے تو کیا پروردگار عالم ایسا حکم دیسکتا ہی۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں ! !۔

کتاب عقاید نسفی جو اہلسنت والجماعت کے اعتقادات کا مجموعہ ہو اسمیں بھی ویسے ہی اعتقادات
ثبت ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں۔ وله صفات ازلیة قائمة بذاته وهی لا هو ولا غیره وهی العلم
والقدرة والحیوة والقوة والسمع والبصر والارادة والمشیة والفعل والتخلیق والترزیق
والکلام وهو متکلم بکلام هو صفة له ازلیة وهو صفة مغایرة منافیة للسکوت والآفة
والله تعالیٰ متکلم بها۔ ص ۱۲ تا ۱۴ شرح عقاید نسفی مطبوعہ مطبع نظامی۔

پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ ورؤیة الله تعالیٰ جائزة فی العقل واجبة بالنقل وقد ورد
الدلیل السمعی بایجاب رؤیة المؤمنین لله تعالیٰ فی الدار الآخرة۔ شرح عقاید نسفی۔
عبارت متن ص ۸۱ مطبوعہ مطبع نظامی۔

اِن دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہی کہ صفات خدا تعالیٰ نہ زاید بر ذات ہیں نہ عین ذات اور پھر
اصل ذات واجب الوجود سے الگ بھی نہیں اور علیحدہ سے اُسکی ذات میں قایم ہیں ۲۔ خدا کا دیدار
ہوگا مومنین قیامت میں خدا کو دیکھیں گے ! ! حدیثیں بھی اس قسم کی اس شرح میں نقل کی گئی ہیں کہ
مومنین خدا کے چہرہ کو جنت میں دیکھیں گے۔ دیکھو شرح عقاید نسفی ص ۱۹۔

جب خدا کے لئے چہرہ ہوا تو ہاتھ پاؤں کان آنکھ ناک بھی ضرور ہوں گے۔ پھر تو خاصہ آدمی
ہوگیا خدا کیا ہوا۔

یہ بھی لکھتے ہیں والله تعالیٰ خالق افعال العباد من الکفر والایمان والطاعة و
المعصیة۔ شرح عقاید نسفی ص ۲۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کفر۔ ایمان۔ طاعت۔ اور
معصیت کا پیدا کرنیوالا ہی ۔ یعنی خود ہی کافر بناتا ہی خود ہی لوگوں کو مومن بناتا ہی۔ خود ہی طاعت

لہ اس فقرے میں ایک عجیب بات اور ہی یعنی ارتفاع نقیضین آجتک کوئی عقلمند اس بات کا قایل نہیں ہوا کہ ایک چیز
ایک ہی وقت میں موجود بھی نہو اور معدوم بھی نہو۔ آخر کوئی شخص کیونکر یہ بات کہہ سکتا ہی۔ اگر وہ شے موجود نہیں ہی تو معدوم
ضرور ہے۔ اور اگر معدوم نہیں ہی تو موجود ضرور ہے یہ کیا معنی کہ موجود بھی نہیں معدوم بھی نہیں لا هو ولا غیره کے یہ
معنی ہیں کہ صفات پروردگار عالم نہ اسکی عین ذات ہیں نہ غیر ذات تو پھر آخر کیا ہیں۔ تیسری صورت تو ممکن ہی
نہیں۔ اسکا جواب اگر کوئی سمجھا دے تو میں ممنون ہونگا۔ ۱۲

کرواتا ہی خود ہی گناہ۔ سبحان اللہ کیا معرفت ہی!! اے پروردگار قسم ہے تیری ذات کی تو ایسا نہیں ہے۔ اگر واقعی تو ایسا ہی ہی تو ہم باز آئے تیری خدائی سے تو تو بڑا ظالم نکلا۔ تو خود ہی لوگوں کو کافر بناتا ہے اور پھر آپ ہی انپر عذاب کریگا۔ ارے یہ کیسا ظلم ہے۔ تو ہمارے ہاتھوں پر معصیت کو پیدا کرتا ہی اور پھر سزا دیگا۔ پھر تو تو صرف کا نامنصف ہی۔ نعوذ باللہ من ہذہ الاقوال۔

اکثر حضرات اہلسنت اس بات کے بھی قایل ہو گذرے ہیں کہ خدائے تعالیٰ بالکل مجسم ہے۔ جیسے آدمی۔ اسکے گھونگھر والے بال بھی ہیں۔ گوشت۔ خون۔ ہاتھ پاؤں سب ہیں۔ چنانچہ صاحب ملل ونحل لکھتے ہیں ص ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ مطبوعہ بیروت۔ وحکی الکعبی عن بعضہم انہ کان یجوز الرویۃ فی الدنیا یزورہ ویزورہم وحکی عن داؤد الخوارزمی انہ قال اعفونی عن الفرج واللحیۃ واسالونی عما وراء ذلک وقال ان معبودہم جسم ولحم ودم لہ جوارح واعضاء من ید ورجل وراس ولسان وعینین واذنین ومع ذلک جسم لا کالاجسام ولحم لا کاللحوم ودم لا کالدماء وکذلک سائر الصفات وھو لا یشبہ شیئاً من المخلوقات ولا یشبہہ شیٔ وحکی انہ قال ھو اجوف من اعلاہ الی صدرہ مصمت ما سوی ذلک وان لہ وفرۃ سوداء ولہ شعر قطط۔

یعنی کعبی نے بیان کیا ہی انہیں سے بعض کا قول کہ وہ تجویز کرتا تھا خدا کا دیدار دنیا ہی میں اور یہ کہ وہ اسکی زیارت کرتے ہیں اور وہ انکی زیارت و ملاقات کرتا ہی۔ اور داؤد خوارزمی کا قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا۔ مجھ سے نہ پوچھو کہ خدا کے فرج اور ڈاڑھی ہے یا نہیں۔ اسکے علاوہ اور سب باتیں مجھ سے پوچھو۔ وہ کہتا تھا کہ آدمیوں کا معبود جسم ہے۔ گوشت ہی۔ خون ہے۔ اس کے جوارح واعضا بھی ہیں۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ سر۔ زبان۔ آنکھیں۔ کان اور باوجود اسکے وہ ایسا جسم ہے کہ اور جسموں کا سا نہیں ہے۔ اور گوشت ہی مگر اور گوشتوں کا سا نہیں۔ خون ہی مگر اور خونوں کا سا نہیں۔ اسی طرح اور تمام صفات ہیں۔ اور وہ اپنے مخلوقات سے (باوجود اتنی مشابہتوں کے) مشابہ نہیں ہی۔ اور نہ اور کوئی اس سے مشابہ ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہی کہ وہ کہتا تھا کہ خدائے تعالےٰ اعلاے بدن سے سینہ تک جوف دار ہی اور نیچے سے ٹھوس ہی۔ اور یہ کہ خدا کے گھنے گھنے کالے بال اور گھونگھر والے ہیں"

اب ان سب مذاہب کے مقابلہ میں ملاحظہ ہو اثنا عشری شیعوں کے اماموں کی تعلیم جو توحید کی بابت ہے"

انکی تعلیم ہے کہ صرف ذات خدا تعالے ازلی اور ابدی ہے اُسکے سوا سب حادث اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔

اُسکا کوئی بیٹا نہیں اُسکی بیٹی نہیں اُسکی بیوی نہیں۔ کیونکہ وہ ان سب سے غنی بالذات ہے

اُسکے لئے جسم و مادہ و صورت و شکل نہیں۔

اُسکا کوئی مکان نہیں۔ وہ عرش پر نہیں بیٹھا ہے۔

اُسکے مانند کوئی نہیں اور نہ وہ کسی کے مانند ہے۔

اُسکے صفات عین ذات ہیں۔ اگر غیر ذات ہوں گے تو خود قدما لازم آئیگا جو محال ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا۔

غرض اور بہت سے امور مذہبیہ ہیں جو مختصات شیعہ اثنا عشری سے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ دنیا میں اگر کوئی قوم موحد اور خدا تعالیٰ کی معرفت رکھتی ہے تو وہ صرف یہی قوم ہے۔

چونکہ دنیا اس بات سے ابھی بہت کچھ ناواقف ہے کہ گروہ شیعہ اہل اسلام کے منفرد کیسے لوگ تھے۔ انکی زندگی کس قسم سے بسر ہوتی تھی وہ اہل عالم کو کیا سبق سکھاتے تھے۔ اُن سے اہل اسلام کو کیا کیا فائدے پہنچے۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اُن حضرات کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلا کے دکھاؤں کہ آیا ایسے بندے خدا تعالے کے یہ لوگ تھے یا کوئی اور اور قابل تقلید و قابل اطاعت یہ لوگ تھے یا کوئی اور جن کی زندگی دنیا میں صرف اس طور سے بسر ہوئی کہ وہ توحید خدا تعالیٰ کی تعلیم کرتے رہے احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ علوم مختلفہ کی تعلیم فرماتے رہے کیا طبعیات۔ کیا الٰہیات کیا ریاضیات۔ کیا اخلاق۔ کیا تمدن۔ کیا تدبیر المنزل۔ جس علم میں دیکھو اُن حضرات نے دریا بہا دئے ہیں۔ اور کیسی سچی تعلیم دی ہے۔ کہ اگر تمام عالم کے فلاسفر جمع ہوں تو اُس سے بہتر ایک حرف بھی نہیں بنا سکتے۔ باوجودیکہ یہ بزرگوار۔ دنیا کی طرف سے کیسی کیسی زحمتوں میں رکھے گئے تھے۔ قید کئے گئے۔ قتل کئے گئے۔ زہر پلائے گئے۔ خفیہ نگہبان ہر وقت اُن کے گھروں پر موجود رہتا کہ دیکھیں کیا زبان سے نکالتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بادشاہ وقت کے مخالف کچھ کہتے ہیں۔ لوگوں کو اُن کے پاس آنے سے روکا جاتا تھا۔ انکو کہیں جانے سے سخت ممانعت کیجاتی تھی۔ تمام خواہشیں اُنکی مسدود کردی گئی تھیں جیسا کہ ایک مورخ تاریخ

پر نظر رکھنے والے سے یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔ پھر بھی سوائے علوم حقیقیہ کی تعلیم کے اور کوئی کام کرتے تھے یہانتک کہ ان تمام علوم مذکورہ بالا میں اسقدر بیان فرما دیا ہے کہ آج سینکڑوں کتابیں اُن سے بھری پڑی ہیں۔ مگر افسوس کہ نہ تو زمانہ انہیں دیکھتا ہی اور نہ اسکے پاس قدردان نگاہ ہے۔ جس سے حق و باطل کا تفرقہ کرے۔

کاش اب بھی زمانہ چونکے جبکہ خود غرضیوں کے اسباب تمام مفقود ہو چکے ہیں اور صرف حق و باطل ہیں سونچکر تفرقہ ہی کرنا باقی رہ گیا ہی۔ ذرایع تحقیق موجود ہیں فقط دیکھنے اور غور کرنے کی دیر ہے۔

میں سچ کہتا ہوں اگر دنیا انکی تعلیمات پر خفیف سی بھی نظر کرے تو کبھی ان کے سوا کسی اور کو اپنا پیشوا نہ مانے۔ کیونکہ دراصل اگر کوئی سچا مذہب ہو سکتا ہی تو وہی ہو سکتا ہے جسمیں اتنی تنزیہ اور پاکی اور اخلاقی علمی عملی تعلیمیں ہوں اور جنکے ایسے معلم ہوں۔ جو بغیر انسانوں سے تعلیم حاصل کیے ہوئے ایسے ایسے علوم کے ماہر تھے۔

اب میں مختصر طور پر توحید الائمہ کا ترجمہ ناظرین کے سامنے حاضر کرتا ہوں اسپر غور فرمائیں اور جو کچھ اس سے نتیجہ نکال سکیں اسپر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ دنیا میں اگر کوئی چیز اہم سے اہم ہے تو وہ صرف مذہب ہی۔ ہر شخص ہوش سنبھالنے کے بعد پہلے اسی پر توجہ کرتا ہے۔ اسلیے کہ اسکو یہ خیال ہوتا ہی کہ مجھکو اپنے معبود حقیقی کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ اسکی واقعی مرضی کیا ہی۔ تاکہ اسپر عمل کر کے اپنے لیے نجات اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ حاصل کروں۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا کا ہر مذہب صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس سبب سے کہ انمیں باہم اسقدر مخالفت ہی کہ ہر ایک کو سچا کہنا ناممکن ہے۔ دونوں باتیں کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں کہ خدا کے بیٹا بھی ہی۔ اور نہیں بھی ہے۔ قابل پرستش صرف خدا ہی ہے۔ اور قابل پرستش اسکی مخلوقات۔ آگ پانی پتھر وغیرہ بھی ہیں۔ خدا تعالے جسم بھی ہی اور بغیر جسم کے بھی ہی وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ عقلاً وہی مذہب سچا ہو سکتا ہی جسکی علمی عملی۔ اخلاقی۔ تمدنی الہی تعلیم انتہا درجہ کی پاک اور مقدس ہو۔ اب اسکا فیصلہ کہ وہ کونسا مذہب ہے جسمیں حد درجہ کی تنزیہ اور پاکی ہے۔ ناظرین خود غور کرنے سے سمجھ سکیں گے اس لیے بطور نمونہ کے تمام مذاہب کے اقوال مختصر طور پر سابق میں دکھلا دیے ہیں تاکہ ہر ایک منصف

آدمی کو فیصلہ کرنے کا موقع مل سکے۔

قاعدے کی بات ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ ہر چیز اپنی مخالف چیز کے دیکھے جانے سے پہچانی جاتی ہے۔ کوئی شخص سیاہی کو سیاہی نہیں کہہ سکتا جب تک یہ نہ جانے کہ اسکے مخالف سفیدی یا سرخی بھی ہے۔ دن کو دن نہیں سمجھ سکتا جب تک اسکے مقابلے میں رات کو بھی نہ دیکھ لے۔

لہذا مناسب معلوم ہوا کہ عنوان رسالہ میں یہ باتیں لکھدی جائیں اگرچہ مختصر طور پر ہوں تاکہ سیاہ وسفید۔ رات اور دن کا فرق ظاہر ہو جائے۔ اور کسی کو اسکے بعد عذر کا موقع نہ رہے کہ ہمیں تو معلوم نہ تھا۔

اب آپ اس رسالہ کو ملاحظہ فرمائیں کہ وجود پروردگار عالم اور اسکا قدم اور اسکی قدرت کس عنوان سے ثابت کیگئی ہے اور کیا اس سے بہتر دنیا میں کوئی فلسفی تفصیل وتشریح کر سکتا ہے۔

آپ کو ابتدا ہی میں معلوم ہوگا کہ جو شخص درپے اثبات وبیان توحید ہے وہ کتنا بڑا حکیم۔ کتنا بڑا عالم علم نباتات وجمادات وحیوانات اور عالم تشریحات ہے کس طرح کا خوش اخلاق۔ کتنا بڑا واعظ مقرر۔ کیسا حقانیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے امور الہیہ پر غور کرنے کے اور دنیا میں کوئی کام ہی نہیں تھا۔ اور واقعی بھی ایسا ہی ہے۔

اب میں اسے شروع کرتا ہوں جسکا وعدہ کر آیا ہوں اور خدا تعالی سے اسکے اتمام میں مدد مانگتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اسے مقبول خلایق بنا کر مفید خاص وعام کرے۔ آمین ثم آمین ؛

یہ حدیث جسکا ترجمہ پہلے شروع کیا جاتا ہے حدیث مفضل کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ اس کے راوی ہیں۔ اس حدیث میں تمام مخلوقات عالم جمادات۔ نباتات۔ حیوانات۔ افلاک اور سیاروں وغیرہ کی مفصل تشریحیں اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور انہیں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسی حکمتیں بغیر کسی حکیم مدبر قادر کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہو سکتیں۔ لہذا یہ اشیائے عالم مبین وجود خدا تعالے عزاسمہ ہیں



ترجمہ از بحار الانوار جلد توحید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

محمد بن سنان روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے مفضل بن عمر نے بیان کیا کہ میں ایک روز عصر کے بعد جناب رسالتمآب کے روضہ میں قبر و منبر کے درمیان بیٹھا ہوا غور کر رہا تھا کہ پروردگار عالم نے ہمارے سید محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ کو کیا کیا شرف و فضایل عطا فرمائے ہیں۔ جسے عوام امت نہیں جانتے اور اُن کے غایت فضل و کمال منزلت و عظمت مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ابن ابی العوجا (دہریہ اور نیچری آدمی تھا) بھی آگیا اور اتنے فاصلہ سے بیٹھا کہ میں اُسکی باتیں سُن سکتا تھا۔ پھر اُسکے ساتھیوں میں سے ایک شخص آیا اور اُسکی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا۔ ابن ابی العوجا نے یہ گفتگو شروع کی کہ صاحب اس قبر کا کامل عزت تک پہنچ گیا اور شرف و بزرگی کے تمام حصے اس نے پالئے اور اپنے تمام حالات میں مرتبہ پاگیا۔ اُس کے ہمراہی نے کہا ہاں وہ (محمد مصطفےٰ) ایک فلسفی آدمی تھا۔ اُس نے بڑے مرتبہ کا دعویٰ کیا اور اسپر ایسے معجزے بھی لایا جن سے عام عقلوں کو حیران کر دیا۔ اور عقلا نے انکو معلوم کرنے کے لئے فکر کے دریاؤں میں غوطے لگائے۔ مگر پھر بھی ناکام واپس آئے۔ جب اسکی اس دعوت کو عقلا فصحا و خطبا نے مان لیا تو عام طور پر لوگ فوج فوج اُسکے دین میں آنے لگے اور جن جن شہروں تک اسکی دعوت نبوت پہنچی وہاں وہاں کے عبادت خانوں اور مسجدوں میں ناموس اکبر (خدا تعالیٰ) کے نام کے ساتھ اُسکا نام بھی شامل ہو گیا۔ اور بلند آواز سے پکارا جانے لگا۔ اسمیں نہ تخصیص خشکی کی ہے نہ دریا کی نہ پہاڑی ملکوں کی نہ ہموار ملکوں کی اور یہ بلند آواز سے پکارا جانا بھی کچھ ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ اذان میں اور پانچ مرتبہ مکرر مکرر اقامت میں۔ اُس نے اپنا نام خدا کے نام کے ساتھ صرف اسلئے ملایا کہ اُسکی یاد ہر وقت تازی ہوتی رہے اور اُس کے کام میں خمول نہو۔ ابن ابی العوجا بولا محمدؐ کا ذکر تو چھوڑ اُسکے معاملہ میں تو میری عقل حیران ہے اور میری فکر کو رستہ نہیں ملتا۔ اب کچھ اُس اصل حال کا ذکر کر جس کے سبب سے محمدؐ کے دین میں لوگ داخل ہو رہے ہیں۔ یعنی پروردگار عالم کا کچھ ذکر کر کہ آیا وہ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ پھر اُس نے اشیاء عالم کی ابتدا کا ذکر کیا کہ کیونکہ یہ چیزیں نہیں۔ اور

اور دعویٰ یہ پیش کیا کہ یہ چیزیں کسی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں کوئی انکا بنانے والا نہیں کوئی انکا مدبّر و مصلح نہیں بلکہ یہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور یونہیں دُنیا چلی آئی ہے اور چلی جائیگی مفضل کہتے ہیں یہ سُنکر مجھے غصّہ کے مارے تاب نہ رہی میں نے کہا اے خدا کے دشمن خدا کے دین میں کفر کرتا ہے تو نے بالکل اُس پیدا کرنیوالے کا انکار کر دیا جس نے تجھکو اس اچھی صورت میں پیدا کیا ہے اور ایسا تیرا بنیہ قرار دیا۔ اور ایک حال سے دوسرے حال میں نقل کرتا رہا یہانتک کہ تو اس حالت کو پہنچا (یعنی بچہ سے بڑا ہوا بڑھکر جوان ہوا جوان ہوکر اِس سن کو پہنچا) تو اگر صرف اپنے نفس کے متعلق فکر کرتا اور تیرا لطیف حاسہ تیرے ساتھ صداقت برتتا تو ربوبیت کے آثار اور مصنوعیت کے دلایل تجھکو خود اپنے نفس میں موجود معلوم ہوجاتے اور خدا تعالیٰ کے وجود کے شواہد و براہین صاف ظاہر ہوتے۔ اُس نے کہا میاں اگر کچھ تم گفتگو کر سکتے ہو تو ہم تم سے کلام کریں۔ اگر تمہارے پاس کوئی قایم و ثابت دلیل ہو تو ہم آپسے مان لیں گے اور اگر تم اہل کلام میں سے نہیں ہو تو تمہیں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر تم جعفر بن محمد الصادق کے اصحاب میں سے ہو تو انکا طرز کلام تو ایسا نہیں ہوتا جیسی تمنے گفتگو کی اور نہ وہ اِس طرح کی دلیل سے ہم سے بحث کرتے۔ انہوں نے ہماری باتیں اِس سے زیادہ سُنی ہیں جو تم نے سُنیں۔ لیکن نہ تو گفتگو میں فحش سے کام لیا اور نہ ہمیں جواب دینے میں تعدی و ظلم کیا۔ اور وہ بہت ہی بردبار با وقار عقلمند پختہ عقل کے آدمی ہیں۔ نہ تو سختی کرتے ہیں نہ انکو طیش آتا ہے۔ ہماری گفتگو سننے میں اور نہایت توجہ سے کان لگاتے ہیں اور ہماری دلیلوں کو پوچھتے ہیں۔ یہانتک کہ جب ہم تمام اپنی دلیلیں بیان کر چکتے ہیں اور ہمیں خیال ہوتا ہے کہ اب حضرت کو چپ کر دیا تو اُسی وقت ہماری حجت و دلیل کو ایک مختصر سے کلام اور چھوٹی سی بات سے باطل کرکے ہمارے اوپر حجت لازم فرماتے ہیں۔ اور ہمارے عذر کو قطع کر دیتے ہیں اور پھر ہم حضرت کے جواب رد کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اگر تم بھی اُن کے اصحاب میں سے ہو تو ویسی ہی گفتگو کرو۔

مفضل یہ سُنکر میں وہاں سے محزون و متفکر نکلا کہ دیکھئے اسلام و اہل اسلام اِس فرقہ کے کفر کی وجہ سے کیسی بلا میں مبتلا ہوئے ہیں کہ یہ خدا کو بالکل نہیں مانتے اور جہان کے معطل ہونے کے قایل ہیں!!۔ اور خدمت میں اپنے آقا صلوات اللہ علیہ کی حاضر ہوا۔ آپ نے جو مجھکو

شکستہ حال دیکھا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا۔ میں نے جو کچھ ان دہریوں کی باتیں سنی تھیں اور جس دلیل سے اُن کے کلام کو رد کیا تھا عرض کی حضرت نے فرمایا میں تمکو باری تعالیٰ جل عزاسمہ کی وہ حکمتیں جو تمام عالم میں اور درندوں۔ بہایم۔ پرندوں۔ کیڑوں مکوڑوں اور ہر قسم کے جانداروں خواہ حیوان ہوں یا نباتات اور اشجار ثمردار یا بے ثمر اور رادنے اور بقولات خوردنی وغیرہ خوردنی میں ہیں ایسی بتاؤنگا جس سے عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کرسکیں اور مومنوں کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور ملحدوں کو حیرت رہجائے۔ تو میرے پاس کل صبح کو آنا۔

مفضل۔ یہ سُنکر میں نہایت خوش و خورم حضرت کی حضور سے واپس آیا اور انتظار کی وجہ سے وہ شب بہت ہی طولانی معلوم ہوئی کیونکہ مجھے انتظار تھا کہ کسی طرح صبح ہو اور وہ باتیں حضرت سے حاصل کروں۔ جنکا آپنے وعدہ فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو حاضر خدمت ہوا اور اذن طلب کرنے کے بعد حضوری سے مشرف ہو کر با ادب سامنے کھڑا ہوا۔ آپنے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ اُٹھکر ایک حجرے کی طرف چلے جس میں اکثر بغرض تخلیہ تشریف رکھتے تھے میں بھی ساتھ ہی اٹھا آپ نے فرمایا چلا آ۔ میں پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ داخل حجرہ ہوئے میں بھی داخل ہوا آپ بیٹھ گئے۔ میں بھی سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا مفضل! گویا میں تمکو دیکھ رہا تھا کہ اِس شب گزشتہ میں انتظار کی وجہ سے تمکو کسقدر طولانی رات معلوم ہوئی۔ میں نے عرض کی ہاں مولا ایسا ہی ہے۔

فرمایا۔ مفضل! خُداوند کریم موجود تھا اور کوئی چیز اُس سے پہلے نہ تھی اور وہ باقی رہیگا اور اسکی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پس اسی کے لئے حمد اِس بات پر ہے کہ اُس نے ہمیں الہام کیا اور اسی کے لئے شکر ہے اِس بات پر کہ اُس نے ہمکو عطیہ دیا۔ اُس نے ہمیں اعلیٰ علموں کے ساتھ خاص کیا اور روشن علوی مرتبہ کے ساتھ خصوصیت دی اور تمام خلق سے ہمیں اپنے علم کے ساتھ منتخب کیا۔ اور ہمیں اُن پر اپنی حکمتیں دیکر امین مقرر کیا۔

مفضل۔ میں نے عرض کی تو کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ بیان فرماتے رہیں میں اُسے لکھتا رہوں۔ اور میں اسوقت اپنے ساتھ وہ سامان لایا تھا جس میں لکھ سکوں تو آپ نے

فرمایا ہاں ایسا کرو۔

امام علیہ السلام۔ اے مفضل! شک و شبہ والوں نے مخلوقات کی پیدایش کے اسباب اور اُسکی باریکیوں کو نہ جانا اور ان کے فہم اُن چیزوں کی حکمت اور درستی کے سمجھنے سے قاصر ہے جو خالق عالم جل قدسہ نے اپنی طرح طرح کی مخلوقات خشکی و تری ہموار ناہموار زمینوں میں پیدا کئے ہیں اور اپنے علم کے قصور کی وجہ سے منکر ہو گئے اور اپنی عقل کی کمزوری کے سبب جھٹلانے لگے دشمنی پر آمادہ ہوئے۔ یہانتک کہ اشیائے عالم کے پیدا کئے جانے ہی کے منکر بنگئے۔ اور اسبات کا دعویٰ کر دیا کہ یہ تمام چیزیں مہمل و معطل ہیں انمیں کسی کی کاریگری نہیں اور نہ اُسی مدبّر و خالق کی طرف سے انمیں کوئی حکمت ہے اور نہ اُس نے انکو کسی مقدار معین پر پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے زیادہ برتر ہے۔ جسے وہ بیان کرتے ہیں۔ اللہ ان کو قتل کرے کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی گمراہی اور اندھے پنے اور حیرت میں ان اندھوں کی طرح ہیں جو کسی ایسے گھر میں داخل ہوئے ہوں جسکی بنیاد نہایت مستحکم اور خوبصورت قایم کی گئی ہو اور اسمیں اچھے اچھے نفیس فرش بچھے ہوں اور قسم قسم کے کھانے پینے کی اشیاء اور لباس اور ضروری چیزیں جنکی ضرورت پڑ سکتی ہو اور جنکے بغیر چارہ نہو اسمیں مہیا کی گئیں ہوں اور ہر شے درستی کے ساتھ اپنے موقع و محل پر حکمت و تدبیر اور اندازہ کے ساتھ رکھی ہوئی ہو اور وہ اندھے اُس مکان میں داہنیں بائیں ٹاپک ٹوئیاں کرتے پھرتے ہوں اور اسکی کوٹھری کوٹھری میں مارے مارے پھرتے ہوں کبھی آگے کبھی پیچھے۔ آنکھیں تو اندھی ہیں لہذا اسکی عمارت اور اسکے سامان کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔ اور جو کبھی ان میں سے کوئی کسی چیز کو پا بھی جائے جو اپنے موقع پر رکھی ہوئی ہے اور ضرورت کے لئے مہیا کی گئی ہے اور وہ اُس غرض کو نہ جانتا ہو کہ یہ اس جگہ کیوں رکھی ہوئی ہے اور کس لئے مہیا کی گئی ہے اور کس مطلب سے اس طرح بنائی گئی ہے تو اسپر غصہ کرے اور ناراض ہو اور اُس مکان کو اور اُسکے بنانے والے کو بُرا بھلا کہنے لگے (حالانکہ دراصل یہ اُس اندھے کی بینائی کا قصور ہے) یہی حال اُس فرقہ کا ہے جو معاملہ خلقت اور ثبوت صنعت کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ جب اُن کے ذہن اُن اسباب اور علتوں کے سمجھنے سے قاصر ہے جو ان اشیاء میں ہیں تو تمام جہان میں حیران سرگردان پھرنے لگے اور حسن صنعت اور کمال خلقت اور اُن کے مہیا کرنے کی خوبی کو نہ سمجھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انمیں سے کسی چیز سے کوئی واقف ہوتا ہے اور اُسکے

سبب کو نہیں جانتا اور نہ اُسکی غرض و احتیاج کو تو جھٹ اُسکی مذمت کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے یہ تو محال ہے اور محض غلط ہے جیسے مانویہ فرقہ (یہ مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے۔ مانی نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے جس نے شاپور ابن اردشیر شاہ کے زمانہ میں ایک دین و مذہب نیا نکالا تھا اُسکا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ تو نبی ہیں مگر جناب موسیٰ نبی نہ تھے۔ اور تمام عالم کو دو چیزوں نے پیدا کیا ہے۔ اچھی چیزوں کو تو نور نے پیدا کیا ہے اور درندے وغیرہ موذی چیزوں کو ظلمت نے پیدا کیا ہے۔ یہی دو خدا ہیں جو نفع و ضرر کی چیزوں کے خالق ہیں) نے کیا اور نیز اس ملحد سرکش بدکار فرقہ نے علانیہ طور پر کہنا شروع کیا ہے اور ان کے علاوہ گمراہوں نے بھی جنہوں نے صرف یہ کہدینے سے کہ فلاں چیز محال ہے نا ممکن ہے اپنے تئیں خدا سے دُور کر دیا ہے۔

پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اُن چیزوں کی معرفت عنایت کی ہو اور اُسے اپنے دین کی طرف ہدایت کی ہو اور مخلوقات کی کاریگری کی تدبیر پر غور کرنے اور اُس لطیف اصلاح اور قایم دلیلوں کو عمدہ طور سے بیان کرنے پر جن خوبیوں سے یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں توفیق دی ہو تو اُسپر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو اُسکا مولیٰ ہے اس توفیق عطا ہونے پر بہت حمد کرے اور اُس سے اس بات کی خواہش کرے کہ وہ اُسے اس معرفت و قوت بیان پر قایم رکھے اور زیادتی معرفت عطا کرے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر تم میرا شکریہ ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دونگا۔ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید۔ اور اگر تم کفران نعمت کرو گے تو جان لو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اے مفضل! اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے وجود پر پہلی عبرت اور دلیل تو یہی ہے کہ عالم کو کس صورت سے بنایا گیا ہے۔ اُس کے اجزا کیونکر ترکیب دئے گئے ہیں۔ کس خوبی سے اُسکا نظم و انتظام ہے۔ اگر تم اس جہان کو اپنے فکر سے تامل اور غور کرو اور اپنی عقل سے ہر ایک کو جُدا جُدا کر کے سمجھو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ عالم۔ ایک ایسے مکان کے مانند ہے جسمیں تمام وہ چیزیں موجود ہیں جنکی ضرورت بندوں کو واقع ہوتی ہے دیکھو۔ آسمان تو چھت کے مانند ہے اور زمین ایسی بچھی ہوئی ہے جیسے فرش۔ اور ستارے اس طرح تہ بتہ لگے ہوئے ہیں جیسے مکان میں بہت سے چراغ رکھے ہوں اور اپنے اپنے موقع سے روشن ہوں اور جواہر اس طرح مخزون ہیں جیسے مکان میں خزانے

اور ذخیرے ہوتے ہیں اور اُن کے علاوہ ہر شے اپنی اپنی ضرورت کیلئے تیار و موجود ہے۔ اور حضرت انسان اس جہان میں ایسے ہیں جیسے اُس مکان کا مالک و آقا ہو۔ جسکے قبضہ میں وہ تمام چیزیں ہیں جو اُس مکان کے اندر ہیں اور مختلف طرح کے نباتات۔ اپنی اپنی ضرورتوں کے لئے موجود و مہیّا ہیں (کوئی حیوانات کی غذا ہی کے لئے۔ کوئی انسان کی دوا کیلئے۔ کوئی محض زینت و آرایش کیلئے کوئی انسان کو خوشبو پہنچانے اور اسکی تفریح کیلئے۔ کوئی حیوانات کی دوا کیلئے۔ کوئی انسانوں کی غذا رسانی کے لئے۔ کوئی صرف پرندوں کے لئے۔ کوئی صرف چرندوں کے لئے وغیرہ وغیرہ) اور قسم قسم کے حیوانات خاص خاص مصلحتوں اور منافع کے لئے صرف کئے گئے ہیں۔

اس حسن ترتیب تالیف جمع و ترصیف میں صاف کھلی دلیل اس بات پر موجود ہے کہ تمام جہان کسی کا پیدا کیا ہوا ہے جس نے ایک مقدار معین پر انکو خلق کیا انہیں حکمتیں قرار دیں۔ انہیں انتظام قایم کیا۔ انہیں سے ہر ایک کو دوسرے سے مناسبت اور تعلق قرار دیا۔ اور نیز اس بات پر بھی دلیل ہے کہ انکا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے جس نے انکو اس خوبی سے جمع کیا ہے ترکیب دی ہے۔ ایک کو دوسرے سے منضم کر دیا ہے[1] (وہ جلیل ہے۔ قدوس ہے۔ ملند ہی والا ہے۔ اسکی ذات کریم ہے۔ اسکے سوا کوئی اللہ نہیں وہ ان منکروں کی باتوں سے کہیں برتر ہے)۔

اے مفضل!۔ ہم اب تمہارے سامنے انسان کی خلقت کے بیان سے ابتدا کرتے ہیں اس سے عبرت حاصل کرو (دیکھو) اس انسان کی خلقت کا پہلا مرتبہ تو وہ ہے جس سے رحم کے اندر جنین کی اصلاح و تدبیر کیجاتی ہے حالانکہ وہ تین قسم کے پردوں میں بند ہے اور تین قسم کی تاریکیوں میں ہے۔ ایک پیٹ کی تاریکی۔ دوسرے رحم کا اندھیرا۔ تیسرے بچہ دان کی تاریکی۔ اور یہ ایسا وقت ہے کہ بچہ نہ تو اپنی غذا کے لئے کوئی تدبیر کر سکتا ہے اور نہ کسی طرح کی تکلیف کو اپنے سے ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی نفع اپنے لئے حاصل کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی ضرر کو دفع کر سکتا ہے۔ اُس وقت خون حیض اُس بچہ کی طرف جاری کیا جاتا ہے جو اُسے غذا پہنچاتا ہے۔ جیسے نباتات کو پانی غذا پہنچاتا ہے۔ اسی طرح پر اسوقت تک رہتا ہے جب تک اُسکی خلقت پوری نہیں ہولیتی اور اُسکے بدن کی جلد مضبوط نہیں ہوتی کہ ہوا کا مقابلہ کر سکے (یعنی ہوا سے اُسکو تکلیف نہ پہنچ سکے) اور اُسکی آنکھ اس قابل نہیں ہولیتی کہ روشنی کو دیکھ سکے جب یہ سب ہو لیتا ہے تو

[1] کیونکہ اگر کئی خالق ہوتے تو جہان کا یہ انتظام قایم نہ رہ سکتا اور اتنی مدت تک یکہی سلسلہ باقی نہ رہتا ضرور کچھ نہ کچھ جھگڑا فساد ہوتا اور جہان میں ابتری پھیلتی

انسان کی ابتدائی خلقت کی کیفیت

اُسکی ماں کو دردِ زہ شدت سے شروع ہوتا ہے اور اُسکو بہت سخت متحرک اور بیچین کرتا ہے یہانتک
کہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب بچہ پیدا ہو لیتا ہے تو وہ خون جس سے اسکی غذا پیٹ کے اندر ہوتی تھی
ماں کے پستان کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ تو اُسکا ذائقہ بھی بدل جاتا ہے رنگ بھی بدل جاتا ہے اور
وہ کچھ اور ہی قسم کی غذا بنجاتا ہے جو بچہ کے مزاج کے نہایت ہی موافق ہوتا ہے۔ بہ نسبت خون کے
اور جسوقت اُسے ضرورت ہوتی ہے اُسوقت اُسکو پہنچایا جاتا ہے۔ پس جسوقت وہ پیدا ہوتا ہے اُسی وقت
ہونٹوں پر زبان پھرانے لگتا ہے اور لبونکو حرکت دیتا ہے اس غرض سے کہ اُسے دودھ پلایا جائے
تو وہ اپنی ماں کی دونوں پستانوں کو ایسا پاتا ہے جیسے دو مشربے اسکی خوراک کیلئے لٹکے ہوئے ہیں۔
اسی حیثیت سے برابر دودھ سے غذا پاتا رہتا ہے۔ جب تک اُسکا بدن نرم اور اسکی اعضا اور
آنتیں رقیق اور کمزور رہتی ہیں۔ یہانتک کہ جب چلنے پھرنے لگتا ہے اور اُسے ایسی غذا کی ضرورت
ہوتی ہے جو سخت ہوتا کہ اُسکا بدن قوی ہو اسمیں طاقت آوے۔ تو اُس وقت اُسکے ڈاڑھ کے
دانت نکلتے ہیں کہ اُس سے غذا کی چیز کو چبا سکے تاکہ اسکا ہضم ہونا اُسکے لئے آسان ہو جائے پھر
اسی طرح غذا کرتا رہتا ہے یہانتک کہ جب جوان ہوتا ہے۔ اگر لڑکا ہوا تو اُسکے چہرہ پر بال نکلتے ہیں
تاکہ مرد کی علامت اور مردوں کی عزت اُس سے حاصل ہو جس سے وہ بچپنے کی حد سے اور عورتوں
کی مشابہت سے نکل جاتا ہے۔ اور اگر لڑکی ہوئی تو اُسکا چہرہ صاف شفاف رہتا ہے اُس میں بال نہیں
نکلتے تاکہ تازگی اور حسن اُسکا باقی رہے جس سے مردوں کو اسکی طرف رغبت ہو اور بقائے نسل
کا باعث ہو سکے۔

ائے مفضل!۔ ان تمام مختلف حالتوں میں جس شان سے انسان کی تدبیر و اصلاح ہوتی رہی
ہے کیا تم جان سکتے ہو کہ یونہیں بے کسی مدبر اور خالق کے ہوتی رہی ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر یہ خون
(خونِ حیض) اُسوقت جبکہ وہ (بچہ) رحم میں تھا اسکی طرف جاری نہ کیا جاتا تو کیا وہ اُس نباتات
کی طرح خشک نہو جاتا جن کو پانی نہیں ملتا۔ اور اگر دردِ زہ اُسے متحرک نکرتا اور اُسکے پیدا ہونیکے
قابل ہو جانے کے بعد اسکو نکلنے کی تحریک کرتا تو کیا وہ رحم میں اسی طرح نہ دفن ہو جاتا جیسے زندہ
بچے زمین میں دفن کر دئے جاتے تھے۔ اور اگر ولادت کے وقت اُسکے مزاج کے موافق دودھ
نہ ملتا تو کیا بھوکا مر نہ جاتا۔ یا ایسی غذا کھاتا جو اُسکے موافق مزاج نہو اور اُس کے بدن کی اصلاح

دودھ پلانا، ڈاڑھ کا نکلنا، بلوغ

تفصیل انسان

نہ کرسکے۔ اور اگر اپنے وقت خاص پر اُسکے دانت نہ نکلتے تو کیا اُسکو خورش کی چیزیں کھانی اور چبانی اور انکا ہضم کرنا دشوار رہتا۔ یا اُسکو اسی حالت رضاعت پر باقی رکھنا تو پھر نہ تو اُسکا بدن مضبوط ہوتا۔ اور نہ وہ کسی کام کے قابل بنتا۔ اور پھر تو اُسکی ماں اسی کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہتی کسی دوسرے بچہ کی تربیت کی اسکو فرصت ہی نہ ملتی۔

اور اگر اُسکے چہرہ پر اپنے وقت سے بال نہ نکلتے تو کیا بچوں ہی کی ہیئت اور عورتوں ہی کی صورت پر نہ رہجاتا۔ پھر نہ تو اسمیں کوئی جلالت ہوتی اور نہ وقار ہوتا (جیسے آپ خواجہ سراؤں کو دیکھتے ہیں ڈاڑھی نہونے کی وجہ سے کیا منڈی صورت معلوم ہوتی ہے)۔

(**مفضل** ... میں نے عرض کی یا حضرت میں نے کچھ ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں۔ جو اپنی حالت پہ باقی رہجاتے ہیں اُن کے ڈاڑھی نہیں نکلتی اگرچہ وہ بوڑھے بھی ہوجائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ تو انکی کرنی کا نتیجہ ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا پس سوائے اُس شخص کے جس نے اس انسان کو پیدا کیا۔ جبکہ یہ معدوم تھا اور اسکے وجود کے بعد اُسکے تمام مصالح کا خود کارکن بنا وہ کون ہے جو اُس کے لئے منتظر رہتا ہے۔ یہانتک کہ وقتاً فوقتاً اُسکے ضروریات کو پورا کرتا رہتا ہے۔

اگر اہمال (بے کسی کے پیدا کئے پیدا ہوجانا) ایسی ایسی تدبیروں کے ہوتے ہوئے بھی ہوسکتا تو بالقصد پیدا کرنا اور باندازہ معین خلق کرنا غلطی اور محال سے بھی ہوسکتا۔ کیونکہ یہ دونوں اہمال کے مخالف ہیں حالانکہ ایسا کہنا نہایت ہی لغو ہے (کہ اصلاح و درستی تو بغیر کسی خالق کے ہوجائے اور خرابی و فساد درستی تدبیر و تقدیر خالق کے ہونے سے ہوسکے) اور اُسکا کہنے والا جاہل ہے کیونکہ بے بنائے ہوئے کسی چیز کا پیدا ہوجانا کبھی ٹھیک اور درست نہوگا اور خرابی و تضاد بھی کبھی انتظام کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔ یہ ملحدین جو کچھ کہتے ہیں اُس سے اللہ تعالیٰ بہت برتر ہے۔

اور۔ اگر بچہ با فہم وعقل پیدا ہوتا تو وہ بالکل اس جہان کو پہچانتا ہی نہیں اور مدہوش و حیران رہجاتا جبکہ وہ ایسی چیزیں دیکھتا جسکو کبھی نہ دیکھا تھا اور اُس کے سامنے وہ جہاں کی مختلف طرح کی صورتیں بہائم وطیور وغیرہ کی آتیں جیسی اُس نے کبھی نہ دیکھی تھیں اور اب انہیں دم بدم اور روز بروز دیکھتا ہے۔

اے مفضل اسے یوں سمجھو کہ جیسے کوئی شخص کسی ایک ملک سے قید ہو کے دوسرے ملک میں جائے اور اسکی عقل بھی درست ہو تو دیکھو وہ کیسا حیران۔ پریشان ہوتا ہے نہ تو جلد وہاں کی گفتگو سیکھ سکتا ہے اور نہ وہاں کے اخلاق و آداب کو قبول کر سکتا ہے۔ بخلاف اسکے جو بچپنے ہی میں جبکہ اُسکی عقل کامل نہوئی ہو کسی غیر ملک میں قید کر کے پہنچایا جائے تو بہت جلد وہاں کی زبان وہاں کے اخلاق و انداز سیکھ لیگا۔ اسی طرح اگر بچہ با عقل و ہوش پیدا ہوتا اور دنیا کی آنکھ کھولتے ہی اس جہان کی عجیب عجیب چیزیں اور مختلف طرح کی صورتیں اور قسم قسم کے اتفاق و اختلاف دیکھتا تو سخت اچنبھے میں رہتا اور مدت تک اُسکی عقل میں یہ بات نہ آتی کہ میں کہاں تھا۔ کہاں آگیا اور یہ جسے میں دیکھ رہا ہوں کیا ہے۔ خواب ہے یا بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں۔

پھر اگر وہ با عقل و ادراک پیدا ہوتا۔ تو جب اپنے تئیں دیکھتا کہ کوئی گود میں اُٹھا ہوئے ہے اسکو دودھ پلایا جاتا ہے۔ اُسے (بقاعدہ عرب) کپڑے کی پٹیوں میں لپیٹا جاتا ہے۔ اُسے گہوارہ میں لٹایا جاتا ہے (کیونکہ بچوں کے لیے یہ سب باتیں ہونی ضروری ہیں اس سبب سے ابھی اسکا بدن نرم ہے اور بیمار ہے) تو اُسے کیسی نفرت اور ذلت معلوم ہوتی۔

پھر یہ بھی ہے کہ با عقل و ہوش پیدا ہونے میں دلوں کو اُس سے وہ حلاوت نہ ملتی اور نہ وہ وقعت اسکی لوگوں کو ہوتی جو عام طور پر نادان بچوں سے کہ کھلانے کودانے سے ہوتی ہے اور اُن کے بھولے پنے کی وجہ سے دلوں کو انکی طرف ایک خاص میلان اور رجحان ہوتا ہے۔

لہٰذا وہ دنیا میں اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ کچھ سمجھتا نہیں ہوتا۔ بالکل دنیا و ما فیہا سے بیخبر ہوتا ہے اور تمام چیزوں کو اپنے نہایت کمزور ذہن اور ناقص معرفت سے دیکھتا ہے جس کی وجہ سے اُسے کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔

پھر رفتہ رفتہ کم کم کچھ کچھ وقتاً فوقتاً اُسکی عقل اور معرفت بڑھتی رہتی ہے تاکہ وہ آہستہ آہستہ تمام چیزوں سے مانوس ہو جائے اور اسکے ذہن کو مشق سی حاصل ہو جائے اور پھر اُسپر قایم رہے اور اُسے غور کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ نہ اُسکو حیرت ہو اور بہ اطمینان اپنی عقل و تدبیر معاش حاصل کر سکے۔ اُسکی کوشش کر سکے اور عبرت حاصل کرنا اور فرمانبرداری اور بھول چوک اور

نا فہمانی کو اچھے طرح سمجھ سکے۔

اور دیکھو اسمیں اور بھی کئی وجہیں ہیں سے یہ کہ اگر بچہ با عقل و ادراک پیدا ہوتا اور خود اپنے کام کو سمجھ سکتا۔ تو اولاد کی پرورش کی حلاوت کا محل نرہتا اور وہ مصلحت جس سے والدین اپنی اولاد کے امور میں ہر وقت مصروف و مشغول رہتے ہیں فوت ہو جاتی۔ اور نہ والدین کی انپر وہ مہربانی اور عطوفت باقی رہتی جو عام بچوں کی ضرورتوں کے موقع پر ہوتی ہے جس سے وہ اُن کے لئے تکلیفیں برداشت کرتے ہیں دوسرے یہ کہ نہ اولاد کو ماں باپ سے الفت پیدا ہوتی۔ اور نہ ماں باپ کو اولاد سے اس لئے کہ جب وہ اپنے عقل کی وجہ سے والدین کی تربیت اور واشت سے مستغنی ہیں تو وہ اُن سے وقت ولادت ہی الگ ہو جاتے اولاد ماں باپ سے اور ماں باپ اولاد سے۔ پھر تو نہ کوئی شخص اپنی ماں کو پہچانتا نہ باپ کو اور نہ وہ اپنی ماں بہن اور باقی محارم سے نکاح کرنے سے (صحبت کرنے سے) پرہیز کرتا کیونکہ وہ انکو پہچانتا ہی نہیں اور کم از کم جو اسمیں قباحت ہے حالانکہ وہ سب سے بڑی خرابی ہے اور نہایت مکروہ بات ہے اور وہ یہ کہ اگر بچہ با عقل و ادراک ہوش و حواس ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا اور وہ اُس شے کو دیکھتا جسے دیکھنا اُسے جایز نہیں ہے اور نہ اُسکے لئے کچھ مناسب معلوم ہوتا کہ وہ اُسے دیکھے تو اُسکی کیا حالت ہوتی

اے مفضل! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس خلقت کی ہر شے کس انتہائی درستی اور خوبی پر قایم کیگئی ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز اسمیں کی غلطی اور خطا سے خالی ہے۔

دیکھو اے مفضل بچوں کے رونے میں کیا نفع اور فائدہ ہے۔ اس بات کو جانو کہ بچوں کے دماغ میں رطوبت ہوتی ہے۔ اگر وہ اسمیں رہجائے تو طرح طرح کی مصیبتیں انپر پڑیں اور عارضے انکو لاحق ہوں مثلاً آنکھ ہی جاتی رہے یا اور کوئی بیماری واقع ہو۔

تو رونا۔ اُس رطوبت کو اُن کے دماغوں سے بہا دیتا ہے۔ اور اُسکے بعد اُن کے بدنوں میں صحت پیدا کر دیتا ہے اور اُنکی آنکھوں میں سلامتی پیدا کر دیتا ہے۔

کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ بچہ تو رونے سے فائدہ پاتا ہے اور اُن کے والدین اس بات کو نہیں سمجھتے اور اس وجہ سے کوشش کرتے ہیں کہ اُسے چپ کرائیں اور اُسکی خوشی کے موافق کام کرتے رہیں تا کہ وہ روئے نہیں۔ حالانکہ وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ رونا ہی اُس کے لئے اچھا ہے اور اُسکا انجام بہتر ہے۔

اسی طرح ممکن ہے کہ بہت سی چیزوں میں ایسی منفعتیں ہونگی جنہیں یہ دہریئے نہ سمجھتے ہوں۔

بچہ عقل

پیدا ہوتا

بچہ با عقل

بچوں کے رونے کے فوائد

اور اگر وہ اس بات کو سمجھتے تو صرف اپنی جہالت اور عدم علم کی وجہ سے کسی چیز کی نسبت یہ کہتے کہ اسمیں فائدہ نہیں۔ کیونکہ جن باتوں کو یہ منکرین نہیں سمجھتے اُنہیں اہل معرفت جانتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق اُس حکمت کو نہیں جانتی اور خالق اُسے اچھی طرح جانتا ہے۔

بچوں کی رال بہنے کی حکمت

بچوں کے مُنہ سے جو رال بہتی ہے اسمیں حکمت یہ ہے کہ وہ رطوبت نکلتی رہتی ہے جو اگر بدن میں رہجاوے تو بڑے بڑے امراض پیدا کر دے جیسے تم اُن آدمیوں کو دیکھتے ہو جن کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہے وہ احمق اور مجنوں اور بے عقل ہوتے ہیں اور اسکے علاوہ اور بہت سے امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔ جیسے فالج ہے لقوہ ہے یا اور اُسکے مانند امراض ہیں۔ تو خدا تعالےٰ نے یہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ رطوبت بچپنے ہی میں اُنکے مُنہ کے ذریعے سے بہ جائے جس سے انکو بڑے ہونے کے بعد صحت رہے۔ یہ پروردگار نے انکو ایسی چیز بخشی ہے جسکی حکمت سے یہ ناواقف ہیں اور ان چیزوں میں ہدایت دی ہے جسے وہ نہیں جانتے (کہ شاید اب بھی معرفت حاصل کریں اور خداشناس بنیں) اگر یہ لوگ اُس کی تمام نعمتوں کو جانتے ہوتے تو کبھی اتنی مدت تک معصیت میں نہ پڑے رہتے۔ پس اسی کے لئے تسبیح اور پاکی ہے۔ کسقدر اُسکی نعمت بزرگ ہے۔ اور جو اُسکی مخلوقات میں سے اُسکے مستحق ہیں یا نہیں مستحق ہیں اُن سب پر کیسی کامل نعمت ہے۔ اور وہ اُس سے زیادہ برتر ہے جیسے یہ گمراہ کہتے ہیں۔

آلات جماع کی مناسبت

اے مفضل اب ذرا غور کرو کہ جماع کے آلات نر و مادہ میں کیسے مناسب بنائے گئے ہیں۔ نر کے لئے تو ایسا آلہ بنایا ہے جو ابھر سکتا ہے اور بڑھ سکتا ہے تاکہ نطفہ رحم تک پہنچ سکے کیونکہ اُسے اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنا نطفہ کسی دوسری چیز میں ڈال سکے (اس لئے کہ نر سے تو بچہ ہو ہی نہیں سکتا لامحالہ اُسکو ضرورت ہوئی کہ مادہ کے رحم تک نطفہ پہنچائے تاکہ بچہ ہو سکے) اور مادہ کو ایک گہرا ظرف دیا گیا (یعنی رحم) جو دونوں (نر و مادہ) کے نطفوں کو اچھی طرح رکھ سکے اور بچہ کا تحمل کرے اور اُسکے لئے پھیلتا ہے (جسقدر بچہ بڑھتا رہتا ہے اسی قدر رحم پھیلتا جاتا ہے تاکہ بچہ کو تنگی نہو) اور اُسکی حفاظت کرے یہانتک کہ وہ قوی و مستحکم ہو جائے۔ کیا یہ بات کسی باریک بین حکیم کی تدبیر نہیں ہے؟ (اور کیا یہ سب صفتیں آپ سے آپ پیدا ہو گئی ہیں اور یہ لطیف مناسبتیں خود بخود ہو گئی ہیں) !۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور مشرکین کے شرک سے برتر ہے۔

اے مفضل! غور کرو جسم کے اعضا میں اور اس امر میں کہ ہر ایک انمیں کس ضرورت کے لئے بنایا گیا ہے اور اسمیں کیا اصلاح و تدبیر کیگئی ہے۔ دیکھو! دونوں ہاتھ تو کام کرنے کیلئے ہیں اور دونوں پاؤں چلنے کیلئے اور دونوں آنکھیں راہ دیکھنے کیلئے۔ اور مُنہ غذا کھانے کیلئے۔ معدہ ہضم کے لئے۔ اور جگر غذا کا لب لباب نکال لینے کے لئے (تاکہ اُس سے خون۔ صفرا۔ سودا اور بلغم بنا سکے اور تمام جسم کو تقسیم کرے) اور سوراخ اسلئے کہ انہیں سے فضلہ دفع ہو سکے۔ اور آنتیں ... اُن کی متحمل رہنے کیلئے۔ اور فرج بقائے نسل کیلئے اور علی ہذا القیاس تمام اعضا ہیں کہ اگر انمیں غور کروگے اور اپنی فکر سے کام لوگے تو ہر ایک عضو کو ایسا پاؤگے کہ وہ کسی خاص کام کے لئے نہایت درستی اور حکمت کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔

مفضل ... میں نے عرض کی آقا! کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ سب باتیں طبیعت سے پیدا ہوئی ہیں اور دراصل یہ طبیعت کا فعل ہے (یعنی جس طرح اُس شے کی طبیعت مقتضی ہوتی ہے ویسے ہی اسکے آلات بنجاتے ہیں۔

امام علیہ السلام۔ اچھا تو اُن سے پوچھو کہ یہ طبیعت جس کے یہ افعال با حکمت و با تدبیر ہیں آیا وہ علم اور قدرت بھی رکھتی ہے یا محض بے شعور و بے ادراک ہے۔ اسمیں نہ قوت ہے نہ علم۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اسمیں علم اور قدرت ہے تو پھر انہیں خالق کے ماننے سے کیا چیز روکتی ہے؟ (اسی کو تو ہم خالق کہتے ہیں جو علم اور قدرت والا ہو ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن تمام چیزوں کو کسی علم اور قدرت والے نے پیدا کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ انکا کوئی خالق نہیں تو جب طبیعت علم و قدرت والی ہوئی اور اُس نے یہ افعال با حکمت و تدبیر کئے تو اُن اشیا کی پیدا کرنی والی ہوئی۔ حالانکہ وہ پیدا کرنے والے کو مانتے ہی نہیں) اور اگر وہ یہ کہیں کہ طبیعت بے علم و قدرت کے ایسی ایسی چیزیں پیدا کر دیتی ہے (یعنی نہ وہ جانتی ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں اور نہ اُسے اُس کام کی قدرت ہے جسے وہ کر رہی ہے) اور اسکے کاموں میں اس اس قسم کی حکمت و تدبیر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو (تو چونکہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ایک شے کو کام کرنے کی قدرت بھی نہو اور نہ اُسے اُس کام کا ادراک ہو پھر بھی وہ اُس کو کرے) لہذا معلوم ہوا کہ یہ فعل کسی حکیم پیدا کرنیوالے کا ہے۔ اور جسے یہ لوگ طبیعت کہتے ہیں وہ صرف اسکا بنایا ہوا ایک قاعدہ ہے جسے اس نے اپنی مخلوقات میں حکمت سے جاری

جملہ اعضاے جسم کی بلحاظ ضرورت کیسی کیسی بناوٹیں ہیں۔

طبیعت نہ فاعل اور نہ خالق ہے اسلئے کہ اسمیں علم نہیں ہوسکتی۔

کر دیا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہی کہ ہر چیز کو اُس کے اسباب اور علت سے پیدا کرے۔ مثلاً پانی سے دانہ اوگتا ہی۔ اگر مینہہ نہ برسے تو غلہ نہ پیدا ہو۔ مجامعت زن و شوہر سے بچہ پیدا ہوتا ہے اگر مرد و عورت ہم صحبت نہوں اور نطفہ رحم تک جائے تو بچہ نہیں ہو سکتا۔ بخارات سے ابر پیدا ہوتا ہی اور ابر کو ہوا اسے متحرک کرتا ہے تاکہ مینہہ برسے اگر یہ نہو تو مینہہ نہ برسے یہ دہریے اس سے یہ سمجھے کہ دراصل یہی اسباب علل اور طبیعت خالق ہی۔ ان کے علاوہ کوئی اشیای عالم کا خالق نہیں حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ صرف پانی جو بے روح ہے وہ کس طرح غلہ پیدا کر سکتا ہی جب تک اسمیں کوئی اثر دینے والا اثر نہ پیدا کرے۔ اور نطفہ کیونکر بچہ پیدا کر سکتا ہے اگر کوئی حکیم مدبر اسمیں یہ قوت نہ پیدا کرے کہ اسکے ایک حصہ سے سر بنے اور ایک حصہ سے ہاتھ پاوں بنیں ایک حصہ سے ہڈیاں بنیں۔ ایک حصہ سے قلب جگر وغیرہ بن سکیں صرف نطفہ جو ایک بے ادراک چیز ہے وہ کیا کر سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور چیزیں بھی ہیں)

اے مفضل۔ ذرا اس بات میں غور کرو کہ بدن کے اندر غذا کیونکر پہنچتی ہی اور اس میں کیا کیا حکمت و تدبیر ہے۔

دیکھو کھانا جب معدہ میں جاتا ہی تو معدہ اُسکو پکاتا ہی اور اُسکا لب لباب جگر کی طرف اُن باریک رگوں کے ذریعہ سے جو جگر کے اندر جالدار سی بنی ہوئی ہیں پھینک دیتا ہے (جسے اطبا ماساریقا کہتے ہیں) یہ معدہ مثل مصفی غذا کے بنایا گیا ہے کہ غذا کو صاف کر کے جگر میں بھیجتا ہے تاکہ جگر میں کوئی ایسی چیز نہ پہنچ جائے جو اُسے زخمی کر دے۔ یہ اس وجہ سے ہی کہ جگر ایک نرم چیز ہے سختی کا تحمل نہیں کر سکتا۔

پھر جگر اُس غذا کے حاصل شدہ اور لب لباب کو لے لیتا ہے تو وہ ایک نہایت ہی باریک حکمت سے خون بنجاتا ہے۔ اور اُن نالیوں (رگوں) کے ذریعہ سے تمام بدن میں پہنچ جاتا ہے جو اس کام کے لئے بنائی گئی ہیں۔ جیسے پانی کے لئے نالیاں بنائی جاتی ہیں کہ تمام زمین تک پہنچ جائے جہانتک پہنچانا مقصود ہے۔ جیسے آپ کھیتوں میں دیکھتے ہیں یا باغوں میں کہ ادھر سے ادھر نالیاں بنی ہوئی ہیں اور انہیں چھوٹی چھوٹی نالیوں سے پانی تمام کھیت اور باغ میں پہنچتا ہے) اور فضلہ او رخبیث چیزیں ادن مقامات کی طرف بہ جاتی ہیں جو خاص انہیں فضلات کے جمع

کرنے کیلئے بنائے گئے ہیں۔ (مثلاً مثانہ۔ امعا یعنی آنتیں۔ رانیں۔ بغل وغیرہ)۔

پس جو کہ از قسم صفرا ہوتا ہے وہ تو پتہ میں چلا جاتا ہے اور جو از قسم سودا ہوتا ہے وہ طحال کی طرف اور جو نمی اور تری ہوتی ہے وہ مثانہ کی طرف بہ جاتی ہے۔

پس غور کرو اے مفضل کہ ترکیب بدن میں کیا حکمت ہوئی ہے اور یہ اعضا کس طرح اپنے اپنے موقعوں پر قایم کئے گئے ہیں اور یہ ظروف (آنتیں اور مثانہ وغیرہ) کیونکر تیار کئے گئے ہیں کہ فضلوں کو اپنے میں جمع کریں تاکہ تمام بدن میں یہ فضلے نہ پھیلیں جس سے جسم میں بیماری اور لاغری پیدا ہو۔

پس مبارک ہے وہ جس نے ایسے اچھے انداز سے اور محکم تدبیر سے ان اعضا کو پیدا کیا اور اسی کے لئے وہ حمد ہے جسکا وہ مستحق اور جسکے لایق ہے۔

مفضل! میں نے عرض کی مجھ سے اب آپ بدن کا نشو و نما جو وقتاً فوقتاً اسکے پورے اور کامل ہو جانے تک ہوتا رہتا ہے۔ بیان فرمائے۔

امام علیہ السلام۔ پہلا مرتبہ اس نشو و نما کا وہ ہے جب کہ جنین کی صورت رحم میں بنتی ہے ایسے وقت میں کہ نہ اسکو آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کسی کا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر اسکی تدبیر ہوتی رہتی ہے۔ یہانتک کہ کامل آدمی بنکر اور تمام وہ اعضا و جوارح و دل و جگر و امعا و تمام کارکن اعضا جو ترکیب بدن میں داخل ہیں مثلاً ہڈیاں۔ گوشت۔ چربی۔ مغز۔ پٹھے۔ رگیں۔ اور غضاریف انکو پورا اور کامل کئے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب اس عالم میں آتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ کیونکر وہ مع اپنے تمام اعضا کے نمو کرتا ہے اور بڑھتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی اسی صورت اور ہیئت پر باقی رہتا ہے کچھ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے (یعنی نہ اسکے اعضا میں انفصال ہوتا ہے جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ اس میں کوئی جوڑ لگایا گیا یا گوشت کا پیوند کیا گیا اور نہ کوئی جزو زاید اسمیں سے نکل جاتا ہے بلکہ بدن بسطح متصل رہتا ہے اور پھر اسمیں نشو و نما ہو رہتا ہے) یہانتک کہ وہ اپنی پختگی تک پہنچتا ہے خواہ اسکی عمر دراز ہو یا اپنی مدت عمر اس سے پہلے ہی پوری کر دے۔

کیا یہ نہایت باریک تدبیر اور حکمت نہیں ہے؟ (جیسے کسی حکیم مدبر نے کمال حکمت سے کیا ہے)۔

اے **مفضل!** غور کرو کہ انسان کو اسکی خلقت میں اور بہایم وغیرہ پر کیا فضیلت اور

نشو و نمائے انسانی

انسان کی فوقیت باقی حیوانات پر

اور شرف دیا گیا ہے۔ یہ سیدھا اور کھڑا پیدا کیا ہے اور کیسا برابر ہو کر بیٹھتا ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ تمام چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے لے سکے اور اپنے اعضا سے اُسے حاصل کر سکے۔ کام کرنا اور تدبیر کرنا اُسے ممکن ہو اگر جھکا ہوا اوندھا بنایا گیا ہوتا جیسے چوپائے ہیں تو کبھی اُس سے وہ کام نہ ہو سکتے جواب کر سکتا ہے۔

غور کرو اے مفضل! ان حاسّوں کی طرف جو خاص طور پر آدمی میں پیدا کئے گئے ہیں۔ اور ان سے اُسے شرافت دی گئی ہے۔ اور اوروں کو وہ شرف حاصل نہیں (یعنی یہ حاسے جس انداز و حیثیت کے انسان میں ہیں باقی حیوانات میں نہیں ہیں بلکہ دیگر حیوانات کے حاسوں کی ساخت اور ترکیب دوسرے عنوان سے ہے)۔

آنکھیں سر میں اس طرح بنائی گئی ہیں جیسے چراغدان پر چراغ رکھا ہوتا ہے تاکہ ہر چیز کو دیکھ سکے یہ آنکھیں سر کے نیچے کے اعضا میں نہیں بنائی گئیں۔ ہاتھوں میں آنکھ نہیں بنائی گئی۔ پاؤں میں نہیں بنا دی گئی جس سے اُسکو آفتیں پیش آتیں اور کام کرنے اور حرکت سے وہ باتیں اُسمیں پیدا ہو جاتیں۔ جو اُسے بیمار کر دیں اور اسمیں اثر کریں اور اُسے نقصان پہنچائیں۔

وسط بدن میں یہ آنکھیں نہیں بنائی گئیں جیسے پیٹ پیٹھ سینہ وغیرہ ہے۔ کیونکہ اگر ان مقامات میں آنکھیں بنائی جاتیں تو اُسے گردش دینا اور چیزوں کو اوچک کر دیکھنا دشوار ہوتا۔ تو جبکہ ان اعضا میں سے کوئی عضو آنکھوں کے لئے مناسب نہ ہوا تو سر ہی اچھا مقام ان حواس کیلئے قرار پایا اور وہ ان حواس کے لئے بمنزلہ صومعہ کے بنایا گیا ہے

پھر حواس (حاسے) پانچ بنائے گئے تاکہ پانچ چیزوں کو محسوس کر سکیں اور محسوسات میں سے کوئی چیز ایسی نہ رہے جسے وہ معلوم نہ کر سکے

آنکھیں تو اس لئے بنائی گئیں کہ ہر طرح کے رنگ کو معلوم کر لے۔ پس اگر رنگ موجود ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں جو انہیں محسوس کرے تو ان رنگوں کے موجود ہونے میں کوئی فائدہ نہ ہوتا (کیونکہ یہ رنگ صرف اسلئے ہیں کہ باہم اشیا میں انکی وجہ سے تمایز ہو اور یہ کہ آنکھوں کو اُن سے تمیز حاصل ہو یا انکو دیکھکر فرحت حاصل کر سکے)۔

اور کان اسلئے سر میں قرار دئے گئے ہیں کہ آوازوں کو محسوس کر سکیں۔ اگر آوازیں ہوتیں اور کان نہ ہوتے جو انہیں سمجھتے تو آوازیں بالکل بیکار ہوتیں۔

علیٰ ہٰذا القیاس اور حاسوں کو سمجھ لو (مثلاً اگر ذائقہ کی چیزیں موجود ہوتیں اور قوت ذائقہ نہ ہوتی تو یہ تمام مزے بیکار رہتے۔ اور اگر گرمی۔ سردی۔ نرمی سختی مثلاً موجود ہوتی اور حاسہ لامسہ نہ ہوتا تو انکا وجود بیکار رہتا۔ اگر خوشبودار چیزیں موجود ہوتیں اور قوت شامہ نہ ہوتی تو تمام خوشبوئیں فضول ہوتیں)۔

پھر اسکا عکس بھی اسی طرح ہے کہ اگر آنکھیں ہوں اور دنیا کے رنگ نہ ہوں تو آنکھیں بیکار ہیں۔ اور اگر کان موجود ہوں اور آوازیں نہ ہوں تو کان کا کوئی فائدہ نہیں۔ تو دیکھو کس طرح ایسا مقدر کر دیا ہے کہ ایک چیز دوسرے کو محسوس و معلوم کرے۔ اور ہر ایک حواس کے لئے ایک خاص محسوس مقرر کر دیا جو اسمیں اپنا عمل کرے اور ہر محسوس کے واسطے ایک حاسہ بنا دیا ہے جو اُسے محسوس کرے۔ (مثلاً آواز صرف کان ہی سے سُنی جا سکتی ہے۔ آنکھ اُسے محسوس نہیں کر سکتی۔ آنکھیں صرف رنگوں اور شکلوں کو دیکھ سکتی ہیں آوازوں کو نہیں سُن سکتیں۔ ناک خوشبو اور بدبو ہی کو محسوس کر سکتی ہے رنگ اور آواز کا ادراک نہیں کر سکتی اور علیٰ ہٰذا القیاس)۔

اور پھر کچھ چیزیں ان حواس اور محسوسات کے درمیان واسطہ بھی قرار دی گئی ہیں جنکے بغیر حاسہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مثلاً روشنی اور ہوا کہ اگر روشنی نہ ہو جو رنگ کو آنکھوں کے سامنے ظاہر کر سکے تو آنکھیں کبھی رنگ کا احساس نہیں کر سکتیں۔ اور اگر ہوا نہ ہو جو آواز کو کان تک پہنچاتی ہے تو کان کبھی آواز کا ادراک نہیں کر سکتے۔

تو کیا اے مفضل! جس شخص کی عقل صحیح ہو اور وہ اپنی فکر سے کام لے۔ اُسپر یہ بات چھپی رہ سکتی ہے کہ جو کچھ میں نے تم سے بیان کیا کہ حواس اسلئے بنائے گئے اور محسوسات اس طور پر پیدا ہوئے جو ایک دوسرے کو محسوس کرتے ہیں۔ اور اُنکے واسطے کچھ چیزیں واسطہ بھی قرار دی گئیں جن سے حواس کا عمل پورا ہوتا ہے۔ بغیر کسی باخبر بار یک بنانے والے کی تدبیر اور قصد کے بن گئے۔ اور اسمیں کسی خالق کا کچھ اثر نہیں ہے (کہیں آپ سے آپ ایسے مناسبات اور ایسی حکمتیں پیدا ہو سکتی ہیں بھلا طبیعت کیا سمجھ سکتی ہے کہ آنکھ اس طرح بنائی جائے اور کان اس طرح اور فلاں چیز فلاں شے محسوس کرے۔ اور فلاں چیز فلاں کو۔ اور یہ بغیر واسطہ اور ذریعہ کے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا واسطے بھی پیدا کر دے کہیں طبیعت لاشعوریہ سے یہ بات ممکن ہے؟ جب تک کوئی حکیم مدبر ان کا تول

حاسہ اور محسوسات کے درمیان واسطہ کیونکر قائم ہے۔

کو نہایت حکمت و مصلحت کے ساتھ سمجھکر نہ بنائے ۔

غور کرو ۔ اے مفضل! اُس شخص کے حال پر جسکی آنکھیں نہیں ہوتیں تو اُسکے کاموں میں کیا خلل پڑتے ہیں ۔ نہ تو وہ اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے (کہ کہاں قدم پڑا کہاں نہیں بلندی ہے یا پستی ہے ۔ گڑھا ہے یا غار ہے وغیرہ وغیرہ) اور نہ اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ وہ رنگوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اچھی بری شکل کو ۔ اگر کوئی گڑھا سامنے آجائے تو اُسے نہیں دکھائی دیتا ۔ یا اگر کوئی دشمن تلوار لیکر اُسکی طرف متوجہ ہو تو اُسے نہیں معلوم ہوتا ۔ اور نہ اُسکو تحریر، تجارت ۔ اور زرگری، سازی وغیرہ صنعتوں کے کام کی راہ معلوم ہوتی ہے (کیونکہ ان کاموں کو کرے) یہانتک کہ اگر اُسکا ذہن (اور دماغ) کام نہ کرے تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے ایک پتھر پڑا ہوا ہے (البتہ اُسکا ذہن کچھ اُسے راہیں بتاتا ہے جس سے بغیر آنکھ کے بھی چل پھر کھا سکتا ہے) علیٰ ہذا القیاس جسکے کان نہوں تو اُسکے بہت سے کاموں میں خلل پڑجاتا ہے ۔ اُسکو گفتگو و کلام کا ذائقہ ہی نہیں ملتا ۔ اور نہ دردناک یا طرب انگیز آوازوں کی لذت اُسے محسوس ہوتی ہے اور لوگوں کو اُس سے کلام کرنے میں سخت دقت اُٹھانی پڑتی ہے ۔ یہانتک کہ وہ اُس سے تنگ آجاتے ہیں اور وہ لوگوں کی خبریں اور باتیں ہی نہیں سن سکتا ۔ حالانکہ وہ موجود اور زندہ ہے جیسے کوئی غائب آدمی خبروں سے ناواقف ہوتا ہے ۔ یا جیسے کوئی مردہ ہے کہ لوگوں کی باتیں نہیں سن سکتا ۔

لیکن جسکی عقل ہی نہو وہ تو بہایم کے مانند ہے بلکہ یہ شخص بہت سی ایسی خبریں نہیں سمجھ سکیگا جیسے بہایم سمجھتے اور جان سکتے ہیں ۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ اعضا و جوارح اور عقل اور تمام وہ چیزیں جن سے انسان کی اصلاح ہے اور جو ایسی ہیں کہ اگر انمیں سے کوئی نہو تو کتنا بڑا خلل اور ضرر اُسکو پہنچے کسطرح اسکی خلقت کو کامل بناتی ہیں اور کوئی انمیں سے کسی کا حصہ مجسم انسان سے مفقود نہیں ہوتی تو کیا یہ سب چیزیں بے علم و قدرت و بے اندازہ پیدا ہوگئیں (ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ضرور کسی مدبر نے علم و اندازہ کے ساتھ انکو بنایا ہے) ۔

مفضل ...... میں نے عرض کی تو پھر بعض آدمیوں میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ان کے

اگر آنکھیں نہوں تو کیا کیا نقصان ہیں

اگر کان نہوں تو کیا ہوگا

بعض اعضا وجوارح نہیں ہوتے اور انکو اُس سے وہی نقصانات پہنچتے ہیں جنہیں آپ نے بیان فرمایا۔

امام علیہ السلام ۔۔۔ یہ اُس شخص کی تادیب و تنبیہ کے لئے ہے جسمیں ایسا ہوتا ہی اور نیز غیروں کی تنبیہ و نصیحت کے لئے جیسے بادشاہ۔ لوگوں کو سزا دیتا اور نصیحت کی غرض سے تنبیہ کرتا ہے۔ اور یہ تنبیہ انکی بُری بھی نہیں سمجھی جاتی (کیونکہ اگر سزا دہی کا قانون اُٹھا دیا جائے تو خلقت سرکش ہو جائے) بلکہ انکی تعریف کیجاتی ہے اور اُنکی اس تدبیر کو ٹھیک سمجھا جاتا ہے۔

پھر جن لوگوں پر یہ بلا پڑتی ہے انہیں مرنے کے بعد اسقدر ثواب ملیگا (بشرطیکہ وہ خدا کا شکر کرتے رہیں اور اُسکی طرف رجوع کریں) کہ جسکے سامنے وہ تمام مصیبتیں جو اُن اعضا کے نہونے کی وجہ سے اُنپر پڑی ہیں حقیر معلوم ہونگی یہانتک کہ اگر انکو مرنے کے بعد اختیار دیا جائے تو وہ اس بات کو پسند کریں گے کہ انہیں بلاؤ میں لوٹا دئے جائیں تاکہ زیادہ ثواب پائیں

غور کرو اے مفضل! اُن اعضا وجوارح میں جو ایک ایک پیدا کئے گئے ہیں اور دو دو اور دیکھو کہ اُس میں حکمت کیا ہے اور کیا اندازہ ہے اور کیا درستی تدبیر ہے۔

دیکھو۔ سر اُن اعضا میں سے ہے جو ایک ہی پیدا کیا گیا۔ اور انسان کے لئے ہرگز مناسب بھی نہیں تھا کہ اسکے دو سر یا زیادہ بنائے جاتے۔

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر ایک سر کے ساتھ دوسرا سر اور لگا دیا جاتا تو اُسپر ایک بوجھ ہو جاتا حالانکہ اُسکی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمام حاسے جنکی ضرورت انسان کو ہے وہ سب کے سب ایک ہی سر میں موجود ہیں۔

پھر اگر دو سر ہوتے تو ایک آدمی کے دو حصے ہو جاتے۔ پس اگر وہ ایک ہی سے گفتگو وغیرہ کرتا تو دوسرا محض بیکار رہتا جسکی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر دونوں سے ساتھ ہی ایک ہی قسم کی گفتگو کرتا تو ایک فضول تھا (کیونکہ دونوں سے وہی بات حاصل ہوئی۔ جو ایک ہی سے ممکن تھی۔ پھر دوسرے سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ محض فضول ہوا) اور اگر ایک سے کچھ گفتگو کرتا (مثلاً) اور دوسرے سے کچھ تو سننے والا یہی سمجھ سکتا کہ کسکی بات قابل قبول ہے اور

سر ایک کیوں پیدا کیا گیا ۔ اعضاء بدن فرد فرد اور جفت جفت کیوں بنائے گئے اسمیں کیا حکمت ہے

کسی کی نہیں۔ اسی طرح کے اور غلط مبحث واقع ہوتے۔

اور ہاتھ دو پیدا کئے گئے۔ انسان کے لئے ہرگز بہتر نہ ہوتا۔ اگر اُسکے ایک ہی ہاتھ بنایا جاتا کیونکہ یہ اُسکے ان کاموں میں خلل انداز ہوتا جنہیں وہ کرتا ہے اور جنکی اُسے ضرورت ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر بڑھئی اور معمار کا ایک ہاتھ شل ہو جائے تو وہ اس بات پر قادر نہوگا کہ اپنے پیشہ کو کر سکے؟ اور اگر یہ تکلیف کرے گا بھی تو اُسے اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ نہ کر سکے گا اور وہ کام ویسا نہوگا جیسا کہ دونوں ہاتھوں سے ہو سکتا جو اُسے اُس کام میں مدد دیتے ہیں

آواز اور اسکے آلات

اے مفضل ذرا خوب سوچو۔ انسان کی آواز اور کلام اور اُسکے آلات کی ساخت کو اور اس معاملہ میں پیا غور کرو۔ دیکھو حنجرہ (جسکی مدد سے آواز پیدا ہوتی ہے) تو ایک نلکی کے مشابہ ہے جس سے آواز نکلتی ہے۔ اور زبان۔ ہونٹھ۔ اور دانت حرفوں اور آوازوں کے ڈھالنے کا سانچا ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس کے دانت گر جاتے ہیں تو اُس سے (س) نہیں ادا ہو سکتا۔ اور جس کے ہونٹھ کٹ جائیں۔ اُس سے (ف) نہیں نکلتی۔ اور جس کی زبان موٹی ہو۔ اُس سے (ر) نہیں ادا ہوتی۔ اور بڑا مزمار اس سے بہت ہی مشابہ ہے۔ حنجرہ تو مزمار کی نلی سے مشابہ ہے اور پھیپھڑا اُس تونبی کے مشابہ ہے جسکے اندر پھونکتے ہیں تاکہ ہوا بھرے اور عضلات جو پھیپھڑے کو پکڑے ہوئے ہیں تاکہ آواز نکل سکے وہ اُن انگلیوں کے مانند ہے جن سے تونبی کو دباتے ہیں تاکہ ہوا نلی میں آوے اور ہونٹھ اور دانت جو حروف اور راگ کو سدھرا ہوا نکالتے ہیں وہ اُن انگلیوں سے مشابہ ہیں جو مزمار کے مُنہ میں آتی جاتی ہیں جس سے صفیریں اور راگ پیدا ہوں۔ البتہ یہ بات ہے کہ اگرچہ مخرج آواز کو مزمار سے سمجھاتے ہیں اور تعلیم کے موقع پر مشبہ بہ قرار دیا گیا ہے (یعنی میں نے مخرج صوت کو مزمار سے تشبیہ دی ہے) لیکن دراصل مزمار مشبہ ہے اور مخرج صوت مشبہ بہ ہے جسکے انداز اور ڈھنگ پر یہ باجہ بنایا گیا ہے۔ نہ یہ کہ مزمار باجے کو دیکھکر مخرج صوت بنایا گیا ہے۔

(اے مفضل) میں نے تمہارے سامنے جن آلات و اعضائے کلام کو بیان کیا ہے وہ گفتگو اور کلام کے پیدا کرنے اور حرفوں کے درست نکالنے کے لئے کافی ہیں۔

پھیپھڑوں کا فائدہ

مگر انہیں علاوہ اس میرے بیان کے اور بھی غرضیں ہیں۔ مثلاً حنجرہ اس لئے بنایا گیا ہے کہ اسکی راہ سے لطیف ہوا پھیپھڑے تک پہنچ سکے اور دل کو متواتر اور پے در پے آنیوالے سانس سے آرام دے جو اگر ایک دم کے لئے بھی ٹھہر جائے تو فوراً انسان مرجائے۔

زبان کیوں پیدا کی گئی

اور زبان اسلئے بنائی گئی ہے کہ کھانوں کا ذایقہ معلوم ہوسکے اور انہیں تمیز کرسکے ہر ایک ذایقہ کو جدا جدا سمجھ سکے۔ میٹھے کو کڑوے سے الگ کرسکے اور خالص ترش کو کھٹ مٹھے سے اور نمکین کو شیریں سے اور اچھے کو برے سے

علاوہ اسکے زبان کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس سے کھانے اور پانی کے خوشگوار معلوم ہونے میں مدد ملتی ہے۔

دانت کیوں پیدا کئے گئے

اور دانت غذا کو چباتے ہیں تاکہ وہ نرم ہوجائے اور اسکا ہضم ہونا آسان ہو اور علاوہ بریں دانتوں کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ ہونٹوں کی روک ہیں اور منہ کے اندر ہونٹوں کے چلے جانے کو روکتے ہیں۔

اسے یوں سمجھو کہ تم دیکھتے ہو جسکے دانت گر گئے ہیں اُن کے ہونٹھ کیسے ڈھل ڈھلے اور متحرک ہوتے ہیں۔

ہونٹوں کی دوسری غرض

ہونٹوں کے ذریعہ سے انسان پانی کو چوس سکتا ہے تاکہ جو پانی پیٹ کے اندر جائے وہ باندازہ معین اور بالقصد جائے نہ کہ غٹ غٹ آتا ہوا بہتا ہوا جائے جس سے پینے والے کو اچھو ہوگلے میں پھندا لگے۔ اور زور سے بہ کر جانے کے سبب سے کسی اندرونی حصہ میں خراش پڑ جائے۔

پھر علاوہ اسکے یہ دونوں ہونٹھ دروازہ کے مشابہ ہیں جو منہ کو ڈھانکے رہتے ہیں جب آدمی چاہے بند کرے۔

دماغ کی حفاظت

(اے مفضل) ہم نے تم سے یہ بات بیان کردی کہ ان اعضا میں کئی طرح کے فواید ہیں اور کئی کئی کاموں میں صرف ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ہی آلہ سے کئی کام لئے جاسکتے ہیں مثلاً کولھاڑہ کہ اس سے بڑھی کا کام بھی ہوسکتا ہے اور زمین کھودنے کا کام بھی۔ اسکے علاوہ اور بھی کام لئے جاسکتے ہیں۔

اگر تم دماغ کو دیکھو تو ایسا پاؤ گے کہ کئی کئی تہ بتہ جھلیوں میں لپٹا ہوا ہے تاکہ اسے آفتوں سے

بچائے اور متحرک ہونے دے۔ اسکے اوپر ایک کھوپری پاؤگے جو بمنزلہ خود کے ہے تاکہ ٹھیس اور دھکے کا صدمہ اُسے چورا چورا نہ کر دے جو اکثر سر پر واقع ہوتا ہے۔ پھر کھوپری کو ایسا پاؤ گے کہ اُسے بالوں کا لباس پہنایا گیا ہے جو سر کے لئے بمنزلہ پوستین کے ہوگیا ہے اور اُسے گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتا ہے ؛

پس سوائے خالق کے کس نے دماغ میں یہ استحکام دیا اور حفاظت پیدا کی اور کس نے اِسے کو احساس کا سرچشمہ بنایا۔ اور کس نے اُسے اِس قابل کیا کہ اُسکی حد سے زیادہ حفاظت کیجائے بہ نسبت باقی بدن کے اُسکا مرتبہ زیادہ ہونے اور اُسکا رتبہ بڑا ہونے اور اُسکا درجہ بلند ہونے کے سبب سے اُسکی پوری حفاظت و نگہداشت کیجائے۔

اے مفضل! آنکھ کے پپوٹے کو غور کرو کہ کس طرح یہ آنکھ کے لئے مثل پردے کے بنایا گیا ہے اور پلکیں مثل اُن ڈوروں کے بنائی گئی ہیں جنہیں پکڑ کر پردے کو اُٹھاتے اور چھوڑتے ہیں۔

اور دیکھو کہ آنکھ کو کس طرح اس گڑھے کے اندر رکھا ہے اور اُسپر اُس پردے اور بالوں سے سایہ کیا ہے۔

اے مفضل! یہ کس نے دل کو سینے کے اندر چھپایا ہے اور اُسے وہ چادر اوڑھائی جسے تم جھلی کہہ سکتے ہو۔ اور کس نے اُسکی حفاظت پسلیوں اور اُس گوشت اور پٹھوں کے ذریعہ سے جو اُسکے اوپر ہیں کی ہے تاکہ اُس تک کوئی ایسی چیز نہ پہنچے جو اُس میں خراش پیدا کر دے۔ یہ کس نے حلق کے اندر دو سوراخ اس لئے بنائے کہ ایک سے تو آواز نکلے اور یہ وہ سوراخ ہے جو پھیپھڑے سے قریب ہے اور دوسرے سے جسے مری کہتے ہیں اور وہ معدہ سے متصل ہے غذا اندر جا سکے۔

اور کس نے آواز والے سوراخ پر ایک ڈھکنا ڈھانک دیا ہے جو کھانے کو پھیپھڑے تک پہنچنے سے روکتا ہے ورنہ آدمی مرجائے۔

یہ کس نے پھیپھڑے کو دل کا پنکھا بنایا ہے جو نہ کبھی تھکتا ہے اور نہ اپنے کام میں خلل کرتا ہے تاکہ دل میں حرارت جمع نہ ہوجائے جو اُسکی ہلاکت کا باعث ہو۔

یہ کس نے پیشاب پاخانہ کے سوراخوں میں ایسی ڈوریاں لگائی ہیں جو ان دونوں کو روکے اور سمیٹے ہوئے رہے جیسے کپڑے کے بٹوے میں ڈوری ہوتی ہے کہ جب چاہیں کھول لیں اور جب

چاہیں بنا کر دیں تا کہ ہمیشہ بہتے ہی نہ رہیں ورنہ اس سے انسان کی زندگی تلخ ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں شمار کرنے والا شمار کر سکتا ہے۔ بلکہ جو باتیں احصا و شمار میں نہیں آتیں اور جنہیں آدمی نہیں جانتے وہ اُن سے زیادہ ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔

یہ کس نے معدہ کو سخت پٹھوں والا بنایا ہے اور سخت کھانے کے ہضم کے لئے اسکو معد کر دیا ہے؟

اور یہ کس نے جگر کو رقیق اور نرم پیدا کیا کہ لطیف اور صاف شدہ غذا کو قبول کر سکے اور ہضم کرے اور معدہ کے فعل سے زیادہ لطیف فعل کر سکے۔ کیا یہ سب کام سوائے خدائے قادر مطلق کے اور کوئی کر سکتا ہے۔ کیا یہ تمہارا خیال ہے کہ اہمال و تعطیل بھی ایسا کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں!! بلکہ یہ ایک حکیم اور قادر کی تدبیر ہے جو تمام چیزوں کو اُن کے پیدا کرنے سے پہلے جانتا ہو۔ جو کسی کام میں عاجز نہ ہو۔ اور وہ اللہ لطیف و خبیر ہے۔

اے مفضل! غور کرو کہ یہ رقیق مغز ہڈیوں کی نلیوں میں کیوں بحفاظت رکھے گئے۔ اسی لئے تا کہ نلیاں اُسکی حفاظت کر سکیں اور اُسے ضایع ہونے سے بچائیں (ورنہ اگر نلیوں میں نہ رکھا جاتا تو وہ حرارت آتش سے پگھل کر بہ جاتا۔ سردی میں نہایت ٹھوس اور سخت ہو جاتا جس سے انسان زندہ نہ رہ سکتا کیونکہ ہڈیوں کے مغز بھی باعث قوت بدن انسان ہیں)۔

اور یہ بہنے والا خون کیوں رگوں میں بند کیا گیا۔ جیسے پانی ظرف میں رکھا جاتا ہے۔ صرف اسی لئے نہ کہ رگیں اُسکو روکے رکھیں اور وہ بہ جانے نہ پائے۔

یہ ناخن انگلیوں پر کیوں قرار دئے گئے۔ اسی لئے تا کہ انکو صدمہ سے محفوظ رکھیں اور کام کرنے میں مدد دیں (اگر انگلیوں میں ناخن نہ ہوتے صرف گوشت ہی گوشت ہوتا تو مشکل سے کسی چیز کا گرفت کرنا یا اٹھانا سخت دشوار ہوتا۔ قلم کے ذریعہ سے لکھنا دشوار ہوتا۔ سوئی پرونا ناممکن ہوتا)۔

یہ کان کا اندرونی حصہ قید خانہ کی طرح کیوں ٹیڑھا بیڑھا بنایا گیا۔ اسی لئے نہ کہ اسمیں آواز جاری ہو سکے اور اس پردہ تک پہنچ جائے جس سے آواز سنائی دیتی اور نیز اس لئے کہ ہوا کی تیزی کا زور ٹوٹ جائے تا کہ پردہ سماعت میں خراش نہ ڈالے۔

یہ آدمی کی رانوں اور سرین پر یہ گوشت کیوں چڑھایا گیا۔ اسی لئے نہ کہ اُسے زمین کی تکلیف

معدہ کو سخت اور جگر کو نرم کیوں بنایا

ہڈیوں کے اندر مغز رکھنے، خون کو رگوں میں بند رکھنے، ناخن، کان اور سرین پر گوشت چڑھانے کی حکمت

آدمی کی ران پر گوشت کیوں ہے

سے بچائے اور جو تڑوا کے بل بیٹھنے سے اُسکو تکلیف نہو جیسے اُس شخص کو بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے جسکا جسم دُبلا اور گوشت کم ہو گیا ہو۔ اور اُسکے اور زمین کے درمیان کوئی ایسی چیز حایل نہو جو زمین کی سختی سے اُسکو بچائے۔ (مثلاً گدہ یسند وغیرہ)

انسانکی دو قسمیں مرد اور عورت کیوں ہوئیں

کس نے انسان کو مرد اور عورت بنا کر پیدا کیا۔ اُسی نے ناجسنے اُسکو نسل بڑھانیوالا بنایا (کیونکہ ان دونوں مختلف صنفوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ اُن کے اجتماع و صحبت سے نسل انسانی بڑھتی رہے اور کم از کم قایم رہے) اور کس نے اُسکو نسل بڑھانیوالا بنایا۔ اُسی نے ناجسنے اُسکو امید والا پیدا کیا (کیونکہ انسان اپنے نسل کے قایم رہنے کی صرف اسی لئے کوشش کرتا ہے کہ اُسکا نام باقی رہے ورنہ اگر یہ خیال نہوتا اور انسان کے دل میں یہ آرزو نہوتی تو کیوں ایک دوسرے سے ہم صحبت ہوتے۔ دیکھو اُن جانوروں کو جنکے صنفوں کا بقا صحبت وجماع پر موقوف نہیں ہے بلکہ مادہ کے جمع ہونے اور اُسمیں ایک خاص قوت پہنچ جانے سے پیدا ہوتے ہیں اُنمیں نر و مادہ کا تمایز بالکل نہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ زنبور مثلاً کونسی مادہ ہے اور کونسی نر ہے؟)

انسان کو کام کے آلات کیوں دیئے

اور کس نے اُسے آلات عمل دیے۔ اُسی نے ناجسنے اُسکو کام کرنیوالا بنایا اور کس نے اُسکو کام کرنیوالا بنایا۔ اُسی نے ناجس نے اُسکو صاحب احتیاج پیدا کیا۔ (اگر آدمی کو کسی چیز کی احتیاج نہوتی تو کبھی کوئی کام نہ کرتا۔ اگر اُسے پیٹ بھرنے کی احتیاج نہوتی تو مزدوری کیوں کرتا حرفت و صنعت کیوں کرتا۔ اگر اُسکے جسم کو گرمی اور سردی سے بچانے کی ضرورت نہوتی تو کیوں سیتا سوئی کیوں بناتا۔ ڈورے کیوں درست کرتا کپڑے کیوں بنتا۔ روئی کیوں کاتتا۔ کپاس کیوں بوتا مثلاً اور جب یہ نہوتا تو آلات عمل ہاتھ پاؤں انگلیاں وغیرہ بھی بیکار تھیں) اور کس نے اُسے صاحب احتیاج پیدا کیا۔ اُسی نے ناجسنے اُسکے لئے احتیاج کے اسباب پیدا کئے اور کس نے اُسکے لئے احتیاج کے اسباب پیدا کئے۔ اُسی نے ناجسنے اُس کے پورا کرنے کی ذمہ داری کی (غور سے اس مضمون کو پڑھو)۔

انسان کو فہم کیوں دی گئی۔

کس نے اُسکو بافہم بنایا اُسی نے ناجسنے اُسکے لئے جزا و سزا بھی لازم کی (کیونکہ اگر جزا و سزا اُسپر لازم نہ کیجاتی تو اُسمیں سمجھ ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی پس معلوم ہوتا ہے کہ پیدا کرنے سے پہلے اُسکے پیدا کرنیوالے نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اُسکے متعلق سزا و جزا کیجائیگی۔ لہذا اُسکو عقل اور سمجھ بھی دی تاکہ نیک و بد کو سمجھ سکے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بد پائے۔ دیکھو جن مخلوقات کے لئے سزا و جزا نہیں قرار دی گئی ہے اُنکو کسی نیک و بد کا احساس ہی نہیں ہے نہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل حرام ہے نہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حلال ہے

نہ اہنیں مکروہ کی تمیز ہے نہ اُنہیں واجب کی سوائے اسکے کہ جس چیز کی ضرورت اُنکے بقائے صنف یا بقائے شخص میں ہے اُسکو البتہ پہچانتے اور جانتے ہیں مثلاً پرندہ اسقدر ضرور سمجھ رکھتا ہی کہ باز اُسکو شکار کریگا لہذا اُسکی صورت دیکھتے ہی تیز پروازی سے کام لیتا ہی۔ یا ایک ہرن مثلاً خوب جانتا ہی کہ شیر اُسے پھاڑ کھائیگا۔ لہذا اُسکی شکل ہی دیکھکے فرار کرجاتا ہی)۔

کس نے اُسکو حیلہ و تدبیر عنایت کی اُسی نے ناجسنے اُسے قوت بخشی۔ اور کس نے اُسے قوت دی اُسی نے ناجسنے اُسپر حجت لازم کی (اگر اتمام حجت نہ مقصود ہوتا تو قوت دینے کی ضرورت ہی کیا ہوتی اب البتہ یہ بات پوچھی جاسکتی ہے کہ ہم نے تو تمکو اُٹھنے بیٹھنے کی قوت دیدی تھی پھر تمنے مثلاً نماز کیوں نہ پڑھی۔ یا تمہارے ہاتھ پاؤں میں طاقت دیدی تھی تمنے فلاں گرتے ہوئے آدمی کو دوڑکر کیوں نہ بچایا) اِن کاموں میں کون اسکی مدد کرتا ہی جنمیں اُسکی تدبیر کچھ کارگر نہیں ہوتی وہی جسکا انتہائے شکر ادا نہیں ہوسکتا (سبحان اللہ کس انداز کا کلام ہے اور کیا لطیف تعلیم ہے اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ)

مفضل غور کرو اور سوچو جو کچھ میں نے تم سے بیان کیا ہی۔ کیا بے بنائے بنجانے میں یہ نظم و نسق اور یہ ترتیب ہوسکتی ہی (ہرگز نہیں) تعالیٰ اللہ عما یصفون (اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

اے مفضل! اب میں تمسے کچھ دل کا حال بیان کرتا ہوں جانو کہ اسمیں بہت سے سوراخ (باریک مسامات) اُن سوراخوں کے سامنے ہیں جو پھیپھڑے میں واقع ہیں جو کہ دل کا پنکھا ہی (دل کی گرمی اور بخارات کو دور کرتا رہتا اور اُسے آرام دیتا رہتا ہی) اگر یہ سوراخ ہٹ جائیں اور ایک دوسرے کے سامنے نہ ہیں تو کبھی ہوا دل میں نہ پہنچ سکے اور انسان مرجائے۔ کیا کسی باعقل و ہوش آدمی کی عقل اجازت دیسکتی ہے کہ وہ اس بات کا دعوے کرے کہ یہ ترکیب بن بنائے آپ بن گئی۔ اور کیا اُسکا دل اُسے اس بات کے کہنے سے نہ روکے گا۔ (یا اُسکا نفس اس بات کی گواہی نہ دیگا کہ ایسا کہنا بے عقلی کی بات ہی)۔

اے مفضل! اگر تم دروازے کے دو کواڑوں میں سے ایک کو دیکھو جسمیں کنڈا لگا ہو۔ تو کیا تمکو یہ خیال ہوگا کہ یہ یوہیں بلا وجہ بنایا گیا ہے؟۔ بلکہ تم یقیناً اس بات کو جان لوگے کہ وہ بنایا ہوا ہی اور کسی دوسرے کواڑ سے ملایا جائیگا۔ ...... تاکہ اُن دونوں کے اجتماع سے کسی قسم کا فائدہ ہو

اسی طرح تم ہر حیوان کو پاؤ گے کہ وہ کسی جوڑے کا ایک فرد ہے جو فرد مادہ کے لئے بنایا گیا ہے تاکہ دونو ہم صحبت ہوں اسلئے کہ اسمیں بقائے نسل ہو (اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے ماہر حکیم نے نہایت دانائی سے سمجھکر کہ مرد کو مردانہ آلات دئے جائیں اور عورت کو زنانہ تاکہ دونوں کے اجتماع سے بقائے نسل ہے ورنہ صرف مادہ میں یہ تمیز کہاں تھی کہ ایسا سمجھکر مرد اور عورت علیحدہ علیحدہ بناتا اور ہر ایک کے لئے اُسکے مناسب آلات پیدا کرتا)۔

پس اللہ تعالیٰ انکو ہلاک کرے جو فلسفی بننے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر کیونکر اُن کے دل اس عجیب غریب خلقت اور ساخت کے دیکھنے سے اندھے ہوگئے ہیں جس سے اُنہوں نے انکار کردیا کہ خلقت عالم میں کسی مدبر کی تدبیر ہی نہیں اور کسی ارادے والے کا ارادہ ہی نہیں (بلکہ جہان آپ سے آپ پیدا ہو گیا ہے (دیکھو) اگر مرد کا عضو تناسل مسترخی ہوتا تو کیونکر رحم کے قعر تک پہنچ سکتا۔ اور کیونکر اُسمیں نطفہ ڈال سکتا۔ اور اگر ہمیشہ استادہ ہی رہتا تو آدمی کیسے بچھونے پر کروٹ لیتا۔ اور مجمع میں کیونکر چل سکتا جبکہ ایک چیز اُسکے آگے تنی ہوئی کھڑی رہتی۔ (تو معلوم ہوا کہ کسی حکیم نے خاص حکمت سے اس عضو کو ایسا پیدا کیا ہے کہ صرف ضرورت کے وقت تو استادہ ہو ورنہ باقی اوقات میں سمٹا رہے تاکہ مذکورہ بالا فوائد حاصل ہوسکیں)۔

پھر علاوہ بدہیئت اور بدنما ہونے کے اسمیں ایک خرابی یہ بھی ہوتی کہ ہر وقت مرد عورتوں کی شہوت میں تحریک پیدا ہوتی رہیں۔ تو اللہ جل اسمہ نے ایسا بنا دیا کہ اسکا زیادہ حصہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے نہ رہے اور نہ مرد کو اُسمیں کچھ زحمت ہو۔ بلکہ صرف ضرورت کے وقت اُسمیں سیدھے کھڑے ہوجانیکی قوت دی گئی۔ کیونکہ یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ اسمیں نسل کا دوام و بقا ہے۔

اے مفضل ذرا عبرت کی نظر سے دیکھو کہ انسان کے کھانے پینے اور اُسکی تکلیف کے آسانی دفع ہوجانے میں کتنی بڑی نعمت پروردگار عالم کی ہے۔ کیا کسی مکان کے بنانے میں یہ خوبی انداز نہیں ہے کہ بیت الخلا ایسے مقام پر بنایا جائے جو محفوظ جگہ ہو؟ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُس سوراخ کو جو خلا (رفع حاجت) کے واسطے انسان کیلئے بنایا ہے وہ بھی اُسکے ایسے مقام پر قرار دیا ہے جو بہت ہی پوشیدہ ہے اُسے کھلا ہوا اور ظاہر اُسکے پیچھے نہیں بنایا اور نہ اوبھرا ہوا اُسکے سامنے بلکہ وہ بدن کے ایک پوشیدہ حصے میں مخفی و مستتر اور باپردہ واقع ہے جسپر دونوں رانیں ملی ہوئی ہیں اور دونوں سرین

اپنے گوشت سے اُسے چھپائے ہوئے ہیں۔ جب آدمی کو رفع حاجت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس نشست خاص سے بیٹھتا ہے۔ تو اُسکا وہ منفذ جاری ہوتا ہے اور ثقل کے دفع کے لئے تیار ہو جاتا ہے (ورنہ بند رہتا ہے)

فتبارک اللہ من تظاهرت الائہ ولا تحصی نعمائہ

اے مفضل! ان ڈارھ کے دانتوں پر غور کرو جو آدمی کے منہ میں بنائے گئے ہیں بعضے تو تیز ہیں جو غذا و طعام کے کاٹنے اور کترنے کا کام دیتے ہیں اور بعضے چوڑے ہیں جو چبانے اور ریزہ ریزہ کرنے کا کام دیتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے دانتوں کی چونکہ اُسے ضرورت تھی لہذا اُسمیں کمی نہیں کی گئی۔ (کیا طبیعت لاشعور یہ بھی یہ بات سمجھ سکتی ہے کہ آدمی کے واسطے ایسی ضرورت پڑے گی لہذا اسکے لئے ایسے دانت بنانے چاہئیں۔ کیا اُسمیں یہ ادراک تمیز ہے؟)

غور کرو اور سمجھو کہ بالوں اور ناخنوں کا منڈنا اور کٹنا کیوں بہتر ہے اور اسمیں کیا حکمت ہے چونکہ یہ دونوں بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہتے ہیں اسلئے ضرورت پڑی کہ اُسکے اوپر کے حصے میں تخفیف کیجائے۔ لہذا یہ بے حس بنائے گئے تاکہ آدمی کو اسکے کٹوانے میں تکلیف نہو۔ اور اگر بال اور ناخنوں کے کترنے میں تکلیف محسوس ہوتی تو آدمی دو قسم کی زحمتوں کے درمیان پھنس جاتا۔ یا تو چھوڑ دیتا کہ بڑھا کریں تو حد سے زیادہ بڑھ جاتے اور اُسے بار معلوم ہوتے۔ یا کٹواتا تو اُسے تکلیف محسوس ہوتی۔

مفضل۔۔۔ میں نے عرض کی تو ایسے کیوں نہ بنائے گئے کہ بڑھتے ہی نہیں کہ انسان کو اسکی گھٹانے کی ضرورت پڑے۔

امام علیہ السلام۔۔۔ بیشک اللہ تعالیٰ و تبارک کی بندوں پر اس امر میں بہت سی نعمتیں ہیں جنہیں وہ نہیں جانتے اگر جانتے تو اُسپر خدا کا شکریہ ادا کرتے۔

معلوم کرو کہ بدن کے تکالیف اور امراض انہیں بالوں کے ذریعہ سے دفع ہوتے ہیں جو اپنے مسامات سے نکلتے ہیں (بخارات اور پسینے انہیں مسامات سے نکلتے ہیں۔ خود یہ بال بھی وہی بخارات ہیں جو تحت الجلد محتبس ہوتے ہیں) اور انگلیوں کے امراض ان ناخنوں کے ذریعہ سے دفع ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو نورہ لگانے سر منڈانے ناخن ترشوانے کا ہر ہفتہ میں حکم دیا گیا تاکہ بال اور ناخن جلد جلد نکلیں اور تکلیف اور بیماریاں اُن کے نکلنے سے دفع ہوں اور جب یہ بڑھ جاتے ہیں تو امراض و آلام منجمد رہجاتے ہیں اور کم نکلتے ہیں تو بیماریاں بدن میں محتبس ہو جاتی ہیں اور وہ طرح

ڈاڑھ کے دانتوں کی حکمت

بال اور ناخنوں کا ترشوانا کیوں بہتر ہے

بال اور ناخنوں کی مصلحتیں

طرح کے درد اور امراض پیدا کرتی ہیں؛

اور باوجود اسکے اُن مقامات میں بال نہ اُگنے دیا جہاں انسان کو نقصان پہنچتا۔ اگر آنکھوں کے اندر بال اُگتے تو کیا وہ اندھا نہو جاتا؟ اور اگر مُنہ کے اندر بال نکلتے تو کیا اُسکے کھانے پینے میں خلل اور پانی نہ رکتا۔ اگر ہتھیلیوں میں بال پیدا ہوتے تو کیا اُسکی قوت لامسہ کو نہ روکتے۔ اور کیا اچھی طرح چھوکر دریافت کرنے سے باز نہ رکھتے۔ اور بعض کاموں میں خلل انداز نہوتے؟ اور اگر عورت کی فرج میں بال اُگتے یا مرد کے عضو تناسل پر تو کیا اُنکی لذت مجامعت کو نہ کھو دیتے؟

تو دیکھو کہ کیونکر ان مقامات میں بال نہ پیدا ہوئے۔ کیونکہ اسمیں مصلحت تھی (کیا طبیعت بھی ان حکمتوں کو سمجھ سکتی ہے۔ یا اس طرح کے افعال باحکمت طبیعت کی طرف منسوب کئے جاسکتے ہیں؟ افسوس ان دہریوں پر اور انکی نافہمی پر) پھر یہ بات کچھ انسان ہی میں خاص نہیں بلکہ بہایم اور درندوں اور تمام ان جانوروں میں بھی ایسا ہی پاؤگے جنکی نسل کا بڑھنا صحبت وجماع پر موقوف ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ اُن کے تمام جسم تو بالوں سے ڈھانکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور خاص یہ مقامات اُنہی سے خالی ہوتے ہیں۔ اسمیں بھی تو یہی سبب ہے پس غور کرو اس خلقت کے معاملہ کو دیکھو کہ کس کس طرح غلطی اور ضرر کے طریقوں سے بچا ہے اور کس کس طرح ٹھیک درست اور بانفع پیدا کیا ہے۔

ان مانویوں اور اُن کے امثال نے جب یہ کوشش کی کہ پیدایش (عالم میں) اور بغیر قصد وارادہ پیدا ہونے میں عیب نکالیں تو انہوں نے یہ عیب نکالا کہ پیٹرو پر اور بغلوں کے نیچے بال کیوں پیدا ہوئے۔ اور اس بات کو نہ سمجھے کہ یہ اُس رطوبت کی وجہ سے ہے جو اُن مقامات کی طرف بہ کر آتی ہے۔ اس سبب سے وہاں بال پیدا ہوتے ہیں جیسے پانی کے جمع ہونے کے مقامات میں گھانس پیدا ہو جاتی ہے۔ کیا تم اُن مقامات کو نہیں دیکھتے بہ نسبت اور مقامات کے کسقدر ان فضلات کے جمع کرنے کے لئے آمادہ ہیں اور اُنہیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ (یعنی کسقدر پیٹرو کے نیچے رطوبات جمع رہتی ہیں)۔

پھر انمیں یہ بھی حکمت ہے کہ جہاں آدمی کو اپنے بدن کے متعلق کچھ مشقت اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اُن مشغلوں میں سے ایک یہ بھی قرار دی گئی۔ کیونکہ اسمیں مصلحت ہے اسلئے کہ جتنی دیر وہ

اپنے بدن کی صفائی اور بالوں کے دُور کرنے میں مصروف رہیگا۔ اتنی ہی دیر اپنے حرص و ظلم اور نخوت (اشر) اور بیہودگی سے بچیگا۔ اور ان امور کا اسکو موقع نہ ملیگا۔

آبِ دہن (تھوک) کی پہلی حکمت اور دوسری و تیسری حکمت

(اے مفضل) غور کرو آبِ دہن (تھوک) کو اور دیکھو کہ اسمیں کیا مصلحت ہے۔ یہ ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر وقت مُنہ کے اندر جاری رہتا ہے تاکہ حلق اور تالو کو تر رکھے کہ یہ خشک ہونے نہ پائیں کیونکہ اگر تالو اور مُنہ خشک رہتے تو آدمی مرجاتا اور پھر یہ بھی ہوتا کہ کھانا بھی نہ کھا سکتا جبکہ مُنہ میں وہ رطوبت ہی نہوتی جو اُسے اندر کی طرف لیجائے۔ یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جسپر مشاہدہ خود گواہ ہے۔ اور جانو کہ رطوبت غذا کا مرکب ہے اور کبھی یہی رطوبت دہن پتّہ پر بھی بہ کر جاتی ہے اور اگر پتّہ خشک ہوجاتا تو آدمی مرجاتا۔

پیٹ بند کیوں بنایا گیا

چند جاہل متکلمین اور کم عقل فلسفہ کے مدعیوں نے اپنی کم فہمی اور قصور علم سے یہ کہدیا کہ اگر آدمی کا پیٹ ایسا بنایا جاتا جیسے قبا ہوتی ہے کہ جب طبیب چاہتا کھولتا اور جو کچھ اُسکے اندر ہے اُسے دیکھ لیتا اور اپنا ہاتھ اسمیں ڈال سکتا۔ اور جب مرض کا علاج کرتا تو یہ اُس سے بہتر ہوتا کہ بند ہے اور نگاہوں اور ہاتھ سے مخفی بنایا گیا ہے۔ اب جو اُسکے اندر بیماری ہے اُسکا حال باریک علامتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً قارورہ دیکھنا۔ نبض پر ہاتھ رکھنا یا ایسی ہی اور باتیں۔ جنمیں اکثر غلطی اور شبہ بھی ہوجاتا ہے۔ یہانتک کہ بسا اوقات یہ غلطی نبض و قارورہ شناسی میں موت کا باعث ہوجاتی ہے۔

پہلی حکمت

کاش یہ جاہل مدعیان فلسفہ و کلام یہ جانتے کہ اگر ایسا ہوتا تو آدمی کو موت اور بیماری کا ڈر نہ رہتا۔ جہاں کچھ بیماری ہوئی جھٹ پیٹ کو کھول کے دیکھ لیا اور جو کچھ اسمیں سبب مرض ہے اُسے نکال کے دُور کردیا کیونکہ وہ قبا کے پردوں کی طرح تو بنا ہی ہوا ہے) اور انسان کو اپنی بقا اور عدم موت کا خیال ہونے لگتا اور اپنی سلامتی پر مغرور ہوجاتا۔ اور اُسکی وجہ سے اُنہیں سرکشی اور نخوت پیدا ہوجاتی۔

دوسری حکمت

پھر یہ بھی ہوتا کہ پیٹ کے اندر کی رطوبت ٹپکتی رہتی اور بہا کرتی تو آدمی کی نشستگاہ اور خوابگاہ اور نفیس کپڑے اور زینت کے لباس سب خراب ہوتے رہتے۔ بلکہ اس صورت میں اُسکا عیش تنگ ہوجاتا۔

تیسری حکمت

پھر یہ بھی ہے کہ معدہ اور جگر اور دل جو اپنا اپنا فعل کرتے ہیں تو صرف اُس حرارت غریزیہ کے

سبب سے کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پیٹ کے اندر پیدا کر رکھا ہے۔ پس اگر پیٹ میں کھلنے کے درز ہوتے جس سے نظر اور ہاتھ اُسکے علاج کے لئے اندر جا سکتے تو ہوا کی برودت پیٹ کے اندر پہنچ جاتی اور حرارت غریزیہ سے مخلوط ہو جاتی تو باطنی اعضا کا عمل بھی بگڑ جاتا پھر تو آدمی مر ہی جاتا۔

کیا نہیں دیکھتے ہو (اے مفضل) کہ اصل خلقت اور اصل ساخت کے علاوہ جو خیالات پیدا ہوتے ہیں محض غلط اور فاسد ہوتے ہیں۔

غور کرو اے مفضل انسان کے کھانے اور سونے اور جماع کے معاملہ میں جو اُسکے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور جو اُنمیں حکمتیں صرف کی گئی ہیں اُنہیں سے ہر ایک کیواسطے ایک محرک بنایا گیا ہی جو اُسکی خواہش کرے اور اُسے اُبھارے۔ پس بھوک کھانے کی مقتضی ہوتی ہی جس سے بدن اور قوام بدن کی حیٰوۃ و زندگی ہے۔ اور نیند کی کیفیت سونے کی مقتضی ہوتی ہی جس سے بدن کو راحت ملتی ہی اور اور قویٰ کی تھکن دور ہوتی ہی اور اگر آدمی صرف اس وجہ سے کھانا کھایا کرتا کہ اُسکے بدن کو اُسکی ضرورت ہی۔ اور خود اُسکی طبیعت کی طرف سے کوئی ایسی بات نہوتی جو اُسے کھانا کھانے پر مجبور کرتی تو ممکن تھا کہ کسی کسی وقت اُسمیں سستی بھی کرتا کاہلی یا ثقل کی وجہ سے۔ تو اُسکا بدن لاغر ہو جاتا اور وہ مر جاتا۔ جیسے کسی شخص کو کسی دوا کی صرف اس وجہ سے ضرورت ہوتی ہے کہ اُس سے اپنے بدن کی اصلاح کرے مگر وہ اُسکو ٹالتا رہتا ہی (کیونکہ طبیعت کی طرف سے کوئی قوی درخواست نہیں ہی) یہانتک کہ یہ ٹالتے رہنا بیماری اور موت کا سبب ہو جاتا ہی۔

اسی طرح اگر صرف اس سبب سے اور یہ سمجھکر کہ اُسے اپنے بدن کو راحت دینے کی ضرورت ہی اور اپنے قوے کی تھکن مٹانی ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اُسمیں کاہلی کرتا اور اُسے روکتا تو آخر اُسکا بدن دبلا ہو جاتا۔

اور اگر جماع صرف اس وجہ سے کرتا کہ اُسے اولاد کی خواہش ہی (اور اُسمیں طبعی شہوت اور جوش نہوتا) تو بالکل بعید نہ تھا کہ وہ اُسمیں سستی کرتا۔ آخر نسل کم ہو جاتی یا بالکل جاتی رہتی کیونکہ اکثر ایسے بھی آدمی ہیں جنکو اولاد کی خواہش نہیں ہے اور نہ اُسکی پروا ہی۔ تو دیکھو کہ اُنہیں سے ہر ایک فعل کیواسطے جسمیں انسان کی تندرستی اور اصلاح ہے کس طرح اُسکی طبیعت کے اندر ایک محرک پیدا کیا گیا جو اُسے اُسکی طرف آمادہ کرے اور اُسکا محرک بنے۔

اور جانو کہ آدمی کے جسم میں چار قوتیں ہیں ۱؎ جاذبہ ہے جو غذا کو قبول کرتی ہے اور اُسے معدہ میں لیجاتی ہے ۲؎ قوت ممسکہ (ماسکہ) ہے جو غذا کو روکتی ہے تاکہ طبیعت اُسمیں اپنا فعل کرے ۳؎ قوت ہاضمہ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو اُسے پکاتی ہے اور اُسکا لب لباب نکال لیتی اور بدن میں اسکو پھیلاتی ہے ۴؎ قوت دافعہ ہے۔ جو اُسے دفع کرتی اور بچے ہوئے ثفل کو گراتی ہے۔ جبکہ قوت ہاضمہ اپنی ضرورت پوری کر چکتی ہے۔ تو غور کرو کہ ان چاروں قوتوں میں جو بدن کے اندر ہیں کیا اندازہ قایم کیا گیا ہے اور چونکہ انکی ضرورت تھی تو کس طرح بنائی ہیں اور اُن میں کیا کیا حکمت و تدبیر ہے۔ (اگر ان چاروں قوتوں میں کسی ایک کی کمی ہوتی تو انتظام بدن میں خلل پڑجاتا آخر کو اُسے موت آجاتی۔) اگر قوت جاذبہ نہوتی تو آدمی اُس غذا کی تلاش کیواسطے جسمیں اُسکے بدن کا قوام و قیام ہے کیونکر کوشش کرتا۔ اور اگر ماسکہ نہوتی تو پیٹ کے اندر کیونکر کھانا ٹھہر سکتا کہ معدہ اُسے ہضم کرے۔ اور اگر ہاضمہ نہوتی تو کیونکر پکتا۔ اور کیونکر وہ لب لباب نکلتا جو بدن کی غذا بن سکے اور اُسمیں خلل نہ پڑنے دے اور اگر دافعہ نہوتی۔ تو وہ ثفل جیسے ہاضمہ نے چھوڑ دیا ہے کیونکر دفع ہوتا اور یکے بعد دیگرے کس طرح نکلتا؟

کیا تم نہیں دیکھتے کس طرح پروردگار سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی لطیف کاریگری اور حسن تقدیر سے اُن قوے کو بدن اور اُن کاموں پر جنہیں اُسکی درستی ہے معین اور موکل کیا ہے۔ اُسکی ایک مثال تجھسے بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بدن کو تو سمجھو کہ ایک بادشاہ کا مکان ہے اور اُسکے حشم و خدم اور بچے اُس مکان میں ہیں اور کچھ ملازمین ہیں جنکے حوالے اُسکا انتظام ہے۔ ایک کا تو یہ کام ہے کہ وہ اُس حشم و خدم کی ضرورتوں کو لاکر پہنچائے اور اُن کے پاس رکھے اور دوسرے کا یہ کام ہے کہ جو کچھ آیا ہے اُسکو لے اور جمع کرے تاکہ اُسکی اصلاح کیجائے اور قابل خوراک بنایا جائے۔ اور تیسرے کا یہ کام ہے کہ اُسکو درست کرے اور تیار کرے اور ہر ایک کو بانٹے۔ چوتھے کا یہ کام ہے کہ جو کچھ گھر میں اُس غلہ وغیرہ کی وجہ سے کوڑا کرکٹ جمع ہوگیا ہے اُسکی جھاڑو بہارو کرے۔

پس بادشاہ اُس مکان کا تو خلاق حکیم ہے جو تمام عالم کا مالک ہے اور مکان۔ یہ بدن ہے اور حشم و خدم اعضا ہیں اور نوکر چاکر یہی چاروں قوتیں ہیں۔

(اے مفضل) شاید تم میرے اس بیان کو جو قوائے اربعہ اور اُنکے افعال کی نسبت کیا

زاید اور بیکار خیال کرو۔ حالانکہ یہ میرا بیان اُس نہج پر نہیں جو اطبا کی کتابوں میں مذکور ہوا ہے اور نہ میری گفتگو اس معاملہ میں انکی گفتگو کی سی ہے۔ کیونکہ اُن لوگوں نے تو اُن قواے اربعہ کا ذکر اس بنیاد پر کیا ہے کہ فن طب اور بدنوں کے صحیح رکھنے میں اسکی ضرورت پڑتی ہے اور ہمنے اس رخ سے بیان کیا ہے کہ جسکی ضرورت دین کی اصلاح اور گمراہوں کے نفسوں کو کجی سے شفا دینے میں ہے۔ جیسے وہ میرا شافی بیان اور مثل جسمیں میں نے تدبیر و حکمت کو واضح کر دیا ہے

غور کرو اے مفضل! اُن قوے کی بابت جو نفس انسان میں قرار دئے گئے ہیں اور وہ ایسے ہیں کس طرح واقعہ ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ فکر۔ وہم عقل اور حافظہ وغیرہ قوے ہیں غور کرو۔ دیکھو کہ اگر انہیں سے صرف قوت حافظہ ہی آدمی میں نہو تو اُسکا کیا حال ہوگا۔ اور کسقدر خلل اُسکے کاموں میں اور امور معاش و تجارت میں پڑیں گے جبکہ اُسے یہی یاد نہو گا کہ اُسکا دوسروں پر کیا آتا ہے اور اُسپر دوسروں کا کیا آتا ہے۔ کیا لیا تھا۔ کیا دیا تھا۔ کیا سُنا تھا۔ کیا کہا تھا۔ اُس سے کیا کہا گیا تھا۔ اور یہ بھی نہ یاد رہیگا۔ کہ کس نے اُسپر احسان کیا تھا اور کس نے بُرائی کی۔ کس چیز نے نفع پہنچایا تھا اور کس چیز نے نقصان۔

پھر اگر وہ کسی راہ میں بیشمار مرتبہ بھی چلتا تو بھی وہ راہ اُسے یاد نہ رہتی (کیونکہ اُسکے دماغ میں حافظہ ہی نہیں ہے) وہ اگر پڑھتا کسی علم کو تو تمام عمر یاد نہ کرسکتا۔ اور نہ کسی دین اور مذہب پر اپنا اعتقاد جما سکتا۔ نہ کسی تجربہ سے فائدہ اُٹھا سکتا۔ اور نہ کسی گزشتہ چیز پر کسی موجود چیز کو قیاس کرسکتا۔ (کیونکہ اُسے یاد ہی نہیں کہ میں نے پہلے کیا دیکھا تھا) بلکہ وہ تو اس قابل ہوتا کہ انسانیت سے بالکل باہر سمجھا جائے۔

تو اے مفضل دیکھو کہ یہ قوے آدمی کے لئے کیسی بڑی نعمت ہیں۔ سب کو چھوڑ کر صرف ایک ہی کو دیکھو تو اُسکا کیا حال اور کیا مرتبہ ہے (کہ اگر یہ ایک حافظہ آدمی میں نہو تو سینکڑوں خرابیاں اُسکے کام میں پڑیں۔ اور آخر زندگی سے تنگ آجائے)

حافظہ سے بڑھکر آدمی کو جو نعمت ملی ہے وہ تو نسیان (بھول) ہے اگر نسیان نہوتا تو آدمی کسی مصیبت میں تسلی ہی نہیں پا سکتا تھا اور نہ کبھی اُسکی حسرت تمام ہوسکتی تھی۔ اور نہ کبھی اُسکے دل سے کینہ نکل سکتا تھا (یہی نسیان تو ہے کہ جب انسان کو عارض ہوتا ہے تو وہ اپنی مصیبت

گذشتہ کو بھول جاتا ہے کسی شے کی حسرت کو بھول جاتا ہے۔ کینہ کو بھول جاتا ہے اور میل جول پیدا کر لیتا ہے) اور نہ اشیائے دُنیا میں سے کسی چیز سے فائدہ اور ذائقہ اٹھا سکتا جبکہ اُسکو اپنی مصیبتیں یاد آتی رہتیں۔ نہ اُسکو بادشاہ کی غفلت اور اپنے حاسد کے حسد سے سست پڑ جانے کی امید رہتی (اُسے ہر وقت خیال رہتا کہ میں نے بادشاہ کا فلاں گناہ کیا ہے اُسے یاد تو ضرور ہی ہوگا۔ اب وہ مواخذہ کریگا اور اب مواخذہ کریگا۔ اس خیال میں اُسکی زندگی تلخ ہو جاتی۔ علیٰ ہذا القیاس حاسد کے حسد کے خیال سے جو اُسکو تکلیف پہنچتی رہتی وہ بھی اُسکو تلخ عیش کرتی رہتی)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدمی میں یہ دونوں قوتیں حافظہ اور نسیان کیسی متضاد پیدا کی گئی ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے ایک خاص مصلحت قرار دی گئی ہے (کیا بغیر کسی حکیم کے فعل کے ایسی حکمتیں ظہور میں آسکتی ہیں)

اور جو لوگ کہ تمام اشیائے عالم کے دو متضاد خالق مانتے ہیں (جیسے مانویہ) بالکل امید نہیں کہ وہ ان دو متضاد چیزوں کا خالق بھی انہیں دو متضاد خالق کو مانیں۔ کیونکہ ان دونوں متضاد قوتوں میں وہ مصلحتیں ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو (حالانکہ اُن کے نزدیک شر کے خالق سے سوائے شرارت اور بدی کے کچھ پیدا نہیں ہو سکتا اور یہاں دونوں متضاد قوتوں میں نفع ہی نفع ہے تو کیونکہ شر والا خالق اُنمیں سے کسی ایک کو پیدا کر سکتا)

مفضل! غور کرو اُس صفت پر جو خاص آدمی ہی کو دی گئی ہے اور اُسکے ساتھ کوئی اور اُن تمام مخلوق حیوانات میں سے اُسکا شریک نہیں ہے وہ کیا ہے وہ شرم ہے اگر یہ نہوتی تو کبھی کوئی شخص مہمان کی مہمانداری نکرتا۔ کوئی شخص اپنا وعدہ نہ پورا کرتا۔ اور نہ کسی کی ضرورت پوری ہوتی۔ اور نہ نیکی حاصل کیجاتی۔ اور نہ بدی سے پرہیز کیا جاتا۔ یہانتک کہ ایسے بہت سے امور واجبہ ہیں جو صرف حیا و شرم کی وجہ سے بجا لائے جاتے ہیں۔ کیونکہ جس نے حیا چھوڑ دی وہ نہ تو والدین کے حق کی رعایت کرتا ہے۔ نہ قرابت داروں سے صلہ رحمی کرتا ہے نہ امانت ادا کرتا ہے اور نہ کسی فحش بات سے اجتناب کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیونکر آدمی میں تمام باتیں پورے طور پر جمع کر دی گئیں جنمیں اُسکی بھلائی اور اُسکے کام کا پورا ہوتا ہے۔

مفضل! غور کرو اِس نعمت نطق (گویائی) پر جو اللہ تعالیٰ تقدست اسمائہ نے اسے دی

جس سے یہ اپنے باطنی خیال اور دلی بات کو ظاہر کرتا ہے اور جب اُسکی فکر پیدا کرتی ہے۔ اور اُسی سے
دوسروں کی دلی بات کو بھی سمجھتا ہے۔ اگر یہ صفت نہوتی تو یہ مثل چوپاؤں کے ہوتا جو نہ اپنے دل
کی بات بیان کر سکتے ہیں اور نہ بیان کرنے والے کی بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس تحریر کی صفت ہے جس سے گذشتہ لوگوں کے حالات موجود لوگوں کے لئے
اور موجودین کے حالات آیندہ والوں کے لئے قید قلم میں لائے جاتے ہیں۔ اور اُسی کے ذریعہ
سے علوم و آداب وغیرہ کی کتابیں ہمیشہ باقی رہتی ہیں اور اُسی کے ذریعہ سے اُن گفتگوؤں اور حساب
وغیرہ کو یاد رکھتا ہے جو اُسکے اور کسی غیر کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔ اگر یہ صفت نہوتی تو ایک
زمانہ کی چیزیں دوسرے زمانہ سے بالکل منقطع ہو جاتیں اور نیز اُن لوگوں کی خبریں بھی نہ ملتیں
جو اپنے اپنے وطنوں سے جدا ہیں اور علوم بھی معدوم ہو جاتے۔ آداب اخلاق کی باتیں بھی
تلف ہو جاتیں۔ اور بہت ہی بڑا خلل لوگوں کے کاموں اور معاملات میں اور نیز اُن دینی
چیزوں اور روایات میں خلل واقع ہوتا جنہیں دیکھنے کی اُنہیں ضرورت ہے اور جنکا نہ جاننا اُن کو
ممکن ہی نہیں رہا بلکہ لازم ہے کہ اُنہیں دیکھیں ۔

شاید تم یہ خیال کرو کہ انسان نے اس ضرورت کو اپنی تدبیر اور فہم و ذکاوت سے حاصل کیا ہے
انسان کی طبیعت و فطرت میں یہ قوت پیدا نہیں کی گئی ہے اور علیٰ ہذا القیاس گفتگو اور کلام سے
کیونکہ یہ بھی اصطلاحی اور قرار دادی چیز ہے جسے لوگ آپسمیں ٹھیرا لیتے ہیں اور اُسی کے مطابق
آپسمیں بات چیت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے مختلف فرقوں میں مختلف زبانیں ہیں اور اسیطرح
تحریریں جیسے عربی تحریر اور سریانی اور عبرانی اور رومی وغیرہ جو ان تمام فرقوں میں مختلف ہیں اُسکی
ایک اصطلاح قرار دے لی ہے جیسے کلام اور الفاظ کی اصطلاح۔

پس جو شخص اسکا دعوے کرے کہ اسمیں خدا نے کیا کیا یہ تو آدمی نے خود بنالی ہے تو اُسکو
یہ جواب دیا جائیگا کہ اگرچہ ان دونوں امروں میں انسان کی تدبیر اور فعل کو دخل ہے لیکن جس چیز
کے سبب سے وہ اس تدبیر اور اس فعل تک پہنچا وہ بیشک ایک عطیہ ہے اور خدا تعالیٰ عزوجل
کی بخشش ہے جو اسکی ساخت کے اندر قرار دی ہے (مثلاً عقل یا زبان جس کے ذریعہ سے
ان اصطلاحات کے قایم کرنے کی اُسے قدرت حاصل ہوئی ہے) پس اگر اُسکو زبان دیگئی ہوتی

جس سے وہ گفتگو کرے اور ذہن نہ ملا ہوتا جس سے وہ کاموں کی راہ پا سکے تو وہ ہرگز بول نہ سکتا اور اگر اسکو ہتھیلی اور انگلیاں نہ دی گئی ہوتیں تو لکھنا کبھی اس سے ممکن نہ ہوتا

اس بات کی عبرت بہایم سے حاصل کرو جنکو نہ کلام کی طاقت ہے نہ تحریر کی کیونکہ انہیں نہ وہ ذہن ہے اور نہ وہ آلات تحریر و کتابت ہیں) پس (معلوم ہوا) دراصل یہ باریتعالی و تقدس کا قانون فطرت ہے جسپر اسے پیدا کیا ہے۔ اور خلق پر اسکا ایک تفضل ہے۔ جو کوئی اسکا شکریہ ادا کرے گا اسے ثواب ملیگا اور جو اس نعمت کا کفران کرے گا تو کچھ پروا نہیں کیونکہ اللہ تعالی تمام جہان سے مستغنی ہے (اسے کسی کے شکر کی ضرورت نہیں)

مفضل! غور کرو ان چیزوں میں جنکا علم آدمی کو دیا گیا اور جسکا علم نہیں دیا گیا۔ ان تمام چیزوں کا اسے علم دیا گیا جنمیں اس کے دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔ خالق تبارک تعالی کی معرفت ہے جو دلیلوں اور ان شہادتوں کے ذریعے سے حاصل کیجائے جو اسکے مخلوقات کے اندر موجود ہیں اور ان امور کی معرفت ہے جو اسپر واجب ہیں مثلاً تمام آدمیوں کے ساتھ انصاف کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنی۔ امانت کا ادا کرنا۔ محتاجوں کی غمخواری کرنی وغیرہ وغیرہ جنکی معرفت اور جن کا اقرار فطرة اور قدرتاً تمام امتوں میں ہے۔ خواہ وہ ہمارے موافق ہوں یا مخالف علی ہذا القیاس اسے ان چیزوں کا علم دیا گیا جنمیں اسکی دنیا کی بھلائی ہے جیسے زراعت۔ باغبانی۔ زمینوں کا آباد کرنا۔ بھیڑوں اور چوپاؤں کا جمع کرنا پانی کا کوؤں یا چشموں سے نکال لینا۔ جڑی بوٹیوں کی شناخت جن سے بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ معدن کی پہچان جن سے قسم قسم کے جواہر نکالے جاتے ہیں کشتی پر سوار ہونے۔ دریا میں غوطہ خوری اور وحش و طیور اور مچھلیوں کے شکار کرنے کی انواع و اقسام کی تدبیریں۔ صناعت و حرفت کرنے۔ اور تجارت و کسب معاش کے طریقوں کی معرفت اور ان کے علاوہ بہت سی اور چیزیں ہیں جنکے بیان میں طول ہے۔ اور جنکی تعداد بہت زیادہ ہے جنمیں انسان کی دنیاوی زندگی کے کاموں کی درستی ہے۔ تو اسے ان چیزوں کا علم دیا گیا جس میں اسکی دینی اور دنیاوی بہتری ہو علاوہ اسکے اور جو باتیں ہیں جنکا جاننا اسکی طاقت سے باہر ہے اور نہ اسکی حالت اسکی مقتضی ہے۔ انکا علم اسے نہیں دیا گیا۔ مثلاً علم غیب اور جو باتیں آئندہ ہونے والی ہیں۔ یا بعض وہ چیزیں جو پہلے ہو چکیں جیسے آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کی چیزوں کا

انسان کا علم

جاننا اور جو دریاؤں کے اندر ہے اور عالم کے چاروں طرف ہے یا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے۔ یا
جو رحم کے اندر ہے وغیرہ ذالک انکا علم آدمیوں کو نہیں دیا گیا اور جن لوگوں نے ان کے جاننے کا
دعویٰ کیا انکے دعووں کو ان باتوں نے باطل کر دیا جو برخلاف اُن کے بیان کے ظاہر ہوئیں
(اور جس کے جاننے کا انہوں نے دعویٰ کیا تھا اُسکے مخالف نمایاں ہوئیں)

تو دیکھو اے مفضل) کہ انسان کو کس طرح تمام اُن چیزوں کا علم عطا ہوا ہوا ہے جو اُسکے لیے
اُسکے دنیاوی اور دینی امور میں ضروری ہیں۔ اور اُسکے ناروا چیزوں کے جاننے سے روک دیا گیا
تاکہ اُسکی قدر اور اُسکا نقصان معلوم ہو جائے (یعنی تاکہ معلوم ہو جائے کہ آدمی در اصل ایک
بے حقیقت چیز ہے اسمیں بہت کچھ نقصان اور کمی ہے جس سے اُسکو غرور و نخوت نہ پیدا ہونے
پائے) اور ان دونوں باتوں میں اُسکی بہتری ہے (اگر ان امور غیبیہ وغیرہ کا بھی اُسکو علم
دیا جاتا تو انسان کا غرور حد سے زیادہ ہو جاتا جبکہ تھوڑے سے علم پر آدمے پھولے نہیں سماتا
تو جبکہ تمام معلومات غائب و حاضر اُسکے پیش نظر ہو جاتے تو اپنے تئیں خدا ہی کہنے لگتا لہذا
ان چیزوں کی معرفت سے محروم رکھا گیا تاکہ جانے کہ میں ایک انسان ناقص ہوں مجھ سے
بھی کوئی بڑھکر موجود ہے۔ جسے انکا بھی علم ہے اور وہ باری تعالیٰ عز اسمہ ہے)

اب اے مفضل ذرا غور کرو کہ انسان کو اُسکی مدت حیات کا علم کیوں نہیں دیا گیا
وہ اس وجہ سے کہ اگر آدمی اپنی مدت زندگی کو جان لیتا اور بالفرض اُسکی زندگی بھی تھوڑی
ہوتی۔ تو زندگی نہایت تلخ ہو جاتی۔ کیونکہ اب وہ اس جان لینے کی وجہ سے موت کا منتظر
اور اُس وقت کا متوقع رہتا۔ بلکہ وہ اُس شخص کے مانند ہو جاتا کہ جسکا تمام مال برباد ہو گیا ہو
یا قریب بربادی کے ہو اور وہ اپنی مفلسی اور فقیری کو محسوس کر رہا ہو تو اُسکو اپنے مال کے
فنا ہونے اور اپنے فقر کا کیسا ڈر ہوگا۔ بلکہ وہ غم واندوہ جو اُسے اپنی زندگی کے فنا ہونے کی
طرف سے پیدا ہوگا وہ اس خوف سے کہیں زیادہ ہوگا جو اُسے اپنے مال کے خیال میں ہوگا۔
کیونکہ جس شخص کا مال تلف ہو جائے اُسے تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اُسکے عوض اور مل جائیگا
اور اُس سے اُسکے دل کو تسکین ہو جائیگی بخلاف اسکے جسے اپنی زندگی کے فنا ہونے کا یقین
ہو جائے تو اُسکی ناامیدی قوی ہو جائیگی۔ اور اگر اُسکی عمر زیادہ ہوتی اور اُسے معلوم ہو جاتا

کہ میں زیادہ مدت تک جیونگا تو اُسے اپنی بقا پر بھروسا ہو جاتا اور دُنیا کی لذتوں اور معصیتوں میں ہمہ تن مشغول ہو جاتا اور اس خیال سے گناہ کرتا کہ آج تو اپنی شہوت پوری کر لو پھر آخر میں توبہ کر لیں گے۔ حالانکہ یہ وہ بات ہی جسے پروردگار عالم اپنے بندوں سے نہیں چاہتا اور نہ اُسے پسند کرتا ہی۔ (بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہی کہ بندہ ہمہ وقت میری ہی طرف متوجہ رہے ملاہی و بدعت میں بالکل نہ مصروف ہو)

دیکھو اگر تمہارا کوئی غلام کسی کام کو اس خیال سے کرے کہ سال بھر تو تم کو ناراض رکھے اور ایک دن یا ایک گھنٹا تمکو راضی رکھے تو ہرگز تم اُسکی یہ بات پسند نکروگے۔ اور تمہارا یہ غلام نیک اور صالح غلام کے رتبہ پر (تمہارے نزدیک) نہوگا۔ بخلاف اسکے اگر وہ ہر وقت اور ہر حالت میں تمہاری اطاعت اور خلوص ہی دل میں رکھے (تو وہ ضرور تمہیں بہت زیادہ محبوب ہوگا)

اسپر اگر تم یہ اعتراض کرو کہ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک مدت تک آدمی نافرمانی کرتا ہی۔ پھر جب توبہ کرتا ہی تو اُسکی توبہ قبول ہو جاتی ہی؟ تو ہم اُسکا یہ جواب دینگے کہ یہ اُسی صورت میں ہوتا ہے کہ جب انسان کی خواہش نفسانی غالب آجائے اور اُسکی مخالفت نہ کر سکے اور دل میں یہ نہ ٹھان لے (کہ ہم مخالفت ہی کئے جائیں گے) اور اُسی پر موقوف رکھے (کہ آج چین کر لو کل توبہ کر لیں گے) تو اللہ تعالیٰ اُس سے درگذر کرتا ہی اور اپنے تفضل سے اُسکو معاف کرتا ہے۔ لیکن جو کوئی یہ ٹھان لے کہ جب تک اُسکے دل میں ہی خدا کی معصیت کریگا اور پھر آخر عمر میں توبہ کر لیگا۔ تو اس صورت میں صرف وہ دھوکا دینا چاہتا ہے ایسے شخص کو جو اُسکے دھوکے میں نہیں آسکتا۔ کہ اس وقت تو نقد انقد لذت اٹھائے اور اپنے تئیں آئندہ توبہ کا امیدوار اور موعود بنائے۔ اور نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے وعدے کو پورا نکر سکے گا۔ کیونکہ نازپروری اور لذات سے باز آنا اور توبہ کی زحمت اٹھانی خصوصًا بڑھاپے اور بدن کی کمزوری کے زمانہ میں نہایت دشوار امر ہے۔ اور جو شخص توبہ میں حیلہ حوالہ کرتا ہے اُسپر اس امر کا بھی امن نہیں ہی کہ دفعتہً موت اُسے ہلاک کردے اور وہ بے توبہ دنیا سے چلا جائے مثلاً کسی شخص پر قرض ہو اور وہ اُسکے ادا کر دینے پر قادر بھی ہو باوجود اسکے ادائے قرض میں حیلہ حوالہ کرتا رہی یہانتک کہ موت آجائے اور مال بھی فنا ہو جائے تو وہ قرض اُسکے اوپر قایم رہیگا۔ لہٰذا۔ انسان کے لئے بہتری اسی میں تھی کہ اُسکی مقدار عمر کا علم اُس سے مخفی رکھا جائے تا کہ وہ

اپنی تمام عمر موت کا منتظر رہے اور اس ڈر سے گناہوں کو ترک کرے اور نیک عمل اختیار کرے۔
اب اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اسوقت بھی جبکہ اسکی مدت عمر کا حال اُسے نہیں معلوم اور وہ ہر وقت موت کا ترقب رکھتا ہی بدکاریوں کا مرتکب ہوتا ہی اور حرام کام کرلیتا ہی۔ تو ہم اسکا یہ جواب دینگے۔ کہ اس معاملہ میں تدبیر تو ایسی ہی کی گئی ہی جسپر یہ کام جاری ہی۔ اب اگر باوجود اسکے کوئی شخص نہ باز آوے اور بدیوں سے نہ پرہیز کرے تو یہ اُسکی بداعتدالی مزاج اور فسادت قلبی ہے۔ اس میں اصل تدبیر کی کوئی غلطی نہیں ہی۔ جیسا کہ طبیب اُن چیزوں کو مریض سے بیان کردیتا ہے جس سے اُسے نفع پہنچے۔ پھر اگر مریض اُسکی بات نہ مانے اُسکے حکم پر نہ چلے اُسکے منع کئے ہوئے امور سے باز نہ رہے تو کبھی طبیب کی بتائی ہوئی باتوں سے فائدہ نہ اٹھائیگا اور اسمیں طبیب کی کوئی برائی نہیں ہی بلکہ اسی بیمار کی برائی ہے۔ کیونکہ اُس نے طبیب کا کہنا نہ مانا۔
اور اگرچہ انسان باوجود امید موت کے جو اُسے عدم علم زمانہ موت کی حالت میں ہر وقت حاصل ہے گناہوں سے باز نہیں رہتا لیکن اگر اُسے اپنے بقاء طول حیات پر پورا بھروسا ہوجائے تو پھر وہ نہایت ہی بدا ور زناگوار گناہان کبیرہ کرنے لگیگا اور موت کا انتظار اور خیال اُسکے لئے ہر حال میں بہ نسبت اپنی طول حیات و بقا پر بھروسا کرنے کے بہتر ہے۔ (کہ اُس سے کچھ تو اُسکے دل میں ڈر رہیگا کچھ تو خدا کا خیال کریگا جس سے وہ گناہان سخت سے بچ سکیگا) اور اگر ایسا ہی کہ ایک قسم کے آدمی باوجود ترقب موت کے اُس سے غافل ہیں اور اُس سے نصیحت نہیں حاصل کرتے تو دوسرا گروہ ایسا بھی ہی جو اُس سے نصیحت حاصل کرتا ہی اور معصیت سے باز رہتا ہی اور عمل صالح بجا لاتا ہی اور محتاجوں اور فقیروں کو صدقہ دینے کیلئے اپنے مال اور نفیس اشیاء میں بخشش سے کام لیتا ہی تو ہرگز انصاف نہیں تھا کہ یہ لوگ اس بات سے فائدہ اٹھانے سے محروم کئے جاتے (اور وہ لوگ اسمیں سے حصہ نہ لیتے)۔ (یعنی ایک کے نہ فائدہ اٹھانے سے دوسرا اُس فائدہ سے کیوں محروم کیا جاتا) لہذا حال موت مخفی کیا گیا کہ جس شخص سے بھی ہوسکے اُس سے فایدہ اٹھالے اور جو نہ فائدہ اٹھائے وہ اُسکی بدنصیبی۔
مفضل غور کرو خوابوں میں (رات کے وقت آدمی جو خواب دیکھتا ہی) اسمیں کیا حکمت و مصلحت صرف کیگئی۔ اور سچے خواب کو جھوٹے میں مخلوط کردیا ہے۔ پس اگر سب کے سب خواب سچے ہوتے تو تمام آدمی انبیا ہی ہوجاتے (پھر وہ حکمت جو اصل خلقت انسان میں ہی فوت ہوجاتی یعنی

معاملہ امتحان) اگر تمام خواب جھوٹے ہی ہوتے تو اُنمیں کچھ فایدہ نہ تھا - بلکہ بالکل بیکار ہی
ہوتے لہذا کبھی تو خواب سچے ہوتے ہیں تاکہ آدمی اُس سے اپنی اُس مصلحت کا [illegible] فایدہ
اٹھائے جسکی اُسے ہدایت ملی ہے یا جس نقصان کا اُسے حال معلوم ہوا ہے اُس [illegible] بچے
اور اکثر جھوٹے ہوتے ہیں تاکہ آدمی انہیں پر پورا بھروسہ نہ کرلے (کہ ہم خواب دیکھینگے
اُنھی کے مطابق عمل کرینگے - اگر ایسا ہوتا تو پھر خدا تعالے کی طرف رجوع کرنے اور بھلائی
برائی میں اُس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ معلوم ہوتی)

غور کرو اے مفضل) اُن چیزوں میں جنہیں تم عالم میں موجود دیکھ رہے ہو اور جو اسلیے
مہیا کی گئی ہیں کہ آدمیوں کو اُسکی ضرورت ہے -

مٹی تو مکان بنانے کے لئے اور لوہا دستکاری کے لئے - لکڑی کشتی وغیرہ بنانے
کے واسطے - پتھر چکیاں وغیرہ بنانے کیواسطے - تانبا برتنوں کے واسطے سونا - چاندی
معاملات کیلئے (لین دین) جواہرات ذخیرہ کرنے کیواسطے - دانے - غذا کے واسطے
پھل - نقل کے واسطے گوشت کھانے کیلئے خوشبودار چیزیں لذت حاصل کرنے کے
واسطے - دوائیں بیماروں کو صحیح کرنے کیلئے - چوپائے باربرداری کی غرض سے -
سوکھی لکڑیاں آگ جلانے کیواسطے - راکھ چونا بنانے کیلئے - ریت زمین کے فایدہ کے
لئے اور کوئی کسقدر ایسی چیزوں کو شمار کرے (یعنی) ایسی ہی بیشمار چیزیں ہیں جنکا حصر نہیں ہوسکتا

تو کیا اے مفضل تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گھر میں داخل ہو اور دیکھے کہ اُسمیں
انسان کی تمام ضرورت کی چیزیں مہیا و موجود ہیں - تمام مکان ہی اس خزانے سے بھرا پڑا ہے
اور دیکھے کہ ہر ایک چیز ایک خاص سبب سے رکھی ہوئی ہے - تو کیا وہ یہ خیال کرے گا کہ اُس کا
رکھنے والا کوئی نہیں - سب ہی آپ رکھی گئی ہیں - کیونکر کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تجویز
کرسکتا ہے کہ یہ عالم اور جو کچھ اسکے اندر ہے آپ ہی آپ ہوگیا ہے (اور کوئی اُنکا خالق نہیں)

اے مفضل اُن چیزوں سے عبرت حاصل کرو جو انسان کی ضرورتوں کے لئے بنائی گئی
ہیں اور اُنمیں کیا حکمت ہے - تو دیکھو تو اُسکی خوراک کیواسطے دانہ پیدا کیا گیا اور اُسکے پیسنے
اور گوندھنے اور روٹی پکانے کی تکلیف دی گئی - اُون اُسکے لئے پیدا کیا گیا اور اُسے اُسکے

دھنکنے۔ اُسکو کاتنے۔ اُسے بُننے کی تکلیف دی گئی۔ درخت اُسکے لئے پیدا کیا گیا۔ اور اُسکا بونا اُسکا سینچنا۔ اُسکی نگہداشت اُسکے متعلق کی گئی۔ جڑی بوٹیاں اُسکی دوا کیلئے نبائی گئیں اور اُسکے حاصل کرنے۔ اُسکو باہم ملانے۔ اُسکو نبانے کی تکلیف اُسے دیگئی اور علیٰ ہذا القیاس تم تمام چیزوں کو اسی طرح پاؤ گے۔ تو دیکھو کہ اُنکے نبانے والے نے کیونکر ان چیزوں کو بنا کر انسان کی مدد کی جنمیں بالکل اُسکی تدبیر کارگر نہو سکتی تھی۔ اور اُنمیں عمل و تصرف کرنیکی ضرورت اور محل کو اُسی پر چھوڑا کیونکہ اُسکی بہتری اسی میں تھی۔ اسلئے کہ اگر وہ (خدا تعالیٰ) ان کاموں کو بھی کر دیتا (جو انسان کے متعلق ہیں مثلاً دانے کا پیسنا۔ اُسکا صاف کرنا اُسے گوندھنا اور پھر روٹی پکانا) اور اُسکے لئے ان چیزوں میں تصرف و عمل کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ تو وہ اترا ہٹ اور نخوت سے زمین پر پنجوں کے بل چلنے لگتا اور زمین اُسے اُٹھا نہ سکتی (یعنی حد کی نخوت اُسکے مزاج میں پیدا ہو جاتی) اور یہ بات اُسے اس حد تک پہنچا دیتی کہ وہ ایسے کام کرنے لگتا جسمیں اُسکی تباہی اور ہلاکت ہوتی۔

نیز اگر انسان کے تمام ضروریات بے عمل دست موجود کر دیتا تو انکی زندگی کچھ خوش مزہ نہوتی۔ اور نہ اُس چیز کی کچھ لذت انکو ملتی (کیونکہ وہ بے مشقت حاصل ہوئی ہے اور جو چیز بے مشقت ملتی ہے اُسکے ملنے کی نہ انسان کو کچھ قدر ہوتی ہے اور نہ اُس سے اُسکی روح کو کچھ فرحت حاصل ہوتی۔ ہاں اگر مشقت اور محنت کے بعد حاصل ہو تو اُسکے ملنے سے دل کو کیفیت آتی ہے اور وہ اُس سے خوش ہوتا ہے جبکہ اپنی کوشش کا نتیجہ سامنے دیکھ لیتا ہے)

کیا تم (اے مفضل) نہیں دیکھتے کہ جو شخص کہیں مہمان کے طور پر جاتا ہے اور وہاں ایک زمانہ تک قیام کرتا ہے اور اُسکے تمام ضروریات میزبان کی طرف سے برابر ملتے رہتے ہیں نہ اُسے کھانیکی خبر مہیا کرنی پڑتی ہیں نہ پینے کی نہ سونے بیٹھنے کی۔ تو آخر وہ اس خالی (بیکار) رہنے اور معطل بیٹھنے سے اکتا جاتا ہے اور اپنے لئے کوئی مشغلہ ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ تو کیا حال ہوتا جبکہ تمام عمر اُسے کوئی کام ہی نہ کرنا پڑتا۔ (یعنی روٹی پکائی ملجاتی۔ کپڑے سئے سلائے آجاتے۔ درخت بے باغبانی کئے ہوئے پھل اپنے دیدیتے اور اُسکے مُنہ تک پہنچا دیتے) تو انسان کے لئے یہی مصلحت ٹھہری کہ اُسکے

یہ کہ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو انسان اپنے سے پیدا نہیں کر سکتا تھا جو ضرورت کیتیّت کہا ہے [illegible] السلام [illegible] نے اُن چیزوں کو پہلے سے [illegible]

لیے اُن کاموں میں ہاتھ لگانے کی ضرورت باقی رکھی گئی تاکہ معطل اور بیکار بیٹھنا اُسکو اکتا نہ دے اور اُن کاموں کے کرنے سے روکے جنہیں وہ حاصل نہیں کرسکتا اور اگر پا بھی جاوے تو اُسمیں اُسکے لیے کوئی بھلائی نہو۔ (مثلاً بعض آدمی جنکے پاس دولت ہوتی ہے اور وہ بیکار رہتے ہیں تو انکو یہ دھن سماتا ہے کہ کیمیا بنانی چاہیئے۔ اِس فکر میں ہزاروں روپیہ برباد کرتے ہیں گھر کا اثاثہ ضایع کرتے ہیں مگر نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ کیوں ہوا اسی وجہ سے تو کہ وہ بیکار بیٹھے تھے طبیعت تو چاہتی ہے کہ کوئی شغل اُسکے لیے ہونا چاہیئے لہذا اُدھر متوجہ ہوئی اور جب اُدھر متوجہ ہوئی تو مال و زر ضایع ہوا خاک ہاتھ نہ آیا اور اگر کسی کو لاکھ دو لاکھ میں کچھ معلوم بھی ہو گیا تو اُسکو فائدہ نہیں ہوتا۔ تجربہ اسپر شاہد ہے۔ پس حکیم علی الاطلاق اور مدبر عالم نے قدرت کی طرف سے اُسکے لیے پہلے ہی سے مشغلے پیدا کر دئے ہیں جنہیں مصروف رہے اور فضول کاموں میں ہاتھ نہ ڈالے جن سے اُسکو نقصان پہنچے)

جانو اے مفضل! کہ انسان کی اصل معاش و زندگی روٹی اور پانی ہے۔ تو دیکھو کہ اِنہیں کیا کیا تدبیریں صرف کی گئی ہیں۔

آدمی کو پانی کی ضرورت روٹی کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور یہ اِس سبب سے ہے کہ انسان بھوک پر بہ نسبت پیاس کے زیادہ صبر کرسکتا ہے۔ اور جسقدر روٹی کا محتاج ہے اُس سے زیادہ پانی کا محتاج ہے۔ کیونکہ اُسے پانی کی ضرورت پینے کے لیے پڑتی ہے۔ وضو میں اُسکی ضرورت ہوتی ہے۔ کپڑا دھونے میں اُسکی ضرورت ہوتی ہے۔ چوپاؤں کو پلانے میں اُسکی ضرورت ہوتی ہے زراعت کے سینچنے میں یہ درکار ہے لہذا پانی تو ایسا عام بنایا گیا جسکے خریدنے کی ضرورت نہو تاکہ انسان کو اُسکی تلاش میں مشقت نہ اُٹھانی پڑے۔ اور روٹی ایسی بنائی گئی کہ اُسکی تحصیل دشوار ہو اور بے تدبیر کے ہاتھ نہ آسکے تاکہ انسان کا یہ شغل برقرار رہے اور اُسے تبختر و نخوت کا موقع نہ دے اور فضول کاموں سے روکے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک بچہ جبکہ وہ بالکل صغیر السن ہوتا ہے معلم کے پاس تعلیم کیلیے بھیجدیا جاتا ہے۔ صرف اسلیے کہ کھیل کود میں مصروف نہونے پائے۔ کہیں ایسا نہو کہ اُسکو یا اُسکے عزیزوں کو اُس سے کوئی تکلیف اٹھانی پڑے علی ہذا القیاس اگر انسان بالکل شغل سے خالی ہوتا تو ناز و تبختر اور فضول بیکاری اور نخوت سے ایسے کام کرگذرتا

جسکا نقصان اُسے بہت سخت پہنچا۔

اسکو یوں سمجھو کہ مثلاً جو شخص بالکل آرام و آسایش اور اپنے اقربا کی تونگری اور خوش عیشی اور ناز و نعم وغیرہ میں پلا ہو وہ ان امور میں پڑ جاتا ہے۔

سمجھو کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کیوں مشابہ نہیں ہوتا جیسا کہ وحوش و طیور وغیرہ صورت میں ایک سے ہوتے ہیں۔ تم ہرنوں اور چکوروں کا ایک گلہ اور جھنڈ دیکھتے ہو جسمیں کا ہر ایک دوسرے سے مشابہ معلوم ہوتا ہوگا اور کوئی فرق انہیں باہم محسوس نہوتا ہوگا۔ اور آدمیوں کو دیکھتے ہو کہ سب کی صورتیں اور ساخت جُدا جُدا ہیں۔ یہانتک کہ دو آدمی ایک صفت کے کم دکھائی دینگے۔

سبب اسمیں یہ ہے کہ انکو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر ایک اپنی صورتوں اور حلیوں سے پہچانا جائے۔ کیونکہ انہیں باہم معاملات ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ معاملات بہایم وغیرہ میں نہیں ہوتے۔ تا کہ ایک کو دوسرے کے شخصی طور پر پہچاننے کی ضرورت ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وحوش و طیور کا باہم متشابہ ہونا انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ مگر انسان ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اتفاقاً اگر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ توام پیدا ہوئے دو بچے ایک دوسرے سے مشابہ ہوں تو لوگوں کو اُن سے معاملات میں سخت مشکل اور دشواری پیش آتی ہے اور جو ایک کو دینا چاہیئے وہ دھوکے سے دوسرے کو دیا جاتا ہے اور ایک کے بدلے مواخذہ میں دوسرا پکڑا جاتا ہے اور ایسا ہی کبھی اور چیزوں میں بھی بسبب مشابہت کے پیدا ہو جاتا ہے (مثلاً عطار کو دوائیں بیج بادیان دینی ہے اور دھوکے میں وہ بیج کنیر دیدیتا ہے یا تجار کی گولی دینی ہے اور وہ بسبب مشابہت کے جمال گوٹے کی گولیاں دیدیتا ہے جس سے مریض کو سخت نقصان پہنچتا ہے) چہ جائیکہ صورت کا تشابہ (یہ تو اور بھی نقصان رساں ثابت ہوتا) تو کس نے اپنے بندوں کے لئے ایسی باریکیاں اور لطایف پیدا کئے۔ جنکا خطور بھی دل میں ہونا دشوار ہے۔ کہ اُس کی خوبی پر مطلع ہو۔ ہاں یہ اُسی نے پیدا کئے جسکی رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے (فتبارک اللہ احسن الخالقین) کیا طبیعت اور نیچر میں بھی یہ طاقت ہے کہ ایسے ایسے لطایف کو سمجھے اور پھر اُسے مناسب موقعوں اور ضرورتوں کے ساتھ حسب حال پیدا کر سکے۔ توبہ کرو۔ لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔)

ایک آدمی دوسرے آدمی کی شکل کیوں نہیں مثلاً بیٹا ہوئی

(اے مفضل) اگر تم کسی آدمی کی تصویر دیوار پر کھنچی ہوئی دیکھو اور تم سے کوئی کہے کہ یہ تصویر آپ سے آپ ظاہر ہوئی ہے۔ کسی بنانے والے نے اسے نہیں بنایا ہے تو کیا تم اس بات کو مان لوگے؟ نہیں بلکہ تم اسکی بات پر ہنسو گے۔ تو کیونکر تم ایک بیجس تصویر کی بابت یہ نہیں مانتے کہ وہ بن بنائے بنگئی اور ایک انسان جیتے جاگتے بولتے چالتے کی نسبت مانے لیتے ہو کہ وہ آپ سے آپ ہوگیا۔

ایسا کیوں ہوا کہ جانداروں کے جسم باوجودیکہ ہمیشہ غذا کھاتے رہتے ہیں برابر بڑھتے ہی نہیں رہتے بلکہ نمو کی ایک حد تک پہنچ کے ٹھہر جاتے ہیں اور اس سے آگے نہیں بڑھتے اگر اسمیں کوئی حکمت نہیں تو ایسا کیوں ہے۔

اسمیں حکیم (مطلق) کی تدبیر یہ ہے۔ کہ حیوانات کے ہر صنف کے جسموں کی مقدار ایک حد معین پر رہے۔ نہ اس سے بڑی ہو نہ چھوٹی۔ اور وہ بڑھتے رہتے ہیں جب اس حد معین پر پہنچتے ہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ حالانکہ غذا برابر جاری رہتی ہے منقطع نہیں ہوتی۔ اگر برابر بڑھتے ہی رہتے تو وہ اجسام نہایت بڑھ جاتے اور انکی مقداریں مشتبہ ہو جاتیں۔ اور کسی کی کوئی حد معروف و معلوم نہ رہتی؛

کیوں حیوانات کے بدن ایک حد پر پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں اور اس سے زیادہ نہیں بڑھتے - انسان کو تکلیف کیوں محسوس ہوتی ہے

خاصکر آدمیوں کے بدن میں ایسا کیوں ہے کہ حرکت اور مشی سے اُنمیں گرانی پیدا ہو جاتی ہے اور باریک صنعتوں سے بھاگتے ہیں۔ اسی وجہ سے تاکہ جن چیزوں کی اُسے ضرورت ہوتی ہے مثلاً لباس۔ خواب گاہ وغیرہ انہیں اُسے زیادہ مشقت ہو (اور پھر اُسے اپنے کام کی قدر ہو کیونکہ اگر بے تکلیف کوئی بات حاصل ہو تو اُسکی قدر نہیں ہوتی) اور نیز یہ بھی سبب ہے کہ (اگر آدمی کو کوئی تکلیف اور درد نہوا کرتا۔ تو وہ بدکاریوں سے کیوں بچتا۔ اور اللہ کے سامنے کیوں جھکتا۔ اور لوگوں پر کیوں مہربانی کرتا؟

دوسری حکمت

کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب کسی کو درد کی تکلیف ہوئی جھٹ اُس نے خدا کے سامنے خضوع وخشوع کیا۔ عاجزی کرنے لگا۔ اور اپنے پروردگار کی طرف صحت حاصل ہونے کیلئے مائل ہوا اور صدقہ دینے میں اپنے ہاتھ کھولدئے؛

تیسری حکمت

اور اگر آدمی کو مار کھانے سے تکلیف نہ محسوس ہوتی تو بادشاہ سرکشوں اور بدکاروں

کو کس طرح سے سزا دیتا۔ اور بچے علوم و صناعات کیونکر سیکھتے (چوٹ لگنے کا ڈر تو رہا ہی نہیں) اور
غلام اپنے آقاؤں کے سامنے کیونکر انکساری کرتے اور دل سے انکی اطاعت کیونکر کرتے۔

کیا اسمیں ابن ابی العوجا (دہریہ مذکور الصدر) اور اُسکے ساتھ والوں کی جو تدبیر کے
منکر ہیں اور مانویہ کی جو تکلیف اور درد کی حکمت کو مانتے ہی نہیں (یعنی کہتے ہیں کہ تکلیف جو
انسان کو پہنچتی ہے اُسمیں کوئی حکمت اور فائدہ نہیں بلکہ لغویات ہے) کچھ تنبیہ و توبیخ نہیں ہے
(ہے تو سب کچھ مگر لاعقلی اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے)

اگر حیوانات میں صرف نر ہی پیدا ہوتے مادہ نہوتی یا صرف مادہ ہی پیدا ہوتی اور نر
نہوتے تو کیا نسل نہ منقطع ہو جاتی اور اسکے ساتھ حیوانات کے تمام اجناس و اصناف فنا
نہو جاتے۔ لہذا بعض بچے تو نر پیدا ہوتے ہیں اور بعضے مادہ تاکہ ہمیشہ نسل برقرار رہے اور یکبارگی
ختم نہو جائے ؛

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مرد۔ عورت جب سن شعور و بلوغ کو پہنچتے ہیں تو مرد کے ڈاڑھی
نکلتی ہے اور عورت کے نہیں نکلتی اگر اسمیں حکمت و تدبیر نہیں تو کیا ہے؟ یہ اس سبب سے ہے
کہ چونکہ پروردگار نے مرد کو حاکم اور عورت کا منتظم و نگاہبان بنایا ہے۔ اور عورت کو اُسکی دولھن
اور کارکن۔ لہذا مرد کو ڈاڑھی عطا کی کیونکہ اسمیں عزت جلالت اور ہیبت ہے اور عورت
کو نہیں تاکہ اُسکے چہرہ کا حسن اور تازگی باقی رہے۔ جو خوش فعلی اور ہمخوابی کیلئے نہایت مناسب ہے
کیا تم نہیں دیکھتے۔ کہ حکیم عزوجل کی تدبیر سے یہ خلقت کیسی کیسی خوبیاں ظاہر کرتی ہے
جسمیں بالکل غلطی کو دخل نہیں۔ جس قدر جس چیز کی ضرورت ہے اسی قدر ... دیتی ہے۔ اور جسکی
ضرورت نہیں ہوتی نہیں دیتی۔ (مثلاً مرد کے لئے ڈاڑھی کی ضرورت تھی وہ اُسے ملی۔ عورت
کو اُسکی ضرورت نہ تھی اُسکو نہ ملی)

مفضل کہتے ہیں کہ اتنے میں زوال کا وقت آگیا۔ آقا نماز کے لئے اُٹھے اور فرمایا کہ
کل صبح کو انشاءاللہ میرے پاس آنا۔ میں وہاں سے ان معلومات کے حاصل ہونے سے
نہایت خوش خوش اور خدا کا شکر کرتا ہوا اُس نعمت پر جو اُس نے مجھے دی تھی واپس آیا۔
تمام شب نہایت خوشی میں بسر کی کہ۔ میرے آقا نے کیا کچھ مجھے عطا کیا اور کیا کیا تعلیم فرمائی ؛

دوسرا جلسہ

مفضل کہتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اذن حضوری لیا گیا اور میں داخل دولتسرا ہوا۔ آپ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں جو گردش زمانہ کا مدبر (یا اسکا گردش دینے والا۔ دور زمانہ یکے بعد دیگری لانیوالا) اور قرنہائے دہر کو ایک درجہ کے بعد دوسرا درجہ اور ایک عالم کے بعد دوسرا عالم بنا کر لانیوالا ہے تاکہ بدکاروں کو انکی برائیوں کا بدلہ دے اور نیکو کاروں کو انکی نیکیوں کا۔ اسلئے کہ وہ عادل ہے تمام نام اسکے مقدس ہیں۔ اور نعمتیں اسکی بڑی ہیں۔ وہ آدمیوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا لیکن انسان خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اسپر خدا کا کلام گواہ ہے کہ جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کریگا اسکا بدلہ پائیگا اور جو ذرہ برابر بدی کریگا وہ اسکا عوض پائیگا۔ اس قسم کی اور آئتیں بھی اسکی کتاب (قرآن مجید) میں ہیں جسکے اندر تمام چیزوں کی تفصیل و توضیح موجود ہے۔ نہ جھوٹ اسکے سامنے آسکتا ہے اور اسکے پیچھے۔ وہ حکیم مطلق اور محمود کل کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے" اور اور اسی وجہ سے سید عالم محمد (مصطفےٰ) صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ (انما ھی اعمالکم ترد الیکم) یہ تمہارے اعمال تمہیں کو واپس کردئے جائیں گے (یا یہ کہ یہ سزا و جزا تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تمہیں لوٹا دیا گیا) (یعنی خدا تعالی کو کچھ ان اعمال سے فایدہ نہیں پہنچیگا بلکہ انکا فائدہ تمہیں کو قیامت میں پہنچیگا)

پھر امام علیہ السلام نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور ارشاد کیا۔ اے مفضل! یہ خلق حیران و سرگردان ہے۔ اندھی ہے۔ متوالی ہے۔ اپنی سرکشی کے اندر چلتی ہے۔ اپنے شیطانوں اور بھتنیوں کی پیروی کرتی ہے۔ آنکھ والے تو ہیں مگر اندھے ہیں کچھ نہیں دیکھتے۔ زبان والے تو ہیں مگر گونگے ہیں کچھ نہیں سمجھتے۔ کان والے تو ہیں مگر بہرے ہیں۔ کچھ نہیں سنتے۔ پستی و حقارت میں خوش ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پا گئے۔ عاقلوں کے درجہ سے پھرے ہوئے ہیں۔ گندے نجس لوگوں کے سبزے کو چرتے ہیں۔ (یعنی جو کہ جاہل لوگ کہتے ہیں ویسی یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ خدا تعالی کا وجود نہیں عالم کی تمام چیزیں آپسے آپ پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ نیچر فاعل ہے یا طبیعت وغیرہ وغیرہ) گویا وہ ہوتا

کے ناگہاں آجانے سے امن میں ہیں اور بد لہ پانے سے بچائے ہوئے ہیں۔ افسوس کسقدر بدبخت ہیں اور انکا رنج اور انکی تکلیف کسقدر طولانی ہوگی۔ اور انکی بلا کسقدر سخت ہوگی جسدن کہ کوئی دوست کسی دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکیگا۔ اور نہ انکی بالکل مدد کیجائیگی یعنی قیامت کے دن البتہ وہ جنپر اللہ ہی رحم کرے۔

مفضل! میں یہ سنکر رونے لگا۔ آپنے فرمایا نہ رو۔ تو تو بچ گیا کیونکہ تو نے حق کو قبول کیا۔ اور نجات پاگیا اسلئے کہ تو نے معرفت حاصل کرلی۔"

پھر فرمایا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تجھے حیوانات کا حال بیان کروں تاکہ تمکو ویسا ہی حال انکا بھی معلوم ہو جیساکہ اسکے علاوہ اوروں کا حال معلوم ہوا۔

غور کرو حیوان کے بدن کی بناوٹ اور اس ہیئت و انداز میں جسپر وہ بنائے گئے ہیں نہ وہ پتھر کے سے سخت ہیں کیونکہ اگر ایسے ہوتے تو مڑ نہ سکتے اور کاموں میں تصرفات نہ کرسکتے اور نہ تو نرم ہی ہیں ورنہ پھر اٹھ ہی نہ سکتے اور نہ بلا سہارے مستقل بنفسہ قایم رہ سکتے۔ لہذا وہ ایسے نرم گوشت سے بنائے گئے جو دوہرے ہوسکتے اور مڑ جاسکتے ہیں اور انکے اندر سخت ہڈیاں قرار دی گئیں جنھیں پٹھے تو بچڑے ہوئے ہیں اور رگیں مضبوط باندھتے ہوئے ہیں اور ایک کو دوسرے سے ملائے ہوئے ہیں۔ ان ہڈیوں اور پٹھوں کے اوپر ایک جلد قایم کی گئی ہے جو تمام بدن کو محیط ہے۔

اسی کے مشابہ یہ تصویریں (مورتیں اور کٹ پتلیاں) ہیں جو لکڑی سے بنائی جاتی ہیں اور انہیں کپڑوں میں لپیٹتے ہیں اور ڈوروں سے باندھتے ہیں اور اسکے اوپر سے گوند کا وارنش کردیتے ہیں۔ تو لکڑی کو تو تم ہڈیاں فرض کرو اور کپڑوں کو گوشت اور ڈوروں کو پٹھے اور رگیں اور وارنش کو جلد سمجھو۔ تو اگر چلنے پھرنے والے حیوانات میں ایسا ہوسکتا ہو کہ آپسے آپ یہ چیزیں بنگئیں (یعنی رگیں پٹھے۔ گوشت ہڈیاں اور انکا باہم ارتباط اور تعلق) تو یہ بھی ممکن ہوگا کہ ان مردہ تصویروں میں بھی ایسا ہی ہوسکے (یعنی آپسے آپ وارنش پھر جاسے آپسے آپ انپر کپڑے لپٹ جائیں آپ سے آپ ڈورے بندھ جائیں) اور اگر ان مورتوں میں (پتلیوں میں) ایسا ممکن نہیں ہے تو حیوانات میں بطریق اولی ناممکن ہوگا۔

اسکے بعد اُن حیوانات کے بدنوں کو غور کرو۔ چونکہ یہ آدمی کے جسموں کی طرح گوشت ہڈی اور پٹھے سے پیدا کئے گئے ہیں لہذا انکو کان آنکھ بھی دئے گئے۔ تاکہ آدمی اپنی ضرورت انسے پوری کرسکے۔ کیونکہ اگر یہ اندھے بہرے ہوتے۔ تو انسان انسے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ اور نہ یہ اسکی کسی ضرورت میں کار آمد ہوسکتے۔

پھر یہ کہ انکو ذہن اور عقل کا مادہ نہیں دیا گیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ یہ آدمیوں کے مطیع رہیں اور جبکہ وہ انپر سخت مشقت ڈالے اور بھاری بوجھ لادے تو یہ اُس سے سرکشی نہ کریں۔

اگر یہاں پر کوئی یہ اعتراض کرے کہ انسان کے غلام بھی ہوتے ہیں اور وہ انکی اطاعت کرتے ہیں اور باوجود سخت تکلیف و مشقت کے اُن کے فرمانبردار رہتے ہیں مگر انکو عقل بھی دی گئی ہے ذہن بھی انمیں ہے (اسی طرح اگر ان حیوانات کو بھی عقل و ذہن ملتا تو کیا ہرج تھا جسطرح سے غلام اپنے آقاؤں کے مطیع اور فرمانبردار رہتے ہیں یہ بھی رہتے) تو اسکے جواب میں یہ کہا جائیگا کہ اس قسم کے آدمی (جو غلامی کی سخت مشقت اٹھانے پر بھی مطیع و منقاد ہی رہیں چون وچرا نکریں) کم ہیں۔ لیکن اکثر آدمی (جو غلام ہیں) وہ دل سے اطاعت نہیں کرتے جیسی اطاعت یہ چوپائے کرتے ہیں کہ بوجھ بھی اٹھاتے ہیں۔ چکی بھی پیستے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جن کاموں کی انسان کو ضرورت ہے۔ انہیں ان جانوروں کو کوئی بھڑکائے اور بہکائے تو کچھ فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ (یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اُن حیوانات میں کسی کے بہکانے کا کچھ اثر پیدا ہو۔ بخلاف انسان کے کہ اسمیں اسکا اثر بدیہی ہے)

پھر اگر (حیوانات میں عقل پیدا کی گئی ہوتی اور وہ تکلیف برداشت نہ کرسکنے کے سبب آدمیوں کا کام نکرتے انکی فرمانبرداری نہ رہتے اور) آدمی اُن کاموں کو (جنہیں یہ حیوانات کرتے ہیں) خود ہی کرتا تو اور کاموں سے معطل ہوجاتا کیونکہ اسے ایک اونٹ یا ایک خچر کے بدلے بہت سے آدمی درکار ہوتے (جو اُن کاموں کو کرسکتے جو ان حیوانات سے لئے جاتے ہیں) تو بھی معمولی کام تمام آدمیوں کو اپنے ہی میں صرف کر لیتے اور کوئی ایسا نہ بچتا جو پیشہ و صناعت و حرفت کرسکتا۔ علاوہ اسکے انسانوں کو ان کاموں سے سخت تعب بھی پہنچتا اور اُنکے

معاش میں مشقت اور تنگی ہوجاتی۔ !! (لہذا حیوانات کو انکے باربرداری وغیرہ کے لئے ایسا پیدا کیا کہ انہیں عقل وشعور نہ ہوتا کہ انسان کے حکم سے سرتابی نہ کرسکیں)۔

مفضل غور کرو اِن تین قسم کے حیوانات اور انکی ساخت کو کہ کیونکر بنے ہیں اور ہر ایک کے لئے اس قسم کی ساخت سے کیا بہتری اور خوبی ہے۔

(۱) انسان کے لئے چونکہ یہ مقدر کردیا گیا تھا کہ اسمیں ذہن و ذکاوت ہوگی۔ اور معماری نجاری۔ زرگری۔ جامہ دوزی وغیرہ پیشے اور حرفتیں کریگا۔ لہذا انکی ہتھیلیاں بڑی بنائی گئیں جنمیں موٹی موٹی انگلیاں ہیں تاکہ تمام چیزوں کے گرفت کرنے پر اچھی طرح قادر ہوں اور سب پیشے [illegible] جو بغیر چوڑی ہتھیلیوں اور انگلیوں کی مدد کے ہو ہی نہ سکتے تھے

(۲) گوشت خوار حیوانات کے لئے چونکہ یہ مقدر کردیا گیا تھا کہ انکی زندگی شکار کے ذریعہ سے ہوگی۔ تو انکی ہتھیلیاں لطیف۔ سمٹنے والی پنجوں اور ناخنوں دار بنائی گئیں۔ جو شکار کے تو لائق ہیں مگر صنعت وحرفت کے کام کی نہیں؛

(۳) نباتات خوار حیوانات کیلئے چونکہ یہ مقدر ومعین کردیا گیا تھا کہ نہ تو اُن کے متعلق صنعت وحرفت کا کام ہوگا اور نہ شکار کا لہذا بعض کو کھریاں دی گئیں جو انہیں زمین کی سختی سے محفوظ رکھیں جبکہ وہ چرنے کا ارادہ کریں۔ اور کسی کو گول گہرے سُم دئے گئے جیسے چوپاؤں کے ہوتے ہیں جو زمین پر برابر پڑسکیں تاکہ سواری اور باربرداری کے لئے تیار ہوسکیں۔

گوشت خوار جانوروں کی ساخت اور بناوٹ کو غور کرو کہ اُن کے تیز دانت اور سخت پنجے اور چوڑے دہانے پیدا کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے چونکہ یہ مقدر کردیا گیا تھا کہ گوشت ہی انکی غذا ہو تو اُن کی ساخت بھی اُسکے مناسب ہی بنائی گئی۔ اور انکو ایسے ہتھیاروں اور آلوں سے مدد دی گئی جو شکار کے قابل ہوں۔

علیٰ ہذا القیاس تم شکاری پرندوں کو بھی پاؤ گے کہ انکی چونچ اور انکے پنجے انکے کام کے قابل بنائے گئے ہیں۔

اگر یہی پنجے وحوش (غیر شکاری) جانوروں کو دئے جاتے تو اُن کے لئے بیکار ثابت ہوتے

اول انسان

دوم درندے

سوم چرند

درندوں کی ساخت

کیونکہ نہ تو وہ شکار کرتے ہیں اور نہ گوشت کھاتے ہیں اور اگر درندوں کو کھر دیجا سکے پنجوں کے دیئے جاتے تو جن چیزوں کی اُنہیں ضرورت تھی وہ انہیں نہ ملتیں یعنی وہ ہتھیار جن سے شکار کرکے اپنی زندگی بسر کرسکیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان دونوں قسم کے حیوانات کو وہی چیزیں ملی ہیں جو اُس قسم کے لئے مناسب اور اُسکے موافق ہیں۔ بلکہ انہیں سے اُسکی زندگی ہے۔

اب چوپائے جانوروں کو دیکھو۔ کہ وہ کس طرح اپنی ماؤں کے پیچھے پیچھے خود بخود چلتے ہیں اُٹھانے کی انکو ضرورت نہیں پرورش کی انکو ضرورت نہیں۔ جیسا کہ آدمیوں کے بچوں کو ضرورت ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان بچوں کے ماؤں کے پاس وہ آلات نہیں ہیں۔ جو آدمی کے بچوں کی ماؤں کے پاس ہیں۔ مثلاً نرمی و ملاطفت اور پرورش کا علم اور ان بچوں کو ہاتھ اور انگلیوں کے ذریعہ سے اُٹھانے کی قوت جو اسی لئے بنائے گئے ہیں۔ (یہ باتیں بیچارے چوپاؤں میں کہاں) لہذا ان چوپائے بچوں کے لئے یہ دیا گیا کہ آپ ہی آپ اٹھیں۔ اور خود اپنا کام کرسکیں۔

اسی طرح اور پرندوں میں بھی پاؤ گے۔ جیسے مرغی۔ کبک اور تیتر کے بچے کہ اسی وقت چلنے پھرنے اور دانہ چگنے لگتے ہیں۔ جبکہ انڈے سے نکلتے ہیں لیکن وہ پرندے جو کمزور ہیں اور انہیں اٹھنے کی طاقت نہیں جیسے دیسی اور جنگلی کبوترا اور قمری کے بچے۔ تو انکی ماؤں کو انکی بہت ہی محبت دی گئی۔ کہ جب وہ اپنے پوٹوں کو بھر لیتی ہیں تو ان بچوں کے منہ میں لاکر بھراتی ہیں اور برابر کھلاتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بچے خود اپنا کام انجام دے سکیں۔

اسی وجہ سے کبوتر کو بہت سے بچے نہیں دئے گئے۔ جیسے مرغیوں کے بہت سے بچے ہوتے ہیں تاکہ انکی مائیں اپنے بچوں کے پالنے پر قادر ہوسکیں۔ اور وہ بچے خراب و ہلاک نہوں۔ پس حکیم لطیف خبیر کی حکمت کا ہر ایک کو ایک حصہ ملا ہے۔

حیوانات کی ٹانگیں جفت کیوں بنائی گئیں

دیکھو حیوانات کی ٹانگوں کو کیونکر جفت بنائی گئی ہیں۔ یہ اس لئے کہ چلنا ممکن ہو۔ اگر طاق بنائی گئی ہوتیں تو اسکے قابل نہوتیں۔ اس سبب سے کہ چلنے والے جاندار اپنے ایک پاؤں کو اٹھاتے اور دوسرے پر سہارا لیتے ہیں۔ دو ٹانگوں والے ایک کو اٹھاتے دوسری پر ٹھہرتے ہیں

اور چار ٹانگوں والے دو کو اُٹھاتے اور دو پر سہارا لیتے ہیں۔ اور یہ مختلف رُخ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر چوپائے دونوں ٹانگیں ایک ہی طرف کی اُٹھاتے اور دوسری طرف کی دو ٹانگوں پر سہارا لیتے تو زمین پر ٹک سکتے۔ جیسے تخت وغیرہ صرف دو پایوں پر ٹک نہیں سکتا۔ تو ایسا ہوا کہ دہنی طرف کی تو اگلی ٹانگ کو اُٹھاتے اور بائیں طرف کی پچھلی۔ اور اسی طرح مخالف جہت سے باقی ٹانگوں کو اُٹھائے تاکہ زمین پر قایم رہ سکے اور چلنے کے وقت گر نہ پڑے۔

کیا تم گدھے کو نہیں دیکھتے کہ کیونکر باربرداری اور چکی پیسنے کا کام دیتا ہے اور وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ گھوڑا آرام و آسایش میں رکھا جاتا ہے۔

اور اونٹ اسقدر کام کرتا ہے کہ جتنا کئی آدمی ملکے نہیں کرسکتے۔ اگر یہ حکم نہ مانتا تو کیا ہوتا؟ اب تو ایک بچہ کی بھی اطاعت کرلیتا ہے۔ اور بیل کیونکر اپنے مالک کا فرمانبردار ہوتا ہے یہانتک کہ اسکی گردن پر جوا رکھکے اُسکے ذریعہ سے زراعت کرتا ہے۔ شریف نسل کا گھوڑا تلواروں اور نیزوں میں اپنے مالک کی طرح گھس جاتا ہے۔ بھیڑ کے ایک گلہ کو ایک آدمی چرالیتا ہے اور اگر ایسا ہوتا کہ بھیڑیں بھاگ جایا کرتیں اور ہر ایک اُنمیں سے ایک راستہ لیتی تو وہ شخص انکو پا نہ سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس اور تمام قسم کے حیوانات جو انسان کے مسخر ہیں۔ تو ایسا کیوں ہے؟ اسی سبب سے ناکہ انہیں عقل نہیں۔ غور و فکر کی قوت نہیں۔ اگر انہیں عقل ہوتی اور یہ کاموں میں غور کرتے ہوتے تو بالاولیٰ آدمی کی اکثر ضرورتوں میں پہلوتہی کرجاتے اونٹ اپنے کھینچنے والے کا حکم نہ مانتا۔ نہ بیل اپنے مالک کا۔ بھیڑیں اپنے چرواہے سے بھاگ بھاگ کے متفرق ہوجاتیں اور علیٰ ہذا القیاس ؛

اسی طرح یہ درندے اگر عقل و شعور رکھتے ہوتے تو آدمیوں سے مقابلہ کرتے اور اُنسے جھگڑتے (کہ ہماری خوراک کی چیز پر تم کس طرح قابض و متصرف ہوگئے) تو بتاؤ کہ شیر بھیڑیے چیتے اور ریچھ سے کون مقابلہ کرنے جاتا۔ اگر وہ ایک دوسرے سے ملکر آدمیوں پر چڑھائی کرتے؟

کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بات اُنسے کیونکر روک دی گئی۔ اور بجائے اسکے کہ اُنسے انسان ڈرتا ہے وہ خود آدمیوں کی سکونت گاہ سے ہیبت کھاتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ دن میں اپنی غذا تلاش کرتے نہیں نکلتے۔ رات کو نکلا کرتے ہیں۔ تو باوجود صولت و قوت کے

بے روک ٹوک اور بے ما ر پیٹ آدمیوں سے ڈرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انکے گھر ان ہیں کود کود کے آجاتے اور انکی زندگی تنگ کر دیتے۔

پھر منجملہ ان تمام درندوں کے کتے میں ایک خاص بات رکھی گئی ہے کہ اپنے مالک پر مہربان ہوتا ہے اور اُسکی حمایت و حفاظت کرتا ہے۔ اور اُسکے گھر کی حفاظت کے واسطے چاردیواری اور چھپتوں کے اردگرد اندھیری رات میں پھرتا رہتا ہے اور چوروں سے بچاتا ہے اُسکی محبت اپنے مالک سے اسقدر بڑھی ہوئی ہے کہ خود اُسکے اور اُسکے گھر اور مال کے بچانے کے واسطے اپنی جان دیدیتا ہے اور حد سے زیادہ اُس سے محبت کرتا ہے یہانتک کہ اُسکے ساتھ بھوک اور تکلیف پر صبر کرتا ہے۔ تو کتا کیوں ایسا پیدا کیا گیا اسی لیے تاکہ آدمی کی حفاظت کرے۔ اُسکے دانت سخت ہیں اُسکے پنجے خشن ہیں۔ اُسکی آواز ڈراونی ہے۔ کیوں؟ اسیلئے تاکہ چور اُس سے ڈریں۔ اور جن چیزوں کی وہ حفاظت کرتا ہے اُنکے پاس نہ آئیں۔

مفضل! چوپاؤں کے چہروں کو غور کرو۔ کیونکر بنا ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ انکی آنکھیں سامنے لگی ہوئی ہیں تاکہ کسی دیوار سے ٹھوکر نہ کھا جائیں۔ یا کسی گڑھے میں نہ گر پڑیں اور اُن کے دہانوں کو ٹھوڑی کے نیچے سے پھٹا ہوا پاؤ گے۔ اگر اس طرح پھٹے ہوئے نہ ہوتے یا انسانوں کے منہ ہیں۔ ٹھوڑی کے سامنے سے تو وہ اس بات پر قادر نہ ہوتے کہ زمین سے کوئی چیز اُٹھا سکیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدمی اپنے منہ سے کھانے کی چیز کو نہیں اُٹھاتا بلکہ ہاتھ سے اُٹھاتا ہے۔ یہ اُسکو خاص شرافت اور کھانیوالوں پر دی گئی ہے۔ اور چونکہ چوپاؤں میں ایسے ہاتھ نہ تھے جن سے وہ گھاس کو اُٹھا کر کھا سکیں لہذا اُنکا ٹھوڑی کا حصہ نیچے کی جانب شگافتہ کر دیا گیا تاکہ گھاس کو پکڑ سکے اور پھر اُسے چبا سکے۔

اور لب ہونٹوں سے اُسکو مدد دی گئی۔ تاکہ نزدیک اور دور کی چیزوں کو پکڑ لے۔

ان جانوروں کی دُم کو عبرت سے دیکھو کہ اسمیں کیا نفع قرار دیا گیا ہے۔ اُن کے بول و براز کے مقامات کے لیئے ایک قسم کا ڈھکنا ہے جو دونوں کو چھپائے رہتی ہے۔ اور اُسکا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان حیوانات کے دبر سے لیکر پیٹ تک چرک اور میل لگا رہتا ہے جسپر مکھیاں اور مچھر آنکے جمع ہو جاتے ہیں۔ تو انکی دُمیں بجائے چوری کے بنائی گئی ہیں جن سے

کتے کی حالت

چوپاؤں کے دہن کی بناوٹ

مکھی مچھروں کو اُن مقامات سے بھگا سکیں اور اسمیں یہ بھی ایک فائدہ ہی کہ دائیں بائیں دُم کے ہلانے سے انکو آرام ملتا ہے (گویا یہ ایک قسم کا انکا مشغلہ ہی) اس لئے کہ چونکہ یہ جانور چاروں ہی پیروں پر کھڑے رہتے ہیں اور اگلے دونوں پاؤں بدن کے اٹھائے رہنے میں مصروف ہیں اور انہیں ادھر اُدھر پھرنے کا موقع نہیں ملتا - تو ان جانوروں کو اپنی دم ہی ہلانے میں راحت ملتی ہی - اور اسمیں بہت سے فائدے اور بھی ہیں جنکے جاننے سے دہم قاصر ہے اور جو اُسی وقت معلوم ہوتے ہیں جبکہ اُسکی ضرورت پڑے ؛

منجملہ اُن فائدوں کے ایک فائدہ یہ بھی ہی - کہ جانور کبھی دلدل میں پھنس جاتا ہے - تو اُس کے نکالنے اور اٹھانے کے لیئے دم سے بڑھکر کوئی چیز کام نہیں دیسکتی -

اور دُم کے بالوں میں آدمیوں کے بھی بہت فائدے ہیں - کہ انہیں اپنی غرضوں میں صرف کرتے ہیں ۔

پھر ان حیوانوں کی پیٹھ مسطح اور چاروں ٹانگوں کے اوپر اوندھی ہوئی بنائی گئی تاکہ اسپر سوار ہونا ممکن ہو - اُن کے مقام دخول اُن کے پیچھے کھلے ہوئے بنائے گئے تاکہ نر کو جفتی کھانی ممکن ہو - اور اگر پیٹ کے نیچے بنایا جاتا جیسے عورت کی شرمگاہ ہی تو انکے نروں کو جفتی کرنی ممکن نہ ہوتی - کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انکے نر منہ کے سامنے سے جفتی نہیں کھاسکتے جس طرح کوئی مرد عورت سے صحبت کرسکتا ہے -

ہاتھی کی سونڈ کو غور کرو اور دیکھو کہ اُسمیں کیا باریک حکمت ہی - یہ سونڈ اُسکے لئے چارہ اور پانی لینے اور پیٹ تک پہنچانے میں ہاتھ کے قایم مقام ہے - اگر یہ نہوتی تو ہاتھی کسی چیز کو زمین سے نہ اٹھا سکتا - کیونکہ اُسکی ویسی گردن نہیں جیسے اور چوپایوں کی طرح آگے بڑھا سکے - تو جب اُسکی گردن ایسی لمبی نہوئی تو اُسکے قایم مقام لمبی سونڈ دی گئی - تاکہ اُسے لٹکا سکے اور اپنی ضرورت کو اُس سے حاصل کرے - تو کس نے بجائے اُس عضو معدوم (ہاتھ) کے اُسے ایسی چیز دی جو اُسکا بدلہ ہوسکے - اُسی نے نا جو اپنی مخلوقات پر نہایت مہربان ہے - اور یہ بن پیدا کئے کیونکر ہوسکتا تھا جیسا کہ یہ ظالم نیچری اور دہریہ کہتے ہیں ؛

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ پھر اُسکی ویسی گردن کیوں نہ بنائی جیسی اور چوپاؤں کی ہی تو اُسے یہ جواب دیا جائیگا کہ ہاتھی کا سر اور اُسکے کان بہت بھاری اور ثقیل ہیں۔ اگر سیر اور کان لمبی گردن پر بنائے گئے ہوتے تو اُسے توڑ دیتے اور سست کر دیتے۔ لہذا اُسکا سر اُسکے دھڑ سے ملا ہوا بنایا گیا۔ تاکہ اُسے وہ تکلیف نہ پہونچے جو ہمنے بیان کی ہے اور بجائے گردن کے یہ سونڈ بنا دی گئی تاکہ اُسکے ذریعہ سے اپنی غذا حاصل کر سکے پس باوجود گردن نہ ہونے کے یہ تمام اُن چیزوں کو پوری طرح حاصل کر لیتا ہے جنمیں اُسکی ضرورت رفع ہو جائے۔

دیکھو ہتھنی کی فرج کیونکر پیٹ کے نیچے پیدا کی گئی مگر جب اُسے شہوت ہوتی ہی تو اوپر کی جانب اوبھر آتی ہی تاکہ نر کو اُس سے جفتی کھانا ممکن ہو۔ غور کرو کہ ہتھنی کی شرمگاہ برخلاف اور حیوانوں کے بنائی گئی پھر اُسمیں وہ بات رکھدی گئی جس سے وہ امر ممکن ہو سکے جسمیں اُسکی نسل کا بقا و دوام

زرافہ کی ساخت کو ذرا غور کرو اور اس بات کو کہ اُسکے اعضا کیسے مختلف ہیں اور کس طرح کے حیوانوں کے اعضا سے مشابہ ہیں۔ اُسکا سر تو گھوڑے کا سا سر ہی۔ گردن اونٹ کی سی۔ کھریاں گائے کی سی اور اُسکی کھال چیتے کی سی۔ بعض جاہلوں نے یہ گمان کیا ہی اُنکو خداے تعالیٰ کی حکمتوں کی معرفت نہیں اگر کئی قسم کے نروں کی جفتی سے اس طرح کا بچہ ہوتا ہی۔ ان جاہلوں نے یہ بیان کیا ہی کہ جنگل کے قسم قسم کے جانور جب پانی پینے کے لئے گھاٹوں پر وارد ہوتے ہیں تو کوئی جانور کسی سے کوئی کسی جفتی کھا جاتا ہی تو اس صورت کا بچہ پیدا ہو جاتا ہی جو گویا مختلف قسم کے حیوانات کا ملتقط و مجموعہ ہی۔ یہ اس کہنے والے کی جہالت ہی۔ اور یہ خدائے جل قدسہ وعز جلالہ کو پہچانتا نہیں۔

کسی قسم کا جانور دوسری قسم کے حیوانات سے جفتی نہیں کھاتا۔ گھوڑا اونٹنی سے جفتی نہیں کھاتا۔ اور نہ اونٹ گائے سے۔ صرف جفتی تو اُنہیں جانوروں میں باہم ہوتی ہی جو ایک دوسرے سے مشاکل و مشابہ ہوں جیسے گھوڑا گدھی سے جفتی کھاتا ہی۔ جس سے خچر پیدا ہوتا ہے۔ اور بھیڑیا بجو سے جفتی کھاتا ہے جس سے سمع پیدا ہوتا ہی۔ علاوہ اسکے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی بچہ اُنکی جفتی سے پیدا ہو تو ایک ایک عضو ہر ایک جانور کے مشابہ ہو (مثلاً سر تو بجو کا سا ہو اور ٹانگیں بھیڑئے کی سی) جیسا کہ زرافہ میں ہی کہ ایک عضو تو گھوڑے کا ہی۔ اور ایک عضو اونٹ کا اور کھریاں گائے کی۔ بلکہ وہ تو اِن دونوں سے ملکر ایک تیسری قسم کا جانور بنجاتا ہے۔ جیسے تم خچر کو

زرافہ کی ساخت اور اعضا اور اُسکی عجیب بناوٹ

دیکھتے ہو کہ اوسکا سر اُسکے کان اُسکا پیٹھ اُسکی دُم۔ اُسکے سُم گدھے اور گھوڑے کی اُن اعضا کے درمیان درمیان ہیں۔ اور اُسکی آواز گھوڑے کی ہنہناہٹ اور گدھے کی آواز کے درمیان درمیان ہے
پس یہی اسبات کی دلیل ہے کہ زرافہ مختلف جانوروں کی باہم جفتی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے یہ بھی ایک عجیب مخلوق ہے۔ جس سے اُسکی قدرت معلوم ہو جو کسی چیز میں عاجز نہیں ؃

یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ متم قسم کے حیوانات کا خالق جیسے جس عضو بدن کو چاہتا ہے ایکسا پیدا کرتا ہے اور جیسکے اعضائے بدن کو چاہتا ہے مختلف پیدا کرتا ہے۔ بناوٹ جو چاہتا ہے زیادتی کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ یہ اسلئے کہ اس سے اُسکی قدرت معلوم ہو۔ اور یہ کہ اُسے کوئی ایسی چیز جسکا وہ ارادہ کرے عاجز نہیں کر سکتی۔

زرافہ کی لمبی گردن کیوں ہے

لیکن اُسکی گردن کیوں لمبی ہے اور اسمیں اُسے کیا فائدہ ہے۔ تو وہ فائدہ یہ ہے کہ اُسکی چراگاہ اور اُسکی پیدایش کی جگہ درختوں کے جھنڈ میں ہے جہاں اونچے اونچے لمبے لمبے درخت پیدا ہوتے ہیں تو اُسے لمبی گردن کی ضرورت تھی تا کہ یہ اپنے منہ سے درختونکی پتیاں توڑ سکے اور اُسکے پھلوں سے اپنی غذا کر سکے۔

بندر کی ساخت اور اُسکی حکمتیں

بندر کی پیدایش اور اُسکے اکثر اعضا کے آدمی سے مشابہ ہونے پر غور کرو یعنی سر۔ دونوں شانے اور سینہ اور اسیطرح اُسکے باطنی اعضا بھی انسانکے باطنی اعضا سے مشابہ ہیں اور علاوہ بریں اسے ذہن اور خرد کا بھی دیا گیا ہے جسکی وجہ سے اپنے پالنے والیکی اُن باتوں کو سمجھتا ہے جسکا وہ اشارہ کرتا ہے۔ اور اکثر انسانکو جو کام کرتے دیکھتا ہے اُسکی نقل اوتارتا ہے یہانتک کہ انسانی خصلت اور اُسکے شمایل و خصایل سے اپنی تدبیر ساخت میں بہت قریب ہے اور آدمی کے لئے باعث عبرت ہے کہ وہ اسبات کو سمجھے کہ میں بھی بہایم کی طینت اور مادے سے بنا ہوں۔ کیونکہ انہیں بہایم میں سے وہ بھی ہے جو انسان سے اسقدر قریب ہے اور یہ کہ اگر مجھکو ذہن و عقل و گویائی میں اُسپر فضیلت نہ دی گئی ہوتی تو میں بھی کسی جانور ہی کے مانند ہوتا ؃

علاوہ اسکے بندر کے جسم میں کچھ زیادتیاں بھی ہیں جنکی وجہ سے اسمیں اور انسان میں

تفرقہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً دہانہ۔ لمبی دُم اور بال جو اُسکے جسم کا لباس ہے اور یہ باتیں کچھ انسان سے اُسکے ملحق ہو جانے کو مانع نہوتیں اگر اسکو انسان ہی کے مانند عقل ذہن اور گویائی کی طاقت دی گئی ہوتی پس صحیح حد فاصل اسمیں اور آدمی میں وہ صرف عقل۔ ذہن اور طاقت گویائی کی کمی ہے ؂

مفضل! ذرا اللہ تعالیٰ کی مہربانی ان بہایم پر تو دیکھو کہ انکے بدنوں کو مختلف قسم کے بالوں کا کیسا لباس پہنایا ہے تاکہ سردی اور آفتوں کے زیادہ پڑنے سے محفوظ رہیں۔ اور انہیں (بجائے جوتے کے) کھریاں۔ سم۔ اور خف (اونٹ اور ہاتھی کے جیسے پاؤں ہوتے ہیں) دئے تاکہ (ان کے پاؤں گھسنے سے بچیں۔ کیونکہ اُن کے نہ ہاتھ ہیں نہ ہتھیلیاں اور نہ انگلیاں جن سے سوت کا کاتنا اور کپڑے کا بننا ممکن ہو تو انکی یوں مدد کی گئی کہ انکا لباس انکی ساخت اور خلقت ہی میں بنا دیا گیا۔ جو اُن کی زندگی تک باقی رہے۔ انہیں اسکے تجدید اور بدلنے کی ضرورت نہ پڑے۔ مگر انسان تو صاحب تدبیر ہے اسکے پاس ہتھیلیاں ہیں جن سے کام کرسکتا ہے وہ کپڑا بنتا ہے اور سوت بھی کاتتا ہے اور اسی سے اپنے لئے کپڑا بناتا ہے اور وقتاً فوقتاً اُسے تبدیل بھی کرتا رہتا ہے۔ اور اُسکے لئے اسمیں کئی طرح کی بہتری بھی ہے منجملہ اُسکے یہ ہے کہ وہ اپنے لباس کے بنانے میں مصروف ہو کر فضول باتوں سے بچتا ہے اور نیز ان کاموں سے جو بیکاری سے پیدا ہو جاتے ہیں اور منجملہ اسکے یہ ہے کہ جب چاہتا ہے اپنے کپڑے کے اتارنے سے آرام حاصل کرتا ہے اور منجملہ اُسکے یہ بھی کہ اپنے لئے طرح طرح کا لباس بنا سکتا ہے جنمیں خوشنمائی اور حسن ہو تو اُن کے پہننے اور تبدیل کرنے میں اُسے لذت ملتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس وہ صنعت سے طرح طرح کے موزے اور جوتے بناتا اور اُنسے اپنے پاؤں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اسمیں بہتیروں کی روزی اور تجارت بھی ہے جنسے انکی زندگی ہے اور جنسے انکی اور انکے عیال کی روزی ہے۔ تو یہ مختلف قسم کے بال بہایم کیلئے بجائے لباس کے ہیں اور کھریاں سم اور خف قایم مقام موزوں کے۔

مفضل ذرا اُس عجیب خلقت کو غور کرو جو بہایم میں بنائی گئی ہے وہ یہ کہ یہ تمام بہایم جب مر جاتے ہیں تو اپنے تئیں اسی طرح چھپا دیتے ہیں جیسے انسان اپنے مردوں کو دفن کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر ان وحوش اور درندوں وغیرہ کے مردے کہاں ہوتے ہیں جو ایسے بھی دکھائی نہیں دیتا

اور ایسے کم بھی نہیں ہیں کہ اپنی کمی کی وجہ سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ بلکہ اگر انکو آدمیوں کی بہ نسبت زیادہ کہا جائے تو بالکل سچ ہے ؛

اسے ان ہرنوں جنگلی گائے بیلوں۔ گدھوں جنگلی بکریوں اور بارہ سنگھوں کے گلوں کے ذریعے سے سمجھو اور نیز وہ وحوش اور مختلف طرح کے درندے۔ شیر۔ بجو۔ بھیڑیے چیتے وغیرہ اور مختلف قسم کے کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض اور زمین پر چلنے والے جانوروں سے عبرت حاصل کرو جو صحراؤں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں اور علیٰ ہذا القیاس پرندوں کے جیسے مثلاً کوے۔ چکور۔ بط۔ کلنگ۔ کبوتر اور تمام شکاری پرندوں سے عبرت لو۔ ان سے کبھی مردے کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ مگر وہی ایک دو جسے شکاری شکار کر لیتا ہے۔ یا درندے پھاڑ کھاتے ہیں تو (دراصل یہ ہوتا ہے کہ) جب ان حیوانات کو اپنے مرنے کا احساس ہوتا ہے تو کسی مخفی مقام میں چھپ بیٹھتے ہیں اور وہیں مر جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام زمین ان کے مردوں ہی سے بھر جاتی۔ یہاں تک کہ ہوا کی بو خراب ہو جاتی اور طرح طرح کی بیماریاں اور وبائیں ہو جاتیں تو اس بات کو دیکھو جو انسان نے (حیوانات ہی سے) حاصل کی اور اس پہلی تمثیل (جیسے خدا تعالیٰ نے ہابیل و قابیل کے قصے میں بیان کیا ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو دیکھا کہ دو کوے لڑتے ہوئے آئے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا اور زمین کھود کر اسے دفن کر دیا۔ اس سے قابیل نے سیکھا کہ ایک گڑھا کھودا اور اسمیں اپنے بھائی کی لاش چھپا دی) پر عمل کیا جسے پروردگار نے انکے لئے قائم کیا تھا۔

کس طرح اس نے ان بہائم وغیرہ میں یہ ادراک اور یہ طبیعت (قانون فطرت) قرار دی جسکی وجہ سے آدمی ان امراض اور فسادات کی ایذا سے بچے جو اسپر واقع ہوتے۔

مفضل! ان سمجھداریوں کو سوچو جو ان بہائم میں قرار دی گئی ہیں۔ وہ قدرتی طور پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے انکی خلقت میں داخل ہیں تاکہ اسکا کوئی مخلوق اسکی نعمتوں سے محروم نہ رہے مگر یہ سمجھ عقل اور قوت متفکرہ کے ساتھ نہیں ہے (جسکی پہلے نفی کی گئی ہے) دیکھو کہ گوزن سانپ کو کھا جاتا ہے اور اس وجہ سے اسے سخت پیاس لگتی ہے۔ مگر پانی نہیں پیتا اس خوف سے کہ اگر اس نے پانی پیا تو زہر اسکے تمام جسم میں سرایت کر جائیگا۔ اور اسے مار ڈالیگا تالابوں کے کنارے

کھڑا رہتا ہو اور اسکو پیاس سے سخت تکلیف ہوتی ہے بلند آواز سے چیختا ہو مگر پانی نہیں پیتا اگر پی لے تو اسی دم مرجائے۔ تو دیکھو کہ بالطبع اِن جانوروں میں سخت پیاس کے روکنے کی ضرر کے خوف سے کسقدر صبر و برداشت رکھی گئی ہے۔ حالانکہ یہ ایسی چیز ہے کہ عقل والا تمیز دار آدمی بھی خود اسے ضبط نہیں کر سکتا۔

لومڑی (کو دیکھو کہ) جب اُسے خوراک نہیں بہم پہنچتی تو اپنے تئیں مُردہ بنا لیتی ہے۔ اور اپنے پیٹ کو پھولا لیتی ہے ایسا کہ پرندے اُسے مُردہ سمجھیں۔ جونہی پرندے نوچنے اور کھانے کیلئے اُس پر گرتے ہیں فوراً اُن پر حملہ کرتی اور انہیں پکڑ لیتی ہے۔

پھر بتاؤ کہ بے زبان اور ادراک لومڑی کو یہ تدبیر کس نے بتائی اُسی نے تو جو ان طریقوں سے اُسے روزی پہنچانے کا ذمہ دار ہوا ہے ؟ چونکہ لومڑی اکثر اُن امور کو نہیں کر سکتی جو درندے کرتے ہیں مثلاً شکار کا مقابلہ کرنا اُس پر حملہ کرنا تو اُسے اس چالاکی اور حیلہ گری سے اُسکے معاش کے لیئے مدد پہنچائی گئی۔

ڈولفین (جو آبی جانوروں اور ڈوبتے ہوئے آدمی کو بچا لیتا ہے) پرندوں کا شکار رہتا ہے تو اُسکی اِس معاملہ میں یہ تدبیر ہوتی ہے کہ پہلے مچھلی کو پکڑ کے مار ڈالتا ہے تاکہ وہ پانی پر ادبھری رہے اور خود اُسکے نیچے چھپا رہتا ہے اور پانی کو دھندلا رکھتا ہے کہ کہیں اُسکا جسم دکھائی نہ دیجائے جب کوئی پرندہ اُس ادبھری ہوئی مچھلی پر گرتا ہے تو اُسے اوچک کر شکار کر لیتا ہے۔

مفضل کہتے ہیں! میں نے عرض کی کہ مولا اژدہے اور بادل کا کچھ حال بیان فرمائے آپنے ارشاد کیا کہ ابر گویا اُس پر موکل کیا گیا ہے کہ جہاں اُسے پائے اوچک لے جیسے سنگ مقناطیس لوہے کو جذب کر لیتا ہے اِس وجہ سے وہ اپنا سر زمین سے اُٹھاتا ہی نہیں کیونکہ اُسے ابر کا خوف لگا ہوا ہے۔ اور سوائے گرمی کے دنوں کے۔ جبکہ آسمان صاف ہوا ور ابر کا ایک نقطہ بھی اوپر نہ ہو باہر آتا ہی نہیں اور وہ بھی صرف ایک مرتبہ نکلتا ہے +

مفضل۔۔ میں نے عرض کی تو ابر کیوں اژدہے پر موکل کیا گیا جو اُسکی گھات میں رہتا اور جہاں اُسے پائے اوچک لیجاتا ہے۔

امام علیہ السلام۔ اِس لئے کہ آدمیوں کو اُسکے ضرر سے بچائے +

مفضل... میں نے عرض کی مولا آپنے بہائم حیوانات کا تو ایسا حال بیان کر دیا جو عبرت حاصل کرنیوالوں کے واسطے عبرت ہو سکے۔ اب چیونٹی۔ چیونٹے اور پرندوں کا حال بیان فرمائے

امام علیہ السلام... مفضل! اس ننھی سی چیونٹی کے منہ کو دیکھو کیا اسمیں کسی ایسی بات کی کمی پاتے ہو جسمیں اسکی بہتری اور بھلائی ہو۔ اور جو اسکے مناسب ہو۔ یہ اندازہ اور صواب کہاں سے آیا سوائے اسکے کہ وہی حکمت و تدبیر اسمیں بھی صرف ہوئی ہے جو بڑی مخلوق اور چھوٹی مخلوق میں ہوئی۔ (اسی وجہ سے جتنی چیزیں چیونٹی کے لئے ضروری ہو سکتی تھیں سب ہی اسکے واسطے پیدا کر دی گئیں)۔

دیکھو اس چیونٹی کو کہ اپنے قوت (غذا) کے جمع کرنے کیلئے کیونکر مجتمع اور اکٹھا ہوتی ہیں۔ تم ایسا دیکھو گے کہ کئی کئی چیونٹیاں جب کسی دانہ کو اپنے سوراخ میں پہنچانا چاہتی ہیں تو ایسی ہوتی ہیں جیسے چند آدمی ملکر غلہ وغیرہ اٹھا لیجاتے ہیں۔ بلکہ چیونٹی کو اس بارے میں تو اتنی کوشش اور تندہی ہوتی ہے کہ آدمی ویسا کر نہیں سکتے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ دانے کو اٹھا لیجانے پر ایک دوسرے کی کیسی مدد کرتی ہیں جیسے آدمی۔ پھر دانے کے کاٹنے کا ارادہ کرتی اور اسکے ٹکرے ٹکرے کر دیتی ہیں کہ کہیں ایسا نہو یہ دانے انکے سوراخوں میں پانی پاکر اُگ آئیں اور انکے کام کے نہ رہیں۔ اور جب ان دانوں کو تری پہنچ جاتی ہے تو اسے نکالکر پھیلا دیتی ہیں تاکہ خشک ہو جائے۔ پھر یہ بھی ہے کہ چیونٹیاں ایسے مقام پر اپنا سوراخ بناتی ہیں جو بلند ہو تاکہ پانی کی رَو وہاں تک پہنچکر انہیں غرق نہ کر دے۔ مگر یہ سب باتیں بے عقل و فکر کے ہیں اور ایک فطری اور قدرتی باتیں ہیں جو انکی مصلحت کیواسطے خدائے عزوجل کی مہربانی سے انکی خلقت میں داخل کر دی گئی ہیں۔

اس جاندار کو دیکھو جسے لیث (شیر) کہتے ہیں اور عام لوگ اسد الذباب (مکھیوں کا شیر) یہ ایک قسم کی مکڑی ہے جو مکھیوں کا شکار کرتی ہے) کیسی تدبیر اور حیلہ گری اور اسکو اپنی تحصیل معاش کے لئے کیا رفق و ملائمت دی گئی ہے۔

تم دیکھو گے کہ جب اسکے مکھی کا احساس ہوتا ہے کہ اسکے قریب آ گئی۔ تو دیر تک اسے چھوڑ رکھتی ہے۔ (بالکل اس سے تعرض نہیں کرتی اور نہ خیال کرتی نہ شکار کا ارادہ ظاہر کرتی ہے گویا خود ایک مری ہوئی چیز ہے جسمیں کچھ حس و حرکت ہی نہیں۔ جب مکھی کو دیکھ لیتی ہے کہ اب وہ مطمئن ہو گئی اور اس سے

بالکل غافل ہے تو نہایت آہستہ آہستہ رسان رسان اسکی طرف چلتی ہے جس وقت اتنی قریب پہنچ جاتی ہے کہ اسے پکڑ سکے گی تب اسپر اوچھلتی اور اسے پکڑ لیتی ہے۔ اور جب پکڑ لیتی ہے تو اس طرح اسپر اپنے تمام جسم سے چمٹتی ہے کہ کہیں ایسا نہو اس سے چھوٹ جائے اور اتنی دیر اسکو مضبوط تھامے رہتی ہے کہ اسے محسوس ہو جاتا ہے کہ مکھی اب کمزور ہو گئی۔ اور ہاتھ پاؤں اسکے ڈھیلے ہو گئے۔ پھر متوجہ ہوتی ہے اور اسے ہضم کر جاتی ہے۔ اور اسی کے ذریعے اسکی حیات ہے۔ (اب بتاؤ کہ یہ تدبیر مکڑی کو کس نے بتائی کہ اس طرح حیلہ گری کام میں لاوے اور مکھی کا شکار کرکے اپنی غذا بنائے۔ کیا مکڑی کے مادہ نے اسے سکھایا۔ یا اسکی بے ادراک طبیعت نے۔ ہرگز نہیں بلکہ کسی بڑے مدبر حکیم نے جس نے اسے پیدا کیا ہے یہ ترکیب تدبیر اسکی خلقت میں ودیعت رکھی ہے)

لیکن باقی (عام مکڑی۔ تو وہ جالا تنتی اور اسے مکھیوں کے شکار کا جال اور پھندہ بناتی ہے اور اسکے اندر خود چھپ کر بیٹھتی ہے۔ جو ہیں مکھی اسمیں پھنسی اس نے لپک کر اسے دم بدم کاٹنا شروع کیا۔ اسکی زندگی اس طرح ہوتی ہے۔

اسی طرح لوگ یہی حال کتوں اور شیروں کے شکار اور جال اور پھندے کے صید کا بھی بیان کرتے ہیں (یعنی جیسے کوئی آدمی کسی کتے یا شیر کو شکار کرتا ہے یا جال اور پھندے سے کسی پرندہ کو پھنساتا ہے وہی تدبیر یہ مکڑیاں بھی باوجود بے عقل و ادراک ہونے کے محض اپنی فطری اور قدرتی قوت سے کر لیتی ہیں)۔

تو دیکھو کہ اس کمزور جانور کی طبیعت میں کیونکر وہ بات رکھی گئی جسے انسان بغیر حیلہ و تدبیر اور استعمال آلات کے نہیں کر سکتا! ! تم کسی چیز کو عیب نہ لگاؤ جبکہ اسمیں کوئی اثر عبرت موجود ہو جیسے چیونٹی چیونٹے وغیرہ (یعنی انکو حقیر نہ سمجھو) (اس کلام سے حضرت کا مقصود یہ ہے کہ چیونٹی وغیرہ چھوٹی چھوٹی مخلوقات خدا کو حقیر نہ سمجھو۔ انہیں بھی عجیب عجیب حکمتیں اور صناعیاں ہیں جو ان کے خالق نے انہیں ودیعت کی ہیں جنسے انسان غور کرنے کے بعد بڑی بڑی عبرتیں حاصل کر سکتا ہے) کیونکہ کبھی کسی نفیس مطلب کی مثال ایسی حقیر اور چھوٹی چیز سے بھی دیجاتی ہے۔ تو اس سے اس نفیس مطلب کی قدر کچھ گھٹ نہیں جاتی جیسے سونا لوہے کے باٹ سے تولا جاتا ہے تو اس تولنے سے اسکی کچھ عزت کم نہیں ہو جاتی۔

مفصل ۔ پرندے کے جسم اور اسکی بناوٹ کو غور کرو۔ چونکہ اسکے لئے یہ مقرر کر دیا گیا تھا کہ فضائے آسمان میں اڑا کرے اسلئے اسکا جسم ہلکا اور اسکا بدن سمٹا ہوا بنایا گیا۔ چار پیروں کے بدلے صرف دو پاؤں اسے دیئے گئے اور پانچ انگلیوں کے بدلے صرف چار۔ اور بیٹ اور پیشاب کے دو سوراخوں کے بدلے صرف ایک سوراخ جو دونوں کام دیسکتا ہے۔ پھر اسکو سینہ تیز (اور باریک) دیا گیا کہ اسطرف کی ہوا کو کاٹ سکے جدھر جانا چاہے جیسا کہ کشتی بھی اسی صورت پر بنائی گئی تاکہ پانی کو کاٹ سکے اور اسمیں چل سکے۔ اسکے بازوں اور دُم میں لمبے لمبے مضبوط پر پیدا کئے گئے تاکہ انکے ذریعہ سے اڑنے کے لئے بلند ہو سکے۔ اور تمام بدن پروں سے ڈھنک دیا گیا تاکہ اسکے اندر ہوا بھر کر اسے بلند کرے۔ اور چونکہ اسکے لئے یہ مقدر کیا گیا تھا کہ غذا اسکی دانے اور گوشت سے ہوگی جسے وہ بغیر چبائے صرف نگل جائیگا تو اسکی خلقت اور ساخت میں سے دانت کم کردئے گئے اور سخت چونچ ٹوٹنے والی پیدا کی گئی جس سے وہ اپنے کھانے کی چیزوں کو اٹھا سکے نہ وہ دانوں کے اٹھانے سے چھل جاتی۔ اور نہ گوشت کے نوچنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور چونکہ اسکے دانت نہیں ہیں بلکہ کھرا دانہ نگل جاتا ہے اور کچا گوشت کھا جاتا ہے اسلئے اسکے پیٹ کے اندر بہت زیادہ حرارت پیدا کی گئی۔ جو اسکی غذا کو خوب گلا دے جسکی وجہ سے چبانے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

اسے یوں سمجھو کہ انگور وغیرہ کے بیج تو آدمی کے پیٹ سے سالم نکل آتے ہیں۔ مگر پرندوں کے پیٹ میں ایسے گل جاتے ہیں کہ انکا اثر بھی نہیں رہتا۔ (اس سے ثابت ہوا کہ پرندوں کے پیٹ یا پوٹے میں ایسی حرارت ہے جو سخت سے سخت بیج اور دانوں کو بھی گلا دیتی ہے)۔

پھر وہ ایسے بھی بنائے گئے۔ کہ انڈے ہی دیا کریں بچے نہ جنیں تاکہ اڑتے میں انکو گرانی نہو کیونکہ اگر بچہ اسکے پیٹ میں اتنے دنوں ٹھہرتا کہ مضبوط ہو لے تب پیدا ہو تو اسے بہت گرانی ہوتی۔ اور اڑنے سے روکدیتا۔ لہذا اسکی خلقت اور ساخت کی ہر چیز اسی مناسبت سے پیدا کی گئی ہے جس صورت سے اسکا ہونا مقدر ہو چکا ہے۔

پھر یہ بھی مقدر ہوا کہ یہ فضائے آسمانی میں اڑنے والا پرندہ جسکی فطرت اوڑنے ہی کے لئے بنائی گئی ہے اپنے انڈوں پر بیٹھے اور ایک ہفتہ یا دو ہفتہ یا تین ہفتہ تک اپنے پروں کے نیچے رکھے تاکہ بچہ نکلے۔ پھر وہ (کیا) اسپر (بہت ہی) متوجہ ہوتا۔ اور اسے ہوا بھرا تا ہے تاکہ اسکا پوٹہ غذا کیواسطے

وسیع ہو جائے - پھر اُسے پرورش کرتا ہے اور ایسی چیز سے غذا دیتا ہے جس سے وہ زندہ رہ سکے -
کس نے یہ کام اُسکی متعلق کیا کہ پہلے دانہ چُنے پھر جب اُسکے پوٹے کے اندر ٹھیرے تو اُسے اُگا لے
اور اُس سے اپنے بچہ کو بھرائے - اور کیون وہ اُس مشقت کا متحمل ہوتا ہے - حالانکہ نہ اُسکے لیئے
غور و فکر کی طاقت دی گئی ہے اور نہ اُسے وہ امید ہی ہے جو انسان کو اپنے بچون سے ہوتی ہے
مثلاً عزت - بخشش - اور لیفائے نام وغیرہ - تو یہ ایسا فعل ہے جو گواہی دیتا ہے کہ کسی خاص لیم
سبب سے خدا تعالےٰ جل جلالہ کی عنایت سے اُسکے بچے کے لیئے معطوف ہوا ہے جسے وہ پرند
خود نہین جان سکتا - اور نہ اُسے آسمانی وغور ہے - وہ کیا ہے وہ دوام و ابقائے نسل ہے

مرغی کو دیکھو کہ انڈے سینے اور بچے نکالنے کیلئے کیسی بیقرار ہوتی ہے - حالانکہ نہ اُسکے انڈے
یکجا ہوتے ہین اور نہ اُسکا کوئی خاص گھونسلا ہے بلکہ وہ بھرتی اور پھولتی اور کڑکڑاتی ہے - کھانا
پینا چھوڑ دیتی ہے جب تک کہ اُسکے پاس انڈے نہ جمع کر دیئے جائین جنہین وہ سیئے اور بچے نکالے
یہ کیون ہوا اسی لیے تاکہ اُسکی نسل باقی رہے (ورنہ اُسے اسقدر کوشش کی کیا ضرورت تھی) اور اگر قدرتاً
اُسمین یہ بات پیدا نہ کی گئی ہوتی تو کون اُسکو اقامہ نسل پر مجبور کرتا - حالانکہ نہ اُسمین سوچنے کی قوت
ہے اور نہ غور کی (جس سے وہ سمجھتی کہ مجھے انڈے سینے چاہئین تاکہ اُن سے بچے نکلین اور
میری نسل قائم رہے ✝

انڈے کی ساخت اور اُسکے اندر کی بستہ زردی اور رقیق سفیدی کو دیکھو - ایک حصہ تو اس لیئے
بنایا گیا کہ اُس سے بچہ پیدا ہو اور ایک حصہ اِس لئے کہ اُسکی غذا ہے جب تک کہ وہ انڈے سے نکل نہ
لے (زردی سے بچہ بنتا ہے اور سفیدی اسمین جذب ہوتی ہے اور وہی اُسکی غذا بنتی ہے) دیکھو کہ اسمین
کیا حکمت ہے از بسکہ اِس بچے کی خلقت اُس محفوظ چھلکے کے اندر قرار پاتی ہے جسمین کوئی بیرونی چیز
داخل نہین ہو سکتی تو اُسکی غذا اُسکی اندر ہی قرار دیگئی جو اُسکے نکلنے کے وقت تک کیلئے کافی ہو سکے کسی
شخص کو جب ایسے سخت قید خانہ مین بند کرتے ہین جس مین کوئی جانے نہ پائے تو اُسکی پاس اسقدر قوت
(خوراک) بھی رکھدیجاتی ہے جو اُسکی قید خانہ سے نکلنے کے وقت تک کیلئے کافی ہو (اسی طرح انڈے کے
اندر بچے کیلئے غذا کا سامان یعنی انڈے کی سفیدی پیدا کی گئی جو اسمین جذب ہو کر اُسکی غذا بنے)
پرندے کے پوٹے اور اس حکمت کو سوچو جو اسمین قائم کی گئی ہے چونکہ سنگدانہ مین غذا کے

جانیکا راستہ تنگ ہے تھوڑی تھوڑی کرکے غذا اُس مین پہنچتی ہے تو اگر ایسا ہوتا کہ پرندہ دو مرا دانہ چگنے نہ پاے کہ پہلا دانہ سنگدانہ مین پہنچ جاے تو اُسے بڑی دیر لگتی۔ اور چونکہ وہ اپنی نہایت دور اندیشی سے جلدی جلدی اپنے کھانے کی چیز کو بھر لیتا ہے تو اُسکا پوٹہ ایسا بنایا گیا جیسے توبرہ جو اسکے آگے لٹکا ہوا ہے تاکہ جو کچھ اُسے کھانے کیلئے ملے جلدی سے اُسمین بھر لے پھر آہستہ آہستہ سنگدانہ (جو خاص ہضم کرنے کیواسطے بنایا گیا ہے) تک پہنچا ئے۔

پوٹے مین ایک اور بھی فایدہ ہے وہ یہ کہ بعضے پرندون کو اپنے بچے بھرانے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس صورت مین غذا کا بچے کے پوٹے کی طرف قریب سے لوٹا دینا آسان ہوتا ہے (بخلاف اسکے اگر اُس کے دانے پیٹ مین جا کر جمع ہوا کرتے تو بچون کو بھرانے کیواسطے پیٹ کے اندر سے نکالکر بچے کے منہ مین بھرنا بہت دشوار ہوتا۔ لہذا ایسا مقرر ہوا کہ یہ پرندے دانون کو پوٹے مین بھر لین اور قریب ہی سے اپنے بچون کو بھرا سکین)

مفضل۔۔۔۔ مین نے عرض کی کہ معطلہ فرقہ مین سے کچھ لوگون کا یہ دعوی ہے کہ رنگون اور شکلون کا پرندون مین مختلف ہونا محض عناصر و اخلاط کے امتزاج اور انکی مقدار کی کمی بیشی کی وجہ سے ہے کسی نے خاص طور پر ایسا نہین بنایا گیا ہے (کہ پرندہ کئی کئی رنگون کا ہو اور کئی کئی طرح کی شکلین ہون جیسے مور چکلے مرغ تیتر وغیرہ بلکہ اُنکے رنگون کا اختلاف صرف مادے کی کمی بیشی کی وجہ سے ہے)

امام علیہ السلام یہ گلکاریان جنہے تم مور اور دراج (تیتر) مین دیکھتے ہو اور یہ تدریجی برابری اور مقابلہ (کہ اگر ایک طرف دو انگل سرخ ہے تو دوسری طرف بھی ایساہی ہوگا ایک بازو مین جو پر رنگین اور جس صفت کا ہے دوسرے بازو مین بھی اُسی نمبر کا پر اُسی رنگ اور صفت کا ہوگا جتنا چڑھا و اُوتار ایک جانب ہے اتناہی دوسری جانب بھی ہے) جیسے کوئی شخص قلم سے نقشبندی اور اور مصوری کرتا ہے اسے یہ امتزاج (باہمی امتزاج عناصر) مہمل اور بے عقل و شعور ایسی شکل جس مین کچھ اختلاف نہو کیونکر بنا سکتا ہے۔ اگر یہ رنگینیان اور گلکاریان بے کسی صانع کے ہوتین تو انمین نسبت مساوات نرہتی۔ اور اختلاف ہوتا۔ (حالانکہ ہم کس حسن و دلفریبی کے ساتھ ان رنگ آمیزیون کو پرندون مین دیکھتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مدبر حکیم نے نہایت صناعی اور حکمت سے انہین ایسے ایسے رنگون کو بھرا ہے)

پرندے کے پر کو غور سے دیکھو کہ کیونکر بنا ہے۔ تم اُسے ایسا دیکھو گے جیسے کہ کپڑا باریک تیلیوں سے بنا جاتا ہے۔ اسی طرح بنے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے جیسے ایک ڈورہ دوسرے ڈورے سے اور ایک بال دوسرے بال سے۔

پھر تم اُس بناوٹ کو دیکھو کہ جب تم اُسے کھولو تو تھوڑا کھل جاتا ہے اور پھٹ نہیں جاتا تاکہ اُسمیں ہوا بھر سکے۔ اور جب وہ اُڑنا چاہے اُڑ سکے۔

اور پر کے بیچ میں تم ایک مضبوط موٹی سینک دیکھو گے جسپر بالوں کے مانند ایک چیز بنی گئی ہے تاکہ وہ اپنی سختی کی وجہ سے اُسے تھامے رہے۔ اور وہ (سینک) پر کے اندر ایک سوراخدار چیز اور کھوکھلی ہے تاکہ پرندے کو بوجھ نہو۔ اُسکو اڑنے سے روک نہ سکے۔

کیا تم نے اِس لمبی ٹانگوں والے پرندے کو بھی دیکھا ہے اور یہ بھی سمجھے ہو کہ اُسکی ساقیں لمبی ہونے سے کیا فایدہ ہے۔ اکثر یہ پرندہ پانی کی کم گہرائی کے مقام پر ہوتا ہے۔ تم اُسے دیکھتے ہوگے کہ اپنی لمبی ساقوں سے گویا ایک مقام پر بیٹھکر دیدبانی کر رہا ہے۔ اور وہ غور کرتا رہتا ہے کہ پانی میں کیا چیز چلی۔ پس جب کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جو اُسکی غذا کے قابل ہے تو رسان رسان چند قدم چلکر اُسے پکڑ لیتا۔ اور اگر اُسکی ساقیں چھوٹی ہوتیں اور پھر شکار کی طرف اُسکے پکڑنے کے لئے چلتا تو اُسکا پیٹ پانی سے ملجاتا اور پھولجاتا تو وہ اُس سے خوف کھاتا اور الگ ہو جاتا۔ لہذا اُسکے لئے یہ دو عمود بنائی گئے کہ اپنی ضرورت پوری کر سکے اور اُسکے مطلب میں کچھ خرابی نہ پڑے۔۔۔

پرندے کی خلقت میں جو کئی طرح کی حکمتیں صرف کی گئی ہیں اُنہیں سوچو تم ہر لمبی ساقوں والے پرندے کو دیکھو گے کہ اُسکی گردن بھی لمبی ہے۔ یہ اس غرض سے کہ زمین سے اپنی کھانے کی چیز اُٹھا سکے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لمبی گردن کے بدلے لمبی سی چونچ بنا دیجاتی ہے تاکہ اُس سے اور سہولت و امکان ہو جائے۔

کیا تم۔ ایسا نہیں دیکھتے۔ کہ مخلوقات میں سے جس چیز کو تلاش کرو اُسے نہایت ٹھیک درست اور حکمت کے ساتھ پاؤ گے (ضرور ایسا ہی ہے۔ مخلوقات میں کوئی ایسی چیز نہیں معلوم ہوتی جسمیں انواع و اقسام کی حکمتیں نہ صرف کی گئی ہوں۔ اور جو بالکل اُس شے کے مناسب ہی نہ ہوں)۔

اُن جڑی بوٹیوں کو دیکھو جنہیں یہ پرندے دن میں تلاش کرتے ہیں۔ نہ تو ایسا ہوتا کہ انہیں ملے ہی نہیں۔ اور نہ ایسا ہوتا کہ اکٹھا اور ایک ہی جگہ رکھی ہوئی ملجائے۔ بلکہ تلاش اور چلنے پھرنے سے دستیاب ہوتی ہیں۔ یہی حالت اور مخلوقات کی بھی ہے۔ سبحان اللہ وہی قابل تسبیح و تقدیس ہے جس نے روزی معین کی کس کس طرح سے انکو قوت پہنچائی اور ایسا نہ کیا کہ یہ اسپر قادر بھی نہوسکے۔ کیونکہ خلقت کو اسکی احتیاج ہے۔ اور نہ ایسا بنایا کہ عام طور پر ہر جگہ آسانی سے ملجائے۔ کیونکہ اسمیں کوئی بہتری نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر غذا اکٹھی ایک ہی جگہ جمع کی ہوئی ملجایا کرتی تو بہائیم اسی میں پڑے لوٹا کرتے اور وہاں سے جدا ہی نہوتے۔ یہانتک کہ سوء ہضم پیدا ہوجاتا اور مرجاتے اور انسان بھی فراغت و اطمینان کی وجہ سے نہایت اترا ہٹ نخوت اور تکبر میں پڑجاتے تو بہت سے فسادات پیدا ہوتے اور فواحش ہونے لگتے۔ (اسلئے ایسا بنایا گیا کہ اشیائے غذا ہر قسم کے جاندار کی متفرق مقامات سے حاصل ہوں تاکہ انکی تلاش میں ان جانداروں کی ورزش بھی ہوتی رہے حرکت کی وجہ سے انکی غذا بھی ہضم ہو۔ فکر و خیال کی وجہ سے انکو اترا ہٹ اور نخوت کا بھی موقع نہ ملے ایک ہی مقام پر مجتمع غذا کے ملنے سے ایسا نہو کہ یہ زیادہ کھاجائیں اور سوء ہضم ہوجائے)

تم کچھ جانتے ہو کہ وہ پرندے جو صرف رات ہی کو نکلا کرتے ہیں جیسے اُلّو۔ کیڑے مکوڑے اور چمگادڑ انکی خوراک کیا ہے؟

مفضل..... مجھے تو معلوم نہیں۔

امام علیہ السلام..... ان حیوانات کی خوراک وہ انواع و اقسام کے جانور ہیں جو اس فضا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلاً مچھر۔ پروانے اور ٹڈیوں کی صورت کے پتنگے۔ اور مکڑیاں وغیرہ یہ تمام جانور فضائے آسمان میں پھیلے رہتے ہیں۔ کوئی مقام انسے خالی نہیں رہتا۔

اسے یوں سمجھو کہ جب تم رات کو کسی چھت پر یا صحن میں چراغ روشن کرتے ہو تو اس قسم کے بہت سے کیڑے اسپر جمع ہوجاتے ہیں۔ یہ سب کہاں سے آتے ہیں۔ قریب ہی سے تو آتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جنگلوں اور میدانوں سے آتے ہیں تو اسکو یہ جواب یا جائے گا کہ اسی وقت اتنی دور کے مقامات سے کیونکر آن پہنچتے ہیں۔ اور اتنے فاصلے سے چراغ کو کیسے دیکھتے ہیں جو کسی ایسے مکان میں روشن کیا گیا ہے جسکے گرداگرد اور بہت سے مکانات ہیں۔ باایں ہمہ

یہ تو ایک چشم دید بات ہے کہ یہ کیڑے [illegible] سب سکے [illegible] آسمان [illegible] نکلتے ہین تو انہین پکڑ پکڑ کے اپنی غذا بناتے ہین۔

دیکھو ان شب کے نکلنے والے پرندون کے لئے اس قسم کے فضا مین پھیلے ہوئے کیڑے مکوڑون سے کیونکر روزی پہنچانے کا رستہ نکالا گیا۔

اسی کے ساتھ ان حیوانات کے پیدا ہونے کی غرض بھی سمجھو۔ شاید کوئی خیال کرنے والا یہ خیال کرے کہ یہ تو فضول پیدا ہوئے ہین اُنسے کوئی فائدہ ہی نہین۔

خفاش کو تو ایک عجیب الخلقت جانور پیدا کیا ہے جو پرندے اور چوپائے کے بین بین ہے بلکہ چوپاؤن سے زیادہ قریب ہے۔ اسلئے کہ اُسکے دو کان اوپر کو نکلے ہوئے ہین دانت ہین باریک رونگٹے ہین۔ بچے جنتا ہے دودھ پلاتا ہے۔ بول و براز کرتا ہے جب چلنا چاہتا ہے چارون پیرون سے چلتا ہے۔ یہ سب صفتین پرندے کے برخلاف ہین پھر یہ شب ہی کو نکلتا ہے اور اُن کیڑون پتنگون کو اپنی غذا بناتا ہے جو سما مین منتشر ہین کچھہ لوگ یہ بھی کہتے ہین کہ چمگادڑ تو کچھہ کھاتی ہی نہین اُسکی غذا صرف ٹھنڈی ہوا حالانکہ یہ بات دو وجہون سے غلط ہے ایک یہ کہ اس سے ثفل اور پیشاب دفع ہوتا ہے یہ بے غذا کے ہو ہی نہین سکتا۔ دوسرے یہ کہ اُسکے دانت ہین۔ اگر یہ کچھہ نہ کھاتا ہوتا تو دانت اُسکے بالکل بیکار تھے۔ حالانکہ خلقت مین کوئی ایسی چیز نہین ہے جس سے کوئی فائدہ نہو۔

لیکن اِس جانور (چمگادڑ) کے وجود کے فائدے تو مشہور ہی ہین اُسکی بیٹ بعض عملی چیزون مین داخل کیجاتی ہے۔ اور بڑی غرض تو اُسکی وہ عجیب وغریب ساخت اور خلقت اور اپنی مصلحت اور فائدے کیلئے اُسکا آنا جانا۔ جہان چاہئے اور جسطرح چاہے جو خالق جل شانۂ کی قدرت کو بتا رہی ہے۔

اور وہ پرندہ جسے ابن تمرہ کہتے ہین کبھی کبھی درختون پر آشیانہ بناتا ہے جب کسی بڑے سانپ کو دیکھتا ہے کہ اُسکے گھونسلے کی طرف متوجہ ہوا اور اُسکے نگلجانے کے لئے منہ

ل غالباً اس سے مراد وہ پرندہ ہے جسے ہندوستان مین بیا کہتے ہین ۱۲

کھولا۔ تو نہایت بیچین ہوتا ہے اور کوئی تدبیر تلاش کرتا ہے جسکے سبب سے اُس سے نیچے جوپائے سے حسکہ (خار خشک جسے گوکھرو کہتے ہیں) ملگیا جھٹ اُٹھا لیا اور سانپ کے منہ مین اُوپر سے ڈالدیا اب سانپ لوٹنے لگتا ہے آخر اسکی تکلیف سے مرجاتا ہے

اگر مین تم سے یہ بات نہ بیان کرتا تو کیا تمہارے یا کسی اور کے دل مین اسکا خطور بھی ہوتا کہ حسکہ مین یہ بڑی منفعت ہے۔ یا کوئی سمجھہ سکتا تھا کہ کسی چھوٹے یا بڑے پرندے کو یہ تدبیر سوجھا کرتی ہے اس سے عبرت حاصل کرو۔ اور اسی طرح بہت سی چیزین ہین جنمین غیر معلوم فوائد ہین جو بغیر کسی سننے واقف کے جو بیان کیا جائے۔ یا کسی خبر کے جو سنی جائے معلوم نہین ہوسکتے۔

شہد کی مکھی کو دیکھو اور شہد کے بنانے پر اُنکے متفقہ کوشش سے جمع ہونے اور چھہ پہلوؤن کا گھر بنانے کو غور کرو اور یہ کہ اسمین فطانت کی کیا کیا باریکیان ہین جب تم اُسکے کام پر غور کروگے تو تمہین نہایت ہی عجیب ولطیف معلوم ہوگا۔ اور جب اُنکی بنائی ہوئی چیز کو دیکھوگے تو بہت ہی قابل عظمت پاؤگے جو آدمیون کے لیے کیسی اچھی شریف مصرف کی چیز ہے۔

اور جب کرنے والے جس نے ایسا با فایدہ مکان بنایا اور جس نے پھولون کے عرق سے شہد تیار کیا اور موم پیدا کیا یعنی شہد کی مکھی) کو دیکھوگے تو اُسے نہایت ہی غبی پاؤگے جو اپنے تئین ہی نہین سمجھہ سکتا۔ چہ جائیکہ اور چیزین۔ پس اسمین صاف کھلی دلیل اس بات کی موجود ہے کہ اسکی صنعت کی یہ درستی اور حکمت اس مکھی (شہد کی مکھی) کی وجہ سے نہین ہے بلکہ یہ اُسکی حکمتین ہین جس نے اُنہین اس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اور آدمیون کی مصلحت کیلیے اس کام پر اُسے مجبور کردیا ہے (تاکہ وہ شہد بنایا کرے جس سے انسان فائدہ اُٹھائے کہ اُسے اپنے علاج مین صرف کرسکے۔ اُسکے ذائقہ سے محظوظ ہوسکے)

اس ٹڈی کو دیکھو کیسی کمزور اور پھر کسقدر قوی ہے جب تم اُسکی خلقت اور ساخت کو دیکھوگے تو تمام چیزون سے کمزور پاؤگے اور اگر اُسکا لشکر کسی شہر پر آپڑے تو کسی کو اتنی قوت نہوگی کہ اُس سے اپنے تئین بچاسکے۔

کیا تمہین معلوم نہین کہ روئے زمین کے بادشاہون مین سے اگر کوئی بادشاہ اپنے خیل وحشم کو ٹڈیون سے بچانے کیلیے جمع کرے تو وہ بالکل اُسپر قادر نہوگا کیا یہ بات قدرت خالق تعالےٰ پر

دلیل نہیں ہے کہ وہ اپنی کمزور ترین مخلوقات کو قوی ترین مخلوقات پر بھیجدے اور وہ اُسکے دفعیہ پر قادر نہوں اسے دیکھو تو کہ روئے زمین پر کیسے سیل کی طرح آپڑتی ہے اور کوہ و صحرا میدان و شہر سب کو گھیر لیتی ہے ۔ یہانتک کہ اُسکی کثرت سے آفتاب کی روشنی بھی چھپ جاتی ہے ۔
تو بتاؤ کہ اگر یہ ٹڈیاں ہاتھ سے بنائی نہ جائیں تو کیا اِس کثرت کے ساتھ جمع ہوسکتی تھیں اور کتنے سال اِس میں ختم ہوتے ۔ اِس سے پروردگار نے اپنی قدرت کا ثبوت دیا ہے جس قدرت کو کوئی شے عاجز نہیں کرسکتی اور نہ اُسے کوئی چیز زیادہ معلوم ہوتی ہے ۔
مچھلی کی خلقت اور اُن مناسبتوں کو دیکھو کہ جس حالت پر اُسکا ہونا اور رہنا مقدر ہوچکا ہے کس طرح اُسمیں موجود ہیں ۔
اُسکے لئے ٹانگیں نہیں دی گئیں کیونکہ اُسکو چلنے کی ضرورت نہ تھی ۔ اُسکا مسکن پانی قرار دیا گیا ۔ اُسکے پھیپھڑا نہیں پیدا کیا گیا کیونکہ اُسے سانس لینا ممکن نہیں ۔ (اگر سانس لیتی تو پیٹ میں اُسکے پانی بھر جایا کرتا اور اُس سے فوراً مرجاتی) جبکہ وہ سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے ۔ اسے ٹانگوں کے بدلے سخت پردے گئے جس سے وہ دونوں طرف پانی کو کاٹتی جاتی ہے جیسے ملاح تھاپیوں سے کشتی کے دونوں طرف پانی کاٹتا ہے ۔ اِسکے جسم کو موٹے چھلکوں کا لباس پہنایا گیا جو ایک دوسرے کے اندر متداخل ہیں جیسے زرہ یا جوشن کی کڑیاں ۔ تاکہ اپنے تئیں آفتوں سے بچا سکے ۔ اسے قوت شامہ بہت زیادہ دی گئی ۔ اسلئے کہ نظر اُسکی کمزور ہے اور پانی اسے روکتا ہے تو کھانے کی چیز کو دُور سے سونگھ لیتی ہے اور پھر اُسکے حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ ورنہ کیونکر اُسے محسوس کرسکتی ۔ کہ کھانے کی چیز کیا ہے ۔ کہاں ہے ۔ اور (یہ بھی) جانو کہ اُسکے دہانے سے لیکر دونوں کانوں تک سوراخ بنائے گئے ہیں ۔ مُنہ سے تو پانی پیتی اور اُس راہ سے نکالدیتی ہے اور اِس طرح روح کی ترویح و آسایش کرتی ہے ۔ جیسے اور حیوانات ٹھنڈی ہوائے صبح سے ترویح روح حاصل کرتے ہیں ۔
اب اسکی نسل کی زیادتی کو اور اُسکی خصوصیت کو لحاظ و غور کرو ۔ تم ایک مچھلی کے پیٹ میں اتنے انڈے پاؤگے جنکا زیادتی کی وجہ سے شمار نہیں ہوسکتا ۔ اسکا سبب یہ ہے کہ اور جانوروں کی غذا میں اسکی وجہ سے زیادتی ہوجائے ۔ کیونکہ اکثر حیوانات مچھلیوں ہی کو کھاتے ہیں یہانتک

کہ ورندے بھی جھاڑیوں کے اندر پانی کے کنارے مچھلیوں کی گھات میں بیٹھے رہتے ہیں۔ جہاں آسکے پاس سے ہو کے کوئی مچھلی گزری اور اس نے جھٹ اوچک لیا۔ پس چونکہ درندے بھی مچھلیاں کھاتے ہیں اور پرندے بھی مچھلیاں کھاتے ہیں۔ اور آدمی بھی۔ خود مچھلیاں بھی مچھلیوں کو کھاتی ہیں (بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں) تو اسمیں حکمت یہی ٹھہری کہ جیس کثرت سے اب ہیں اسی قدر رہوں ؛

پھر اگر تمکو خالق عالم کی وسعت حکمت اور مخلوقین کے کمی علم کو جاننا مقصود ہو تو دریا کے وہ انواع اقسام کی مچھلیاں۔ آبی حیوانات۔ سیپ در قسم قسم کے جانوروں کو دیکھو جنکا شمار نہیں ہوسکتا اور نہ جنکے فائدے معلوم ہوسکتے ہیں۔ مگر یکے بعد دیگرے جنہیں انسان اُن ذریعوں سے معلوم کرتا ہے جو پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً قرمز ہے کہ اسکے رنگ کو لوگوں نے یوں جانا کہ ایک مادہ سگ دریا کے کنارے دوڑ رہی تھی۔ اُسے ایک چیز ملی جسے حلزون (یہ ایک کیڑا ہے جو اونٹوں کے چراگاہ میں ہوتا ہے اور رنگ دیتا ہے) کہتے ہیں تو اسکو کھا لیا۔ اس سے اُسکا دہانہ رنگین ہو گیا لوگوں کو جو یہ اچھا سا رنگ معلوم ہوا تو قرمز (جھاؤ کا کیڑا ہے جس سے ریشم کو رنگتے ہیں) کو رنگ بنا لیا۔ اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں جسے لوگ وقتاً فوقتاً اور زمانا فزمانا معلوم کرتے ہیں۔ (اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اب تک معلوم ہی نہیں ہوئیں)

مفضل۔۔۔۔ اتنے میں زوال کا وقت قریب آیا اور مولا۔ نماز کے لیے اٹھے اور فرمایا کل سویرے صبح کو انشاء اللہ تعالے آنا۔ میں وہاں سے واپس آیا۔ اور ان علوم کی وجہ سے جو حضرت نے مجھے تعلیم فرمائے دُگنا خوش تھا۔ اور آپکے اس عطیہ پر نہایت مسرور۔ اور خدا کے اس انعام پر شکر کرتا تھا۔ اور وہ شب بہت ہی خوشی میں بسر کی ؛

تیسرا جلسہ

جب تیسرا دن ہوا تو صبح سویرے ہی میں اپنے مولا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے لئے اجازت مانگی گئی۔ میں داخل مکان ہوا آپنے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا الحمد للہ الذی اصطفانا ولم یصطف علینا۔ اصطفانا بعلمہ وایدنا بحلمہ

من شذ عنا فالنار مأواه ومن تفيأ بظل دوحتنا فالجنة مثواه۔

اے مفضل میں نے تمہارے سامنے انسان کی خلقت اور جس جس طرح میں نے اسکی اصلاح و تدبیر فرمائی ہے۔ اور اسکے حالات کا ادل بدل ہونا اور جو اسمیں عبرت ہے مفصل بیان کر دی اور حیوانات کے حال کی بھی تشریح کر دی۔ اب میں سما (بظاہر اس سے بلندی آسمان اور اسکی فضا مراد ہے) آفتاب۔ چاند۔ ستارے۔ افلاک (حرکت کرنیوالے آسمان) رات۔ دن۔ گرمی سردی۔ ہوائیں عناصر اربعہ (مٹی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ) مینہ۔ بڑے بڑے پتھر۔ پہاڑ۔ کیچڑ۔ چھوٹے پتھر معدنیات۔ نباتات۔ درخت خرما۔ اور عام درختوں کا ذکر کرتا ہوں۔ اور یہ کہ انمیں کیا کیا دلیلیں اور عبرتیں ہیں۔

سما (بلندی و فضائے آسمان) کے رنگ کو دیکھو کہ اسمیں کیا صحیح تدبیر ہے۔ کیونکہ یہ رنگ نظر کے لئے تمام رنگوں کی بہ نسبت زیادہ مناسب اور مقوی ہے۔ یہانتک کہ اطبا بھی اس شخص کے لئے جسکی آنکھ میں کوئی بیماری ہو گئی ہو سبزی کی طرف برابر دیکھنا یا جو اس سے قریب قریب مائل بسیاہی ہو تجویز کرتے ہیں اور حذاق اطبا اس کے لئے جسکی نظر کمزور ہو گئی ہو۔ ایسے لگن میں دیکھا کرنا بتاتے ہیں جسکا رنگ سبز ہو اور اسمیں پانی بھرا ہوا ہو۔ تو دیکھو کہ اللہ جل و تعالیٰ نے آسمان سبز رنگ کا کیونکر بنایا ہے جو مائل بسیاہی ہے تاکہ ان نگاہوں کو روکے جو اسپر بار بار پڑتی ہیں اور دیر تک دیکھنے سے اسمیں خرابی (کوئی خراش) نہ ڈالے پس یہی ایک چیز جسکو لوگوں نے فکر و غور اور تجربوں سے حاصل کیا ہے (یعنی یہ کہ آشوب چشم والے کو سبز رنگ کی طرف دیکھنا چاہئے) وہ خدائی حکمت بالغہ کے ذریعہ سے اسکی خلقت میں منزوع عنہ پائی جاتی ہے (جنہیں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی بلکہ پہلے ہی سے انسان کی ضرورت کیلئے مہیا کر دیا گیا ہے) تاکہ عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں۔ اور ملحدین اسمیں غور کریں۔ اللہ انکو قتل کرے کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔

مفضل! رات اور دن کے قایم کرنے کے لئے آفتاب کے طلوع اور غروب کرنیکی بابت غور کرو

ل حدیث میں لفظ سما ہے جس سے میں فضائے آسمان اور اسکی بلندی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مقابلہ میں اسکے معصوم نے فلک فرمایا ہے جس سے خاص گردش کرنے والا آسمان مراد ہے۔

پس اگر اسکا طلوع نہوتا تو تمام عالم کا کام بھی تباہ و برباد ہوجاتا۔ نہ تو لوگ اپنے معاش کی کوشش کرسکتے۔ اور نہ اپنے کام کرسکتے جبکہ تمام دنیا انکی نگاہ میں تیرہ و تار ہوتی۔ اور روشنی کی لذت اور راحت نہ پانے کی وجہ سے انکی زندگی بھی بامزہ و خوشگوار نہوتی۔

اسکے طلوع کے اغراض تو خیر اس قدر واضح ہیں کہ اسکے بیان میں طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس کے غروب کے فوائد پر غور کرو۔ پس اگر وہ غروب نہوتا تو آدمیوں کو آرام و قرار ہی نہ ملتا۔ باوجودیکہ انکو اپنے بدن کے تئیں راحت دینی اور اپنے حواس کو مجتمع کرنے اور ہضم طعام کے لئے قوت ہاضمہ کو اُبھارنے اور غذا کو اعضا کے اندر نفوذ کرانے کے لئے بڑی سخت ضرورت سکون اور آرام لینے کی ہے؛

پھر اگر غروب آفتاب نہوتا اور رات نہ آتی برابر دن ہی رہتا تو اُنکا حرص انسے برابر اسقدر کام لیتا کہ جس سے اُن کے جسم میں سخت خرابی پیدا ہوتی۔ کیونکہ اکثر آدمی اس قسم کے ہیں کہ اگر یہ رات اُنپر اپنی تاریکی نہ ڈالے تو کسب معاش اور جمع مال اور خزانہ کرنے کی حرص کیوجہ سے بالکل آرام و قرار ہی نہ لیں۔

پھر یہ بھی ہوتا کہ برابر آفتاب کے روشن رہنے کیوجہ سے تمام زمین تپتی رہتی اور جو حیوانات یا نباتات کہ اُسپر ہیں وہ بھی ہر وقت جلتے رہتے (اور اس سبب سے تمام حیوانات و نباتات کو سخت نقصان پہنچتا) لہٰذا اسکے لئے خدا تعالےٰ نے اپنی حکمت و تدبیر سے یہ مقرر کردیا کہ ایک وقت غروب کرے اور ایک وقت طلوع جیسے چراغ کہ مکان والے لوگوں کے لئے ایک وقت میں ضرورتوں کے رفع کرنے کیلئے روشن کردیا جاتا ہے اور اسی طرح پھر اُن سے غایب ہوجاتا ہے (بجھا دیا جاتا ہے) تاکہ انہیں سکون و قرار ملے۔ تو باوجودیکہ نور اور ظلمت دونوں آپسمیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پھر بھی اُن امور کے لئے جنمیں صلاح و درستی عالم ہے کسقدر مطیع و معین ہیں۔ اسمیں مانو یہ فرقہ کی رد ہے جو کہتا ہے کہ تاریکی محض شر ہے اسمیں کوئی خیر و خوبی نہیں۔ حالانکہ ظلمت یعنی تاریکی میں اتنے فواید ہیں جو اوپر بیان فرمائے گئے ؎

پھر سال کے چاروں زمانوں (گرمی۔ سردی۔ ربیع۔ خریف) کے قایم کرنیکے لئے آفتاب کے بلند ہونے اور نیچے کی طرف جھکنے پر غور کرو کہ اسمیں کیا تدبیر و مصلحت ہے (آفتاب کے بلند

ہونے سے مطلب اُسکا خط استوار سے جانب شمال آنا اور انحطاط سے مطلب جانب جنوب چلا جانا ہے جو نظام بطلیوسی سے اور نیز ارصادات کواکب سے ثابت ہے۔ کہ آفتاب کی بیراہ مدارات یومیہ جانب جنوب و شمال حرکت ہوتی رہتی ہے۔ اسی سے اعتدال ربیعی۔ اعتدال خریفی انقلاب صیفی انقلاب شتوی پیدا ہوتے ہیں۔ جس زمانہ میں اسکا میل جانب شمال ہوتا ہے تو شمالی ملکوں میں گرمی ہوتی ہے۔ اور جب جانب جنوب چلا جاتا ہے تو شمالی حصوں میں سردی ہوتی ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس اسکے برعکس جنوبی ملکوں میں ہے۔ انہیں دو زمانوں کے درمیانی رفتار آفتاب میں فصل ربیع و فصل خریف ہوتی ہے ؀

جاڑے میں درخت اور دیگر نباتات میں حرارت عود کر آتی ہے اور انہیں پھلوں کے مادے پیدا ہوتے ہیں (اس وجہ سے کہ سردی کی وجہ سے مسامات ہر شے کے بند ہوجاتے ہیں اور حرارت اُسکے اندر ہی گھٹی رہتی ہے۔ یہی وہ اصلی حرارت اُسکی ہوتی ہے جو پھلوں کے مادوں کو تیار کرتی ہے۔ اگر سردی سے حرارت کا محتبس ہونا مثال سے سمجھنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ اس زمانہ میں کنووں کا پانی گرم ہوتا ہے اسلئے کہ زمین کی حرارت باہر نہیں نکل سکتی۔ اُسکے مسامات بند ہوجاتے ہیں۔ بخلاف اسکے گرمیوں میں کنووں کا پانی ٹھنڈا ہوجاتا ہے۔ اسلئے کہ حرارت بسبب مسامات کے کھلے رہنے کے نکلتی رہتی ہے)

اور ہوا میں تکاثف پیدا ہوتا ہے جس سے ابر اور مینہ پیدا ہوتے ہیں اسی فصل میں حیوانات کے بدن قوی اور مضبوط ہوتے ہیں۔

فصل ربیع میں بھی حرارت (طبیعی) حرکت میں آتی ہے اور اُس مادہ کا ظہور ہوتا ہے جو سردی کے موسم میں پیدا ہوا ہے۔ اس سے نباتات میں خوشے لگتے ہیں۔ درختوں میں پھول آتے ہیں۔ حیوانات کو ہیجان شہوت ہوتا ہے۔

گرمی میں ہوا گرم ہوجاتی ہے جس سے پھل پختہ ہوتے ہیں اور جسم کے رطوبات فضلیہ تحلیل ہوتے ہیں۔ زمین خشک ہو کر عمارت بنانے اور نیز اور کاموں کے قابل ہوجاتی ہے۔

خریف میں ہوا صاف ہوجاتی ہے۔ امراض دفع ہوجاتے ہیں۔ بدن صحیح ہوتے اور رات طولانی ہوجاتی ہے۔ تو اسمیں بعض بعض کام اطمینان کے ساتھ اُنکی طولانی ہونے کی وجہ سے ہوسکتے ہیں

اس فصل میں اور مصلحتوں کے لئے بھی ہوا بہت اچھی ہوتی ہے۔ اگر میں اُن سب کا ذکر کروں تو طول کلام ہو جائیگا۔

آفتاب کا بارہ برجوں میں انتقال اور اسکی حکمتیں

اب سال کا دَور قایم کرنے کیلئے آفتاب کے بارہ برجوں میں منتقل ہوتے رہنے پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ اسمیں کیا حکمت ہے یہ وہی دَور ہے جس سے سال کے چاروں زمانے۔ جاڑا۔ ربیع گرمی اور خریف درست ہوتے ہیں اور یہی دوران چاروں کو پورا کرتا ہے۔ آفتاب کے اسقدر دورے اور گردش میں غلّے اور پھل تیار ہوتے ہیں اور انسان کی غرض و غایت تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ عود کرتے اور نشو و نمو شروع کرتے ہیں۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ برج حمل سے برج حمل تک آفتاب کے سیر کی مقدار کا نام سال ہے پس سال اور ایسی ہی چیزوں (مہینوں ہفتوں وغیرہ) سے زمانہ کا شمار و پیمانہ اُسوقت سے کیا جارہا ہے جب سے خدا تعالےٰ نے عالم کو پیدا کیا ہے۔ گذشتہ ہر زمانے اور ہر عصر میں بھی یہی ہوتا رہا۔ اس سے لوگ عمروں اور قرض و اجارہ اور دیگر معاملات وغیرہ کاموں کی معین مدتوں کا حساب لگاتے ہیں۔ دورِ آفتاب ہی کی رفتار سے سال پورا ہوتا اور زمانہ کا حساب صحت کے ساتھ قایم ہوتا ہے۔

آفتاب کا زمین پر بعض حصے کا اندازہ اور اسکی حکمتیں

دیکھو کہ آفتاب کسطرح عالم پر اپنی روشنی ڈالتا ہے اور کس حکمت سے ایسا ہونا اسکے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ پس اگر آسمان کے صرف ایک مقام پر روشن رہتا۔ وہیں ٹھہرا رہتا۔ وہاں سے نہ کھسکتا تو اُسکی شعاع اور اُسکا فائدہ اکثر سمتوں میں نہ پہنچتا اس لئے کہ پہاڑ اور دیواریں اس سے مانع ہوتیں۔ لہذا ایسا بنایا گیا کہ دن کے پہلے حصّے میں مشرق سے طلوع کرے اور اپنے سامنے والی مغرب کی تمام چیزوں پر روشنی ڈالے۔ پھر برابر گردش کرتا رہے اور ایک سمت کے بعد دوسری سمت پر پھیلتا رہے۔ یہانتک کہ جب مغرب میں پہنچ جائے تو اُن تمام چیزوں پر روشنی ڈالے جنپر اُسکی تابش دن کے اول حصے میں نہیں پہنچی ہے۔ تاکہ کوئی ایسا مقام باقی نہ رہجائے۔ جو فائدہ کا ایک حصّہ اور وہ غرض نہ حاصل کرے۔ جسکے لئے ایسا کیا گیا ہے (یعنی اس قسم کی گردش آفتاب بنائی گئی ہے) اور اگر ایک سال تک یا سال کے کچھ ہی حصّہ میں اسکے برخلاف ہو جائے تو بتاؤ بھلا آدمیوں کا کیا حال ہو۔ بلکہ اس صورت میں وہ زندہ ہی کیونکر رہیں

کیا انسان ایسی بڑی بڑی باتوں کو دیکھتا نہیں جنہیں اُسکی کوئی تدبیر نہ چل سکتی تھی وہ خود اپنے قانون و قواعد پر جاری ہو گئے نہ سستی کرتے ہیں اور نہ اپنی اوقات معینہ سے جو نظام و بقائے عالم کے لئے ضروری ہے پیچھے رہجاتے (بلکہ جس طرح کی ضرورت نظام عالم کے قایم رکھنے کے لئے پڑتی ہے اسکو وہ باقاعدہ جاری کی ہوئی چیزیں انجام دیتی رہتی ہیں جیسے یہی حرکت آفتاب ہے کہ اس سے کس طرح باقاعدہ نظام عالم قایم ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آفتاب آپ ہی یہ انتظام ہو گیا ہو کیا آفتاب کے مادے یا صورت میں یہ ادراک ہے جو ایسا کرے؟ کیا آفتاب کو زمین کی چیزوں سے کوئی رشتہ ہے جو اُسے نباتات و حیوانات کے فائدہ رسانی کیلئے آمادہ کرتا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور مدبر نے جسنے زمین کی چیزوں کو پیدا کیا اور جنکی مصلحت آفتاب کی حرکت اور اُسکی روشنی کے اثر پر قرار دیتی تھی اُسی نے اس آفتاب کو بھی پیدا کیا اور اُسکو باقاعدہ گردش کرنیوالا بنایا تاکہ نظام اشیائے نباتی و حیوانی و جمادی قایم رہے فتبارک اللہ احسن الخالقین)

اللہ تعالیٰ نے چاند کے ذریعے سے (بڑا) ثبوت پیش کیا ہے۔ اسمیں ایک بڑی رہنمائی ہے عامہ خلایق اسکو مہینے کے شمار میں استعمال کرتے ہیں۔ اسکے مطابق سال کا حساب درست نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسکا دورہ نہ تو چاروں فصلوں کو پورا کرتا ہے نہ پھلوں کے پیدا ہونے اور اُسکی پختگی کو (پورا کرتا) اسی وجہ سے قمری مہینے اور سال۔ شمسی مہینوں اور سال سے مختلف ہوتے ہیں چونکہ قمری مہینے بدلتے رہتے ہیں تو کبھی وہی ایک مہینا گرمی میں واقع ہوتا ہے کبھی سردی میں (مثلاً کبھی رجب کا مہینہ جو قمری حساب سے ہے جنوری میں واقع ہوتا ہے جو شمسی مہینا ہے اور کبھی مارچ میں علی ہذا القیاس اور مہینوں کا حال ہے یا مثلاً محرم ہی ہے کہ کبھی گرمیوں میں واقع ہوتا ہے کبھی برسات میں کبھی جاڑوں میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری اور شمسی مہینے بدلتے رہتے ہیں ایک دوسرے کے مطابق اور حساب میں برابر نہیں ہیں)

اسی بات پر غور کرو کہ یہ (چاند) شب کے وقت کیوں روشن ہوتا ہے اور اسمیں حکمت کیا ہے جانداروں کے سکون و قرار اور نباتات کو برودت پہنچانے کیلئے تاریکی کی ضرورت ہے پھر بھی اسمیں یہ خوبی نہ تھی کہ رات بالکل ہی گھپ اندھیری ہو روشنی بالکل ہو وے ہی نہیں کہ کوئی کام بھی اسمیں ممکن نہو۔ اسلئے کہ اکثر رات کے وقت بھی آدمیوں کو کام کی اس سبب ضرورت

ہوتی ہے کہ بعض کاموں کے لئے دن کا وقت تنگ ہوتا ہے یا گرمی کی شدت و افراط کے سبب سے (دن کو آدمی کام نہیں کر سکتا) تو وہ چاند کی روشنی میں بھی چند کام کرتا ہے جیسے زراعت۔ دودھ دوہنا۔ لکڑی کاٹنی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا چاند کی روشنی اسلئے بنائی گئی ہے کہ آدمیوں کے کسب معاش میں معین ہو۔ جب کبھی اسکی ضرورت پڑے۔ اور راہ گیروں کو چلنے میں دلجسپی رہے۔ اور اسکا طلوع رات کے کسی کسی حصہ میں قرار دیا گیا (نہ برابر تمام رات میں) اور مقدار آفتاب کی روشنی سے اسکی روشنی کم رکھی گئی۔ اسلئے کہ لوگ اسی طرح کام کرنے لگیں جیسے دن میں کام کرتے ہیں اور آرام ہی نہ لیں۔ تو پھر مر ہی جائیں۔ (یعنی اگر چاند کی روشنی بھی تمام رات قایم رہا کرتی اور اسکی تیزی بھی اتنی ہی ہوتی جتنی آفتاب کی ہے تو حریص آدمی شب کے وقت آرام نکرتے بلکہ اسی طرح کام دھندے میں لگے رہتے جیسے دن کو مصروف رہتے ہیں۔ پھر تو بیمار ہوجاتے۔ ہلاکت تک نوبت پہنچتی پس چونکہ ایسا ہونا نظام عالم کے لئے مفید نہ تھا اسلئے اسکی روشنی مدھم بنائی گئی اور ایسا مقرر ہوا کہ تمام رات نہ روشن رہا کرے تاکہ انتظام عالم میں خلل نہ پڑے) چاند کے تغیرات میں جو رویت ہلال کے وقت اور محاق ہیں۔ نیز گھٹنے بڑھنے اور گہن لگنے سے ہوتے ہیں خاصکر اس امر کی تنبیہ ہے کہ کسی باقدرت خالق نے یہ تغیرات اسمیں صلاح عالم کے واسطے مقرر کئے ہیں جس سے عبرت حاصل کرنیوالے عبرت لے سکتے ہیں۔ (یعنی غور کرنیوالے ان تغیرات سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آخر چاند میں کمی زیادتی۔ گہن وغیرہ کیوں پڑتے ہیں اسکا بھی کسی خاص مدبر کی کاریگری ہے جس نے نظام عالم کے واسطے ایسا کیا ہے)

مفضل! (ذرا) ستاروں اور انکے اختلاف رفتار پر غور کرو۔ بعضے تو ایسے ہیں جو اپنے مرکز (و مقام) سے جو آسمان میں انکے لئے مقرر ہے جدا ہوتے ہی نہیں۔ اور اگر انکو گردش ہوتی ہے تو ایک ساتھ ہی ہوتی ہے (جیسے ثوابت ستارے جو اپنے مرکزوں پر قایم ہیں۔ اور گردش فلکی کی وجہ سے مجتمعاً وہ گردش کرتے معلوم ہوتے ہیں مگر خود وہ اپنے مرکز اصلی کو نہیں چھوڑتے) اور بعض اس سے چھوٹے ہوئے ہیں (یعنی وہ متحرک ہوتے ہیں) کہ برجوں میں آتے جاتے رہتے اور رفتاریں بھی مختلف ہیں (مثلاً کسی کا دورہ بارہ مہینے کا ہے کسی کا صرف ایک مہینے کا کسی کا اٹھارہ مہینے کا اور علیٰ ہذا القیاس) اور انہیں سے ہر ایک کے لئے دو مختلف رفتاریں

ہیں ایک تو عام ہے جو فلک الافلاک کی گردش کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف ہوتی ہے۔ (جو روزانہ کے طلوع و غروب سے معلوم ہو سکتی ہے) دوسرے تو اُسکی ذاتی رفتار ہے جو مشرق کی طرف ہوتی ہے جیسے وہ چیونٹی کہ چکی کے پاٹ پر پھرتی ہو۔ چکی تو دائیں جانب گردش کرتی ہے اور چیونٹی بائیں جانب اِس صورت میں چیونٹی کو دو قسم کی مختلف حرکتیں ہونگی ایک اُسکی ذاتی رفتار ہے جو اپنے سامنے کی طرف ہوگی۔ دوسری بلا ارادہ چکی کے ساتھ ساتھ جو اُسے پیچھے کی طرف کھینچتی ہوگی (یہ مسئلہ علم ہیئت کے مسایل میں سے نہایت ہی لطیف ہے اور مثال بھی بے نظیر ہے۔ فلسفۂ ہیئت نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ سیارات اپنی اصلی حرکت سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ یہ بات چاند کی حرکت پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے کہ پہلی شب میں کہاں طلوع کرتا ہے اور دوسری شب میں اُس سے کسقدر مشرق کی طرف۔ پھر تیسری شب میں دوسری شب سے زیادہ مشرق کی طرف یہانتک کہ بارہ تیرہ تاریخ کو ٹھیک مشرق سے طلوع کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہی حال آفتاب کا بھی ہے کہ مغرب سے مشرق کی طرف آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور سیارات زہرہ۔ مشتری۔ مریخ۔ عطارد۔ زحل کی بھی ذاتی حرکت یہی ہے مگر چونکہ فلک الافلاک کی گردش مشرق سے مغرب کی طرف ہے جیسا کہ صرف بارہ گھنٹے کے ایک دن میں یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ آفتاب کہاں سے نکلا اور کدھر چلا گیا تو یہ تمام سیارات اپنی اصلی حرکت کے ساتھ ساتھ فلک الافلاک کی گردش کے بھی تابع ہیں۔ خود تو آہستہ آہستہ اپنی ذاتی حرکت سے مغرب کی طرف سے مشرق کو آتے ہی ہیں۔ مگر قسری (غیر ذاتی) حرکت سے مشرق کی طرف سے مغرب کو چلے جاتے ہیں لہذا چیونٹی کی مثال بالکل ٹھیک ہوگئی۔ جو چکی کی حرکت کے برخلاف چل رہی ہو۔ وہ اپنی حرکت سے ضرور بائیں طرف چلی جاتی ہے گو چکی اُسے دائیں جانب لئے جاتی ہے مگر وہ چکی کے پورے حلقے کو اپنی اصلی حرکت سے بائیں رُخ پر پورا کر ہی دیگی)

اب ان لوگوں سے پوچھو جو اِس امر کا دعوے کرتے ہیں کہ یہ ستارے جس حالت و کیفیت پر اب ہیں اسی طرح پر سے کسی خالق و صناع کے بنائے ہیں۔ کسی نے بارادہ انکو نہیں بنایا ہے کہ آخر کس چیز نے روک دیا تھا کہ تمام ستارے ثوابت ہی نہ ہو گئے یا سب کے سب سیارے نہ ہو گئے

(ایسا کیوں ہوا کہ کچھ تو غیر متحرک ہوئے اور کچھ متحرک اسکا سبب کیا ہے) کیونکہ بغیر خالق کے پیدا ہو جانا تو امر واحد ہے (اسمیں اختلاف کیسا) تو یہ دو مختلف حرکتیں خاص انداز و مقدار پر کیوں ہوتی ہیں (کمی زیادتی کیوں نہیں ہوتی۔ ایک ہی رفتار سب کی کیوں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں قسموں کے ستاروں کی اس طور پر گردش جواب ہی کسی ارادے۔ تدبیر حکمت اور تقدیر (اندازہ) سے ہوئی ہے۔ مہمل یعنی بلا خالق کے نہیں ہے جیسا ان معطلین (دہریوں) کا دعوے ہے۔

اب اگر کوئی معترض یہ کہتے کہ پھر بعض ستارے ثوابت کیوں ہوئے اور بعضے سیار کیوں؟ تو ہم اسکو یہ جواب دینگے کہ اگر سب کے سب ثوابت ہوتے تو وہ شناختیں اور دلالتیں نہ رہجاتیں جو ان سیارات کے ایک برج سے دوسرے برج میں جاتے اور منتقل ہوتے رہنے سے معلوم ہوتی ہیں چنانچہ عالم کی بہت اشیا رحادثہ آفتاب در باقی ستاروں کے اپنے اپنے منازل میں منتقل ہوتے رہنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ منجمین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے) (لہذا وہ فائدے جو صرف چند ستاروں کے متحرک ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً فصلوں کا معلوم کرنا حوادث کا پتہ لگانا وغیرہ وغیرہ وہ فوت ہو جاتے) اور اگر سب کے سب سیار اور متحرک ہوتے تو انکی معروف منزل اور کوئی معلوم علامت نہوتی۔ کیونکہ اگر واقفیت ہوتی ہے تو اسی سے کہ کواکب سیارہ اپنے اپنے معین برجوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ کسی راہ چلنے والے کی رفتار کا اندازہ منزلوں سے ہوتا ہے (کہ ایک منزل چلا یا دو منزل یا چار منزل اگر میل یا کوس یا منزلیں نہ بنی ہوتیں تو انکی رفتار کا اندازہ نہایت دشوار تھا۔ علی ہذا القیاس اگر یہ ستارے سب متحرک ہوتے اور انکی حرکتیں بھی مختلف ہوتیں۔ تو انکی رفتار کا اندازہ ناممکن ہوتا۔ اول تو اس وجہ سے کہ لاکھوں ہی ہیں کہاں تک کوئی محاسب یا منجم انکا حساب لگا سکتا۔ دوسرا اس وجہ سے کہ کوئی مشرق میں ہے کوئی مغرب میں کوئی شمال میں کوئی وسط میں کوئی انتہا میں۔ کوئی کہیں کیلئے کہیں تو انکے منازل مقرر کرنے بھی بالکل ناممکن ہوتے۔ تیسرے اس وجہ سے کہ ان سب کا بارہ برج مشہور میں سے ہو کر جانا ہی محال ہے لہذا اندازہ بھی ناممکن ہوتا تو غرض اصلی جو انکے موجود ہونے اور حرکت کرنے سے ہے سب لغو اور مہمل ہو جاتی)

اور اگر سب کے سب ایک ہی حالت پر حرکت کرتے ہوتے تو انکا نظام ایک دوسرے سے مخلوط ہو کر وہ غرضیں جو انہیں قرار دی گئی ہیں فوت ہو جاتیں۔

اور پھر کسی کہنے والے کو بھی حق حاصل ہوتا کو وہ یہ کہ سکتا۔ اُنکا ایک ہی حالت پر حرکت کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ انکا کوئی مدبر و خالق نہیں ہے جس طرح ہم (اِس اختلاف رفتار سے) اُسکا وجود ثابت کرتے ہیں۔ لہذا (معلوم ہوا) کہ اُن کے اختلاف رفتار و تغیرات اور انکی حرکتوں کے اغراض و مصلحت میں کھُلی ہوئی دلیل اِس بات کی ہے کہ انہیں تدبیر و ارادہ سے کام لیا گیا ہے۔ (کسی مدبر خالق نے انکو باقاعدہ حرکت دی ہے اور اختلاف حرکت قایم کیا ہے تاکہ لوگ انسے فایدہ اٹھا سکیں)

ان ستاروں کی بابت غور کرو جو سال کے کسی حصہ میں ظاہر ہوتے ہیں اور کسی سال چھپ جاتے ہیں جیسے ثریا۔ جوزا۔ دونوں ستارہائے شعری۔ اور سہیل۔ اگر یہ تمام ستارے ایک وقت میں ظاہر ہوا کرتے تو انہیں سے کوئی ایسی نشانی نہ بن سکتا جسے لوگ پہچانتے اور جانتے اور اپنے امور میں اُس سے ہدایت پالتے۔ جیسے کہ اب ثور و جوزا وغیرہ کے طلوع و غروب سے (واقعات وغیرہ) کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ لہذا ہر ایک کا طلوع و غروب خاص خاص موقعوں میں اسلئے قرار پایا کہ لوگ اُن باتوں سے فائدہ اُٹھائیں جنھیں یہ ستارے علیحدہ علیحدہ بتاتے ہیں

اور جیسا کہ ثریا وغیرہ خاص خاص مصلحتوں کے لئے کسی وقت طلوع کرتے اور کسی وقت غروب کرتے ہیں اسی طرح بنات النعش ایسے بنائے گئے کہ ہمیشہ ظاہر ہی رہیں غایب ہوتے ہی نہیں کیونکہ اسکی اور خاص غرض ہے۔ وہ یہ کہ یہ ستارے بمنزلہ ایک نشان کے ہیں جس سے لوگ جنگل اور دریا میں نامعلوم راہوں کو معلوم کر لیتے ہیں۔ چونکہ یہ ستارے کبھی چھپتے ہی نہیں تو جب انسانوں کو کسی طرف کی راہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جھٹ اسے دیکھ لیتے ہیں۔

یہ دونوں باتیں باوجود اپنے اختلاف حالات کے غرض اور مصلحت ہی میں صرف کی گئی ہیں (کوئی انیں سے بیکار یا نقصان دہ نہیں ہے)۔

(علاوہ بریں) اسمیں بہت سے کاموں کے اوقات کی شناخت اور دلالت ہے

بنات النعش کبھی نہیں غائب ہوتے

ستاروں کا طلوع و غروب

مثلاً زراعت۔ باغبانی خشکی یا دریا کا سفر۔ اور اور چیزوں کی بھی شناخت ہوتی ہے جو مختلف زمانوں میں ہوتے رہتے ہیں مثلاً مینہ کا برسنا۔ ہواؤں کا چلنا۔ گرمی کا ہونا۔ جاڑوں کا آنا۔ نیز اندھیری راتوں میں چلنے والے وحشتناک میدانوں اور خوفناک دریاؤں میں اپنے رستہ پاتے ہیں۔ اسکے علاوہ یہ ستارے جو آسمان پر کبھی آگے کو جاتے ہیں کبھی پیچھے کو ہٹتے ہیں کبھی مغرب کی طرف جاتے ہیں اور کبھی مشرق کی طرف اسمیں بہت سی عبرتیں ہیں۔

چونکہ چاند اور سورج دونوں کواکب نہایت تیز رفتاری سے چلتے ہیں تو اگر ہم سے قریب ہوتے اور ہمیں اُنکی سرعت رفتار ویسی ہی محسوس ہوتی جیسی انکی اصلی حالت ہے تو کیا تمہارا خیال ہے کہ اسکی لپک اور شعاع سے آنکھیں نہ چندھیا جاتیں جیسے بعض اوقات بجلی کی چمک سے ایسا ہوتا ہے کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں جبکہ پے درپے کوندنے لگتی اور آگ کی طرح زمین و آسمان کے درمیان مشتعل معلوم ہوتی ہے۔ اسکی یہ بھی مثال ہے کہ اگر چند آدمی ایسے مکان میں ہوں جسکی چھت میں قندیلیں روشن ہوں اور بہت زور سے اُن کے گرد گردش کر رہی ہوں تو ضرور انکی آنکھیں پتھرا جائیں گی یہانتک کہ منہ کے بھل گر پڑیں گے (پس اگر اس سرعت رفتار کے ساتھ ستارے ہمارے قریب ہوتے اور تیزی کے ساتھ سن سن ہماری آنکھوں کے سامنے گردش کرتے ہوئے چلتے تو کسی طرح نظر انپر نہ ٹھہر سکتی۔ اور لوگ گھبرا گھبرا کر گر پڑتے) تو دیکھو کہ کس طرح یہ بات مقرر کر دی گئی۔ کہ انکی رفتار ہم سے بہت فاصلے پر ہوا کرے تاکہ نگاہوں کو نقصان نہ پہنچائے اور اسمیں بیماری نہ پیدا کر دے اور اسقدر تیز رفتار اسلئے بنائے گئے کہ جسقدر انکی سیر و رفتار کی ضرورت ہے اسمیں بھی خلل نہ پڑے۔

ان ستاروں میں تھوڑی تھوڑی روشنی دی گئی۔ تاکہ جب چاند نہو تو یہ اُسکی جگہ پر روشنی کا کام دیں۔ اور جب چلنے پھرنے کی ضرورت ہو تو انکی ضو میں چلنا پھرنا ممکن ہو سکے چنانچہ آدمی کو کبھی اس بات کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ وہ شب میں چلے تو اگر کچھ بھی روشن نہوتے جس سے وہ راہ پا سکتا تو اسکو اپنے مقام سے ہلنا بھی دشوار ہوتا۔

اس لطف و حکمت پر غور کرو جو اس قسم کی خلقت و تقدیر اور ایک خاص اندازہ پر کسی چیز کو بنانے میں قایم کی گئی ہے کہ تاریکی کی بھی ایک مدت قرار دی گئی کیونکہ اسکی ضرورت تھی اور اسکے اندر

یہ ضو بھی قرار دی گئی جس سے وہ اغراض پورے ہوں جنہیں ہمنے بیان کیا۔
اس فلک پر مع اسکے آفتاب ماہتاب ستارے اور برجوں کے غور کرو جو ایک خاص اندازہ اور مقدار کے ساتھ جہان کے گرد اپنی اس دایمی گردش سے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ اسلیئے کہ رات۔ دن۔ اور ان چار دن فصلوں کے اختلاف میں خود زمین اور زمین کے رہنے والے مختلف حیوانات اور نباتات کیلیئے بہت سی مصلحتیں ہیں چنانچہ میں نے ابھی تم سے بیان کر ہی دیا ہے۔ کیا کوئی عقل والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی بااندازہ تدبیر و اصلاح جس سے نظام عالم میں درستی و حکمت قایم رہے بغیر کسی مقدر حکیم کے ہو گئی ہے۔
پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ بخت و اتفاق سے ایسا ہو گیا ہے (کسی خالق کی کاریگری اسمیں نہیں ہے) تو یہی بات وہ اس دولاب (چرخ یا رہٹ جس سے پانی کھینچ کھینچکر باغوں اور کھیتوں میں پہنچایا جاتا ہے) کی بابت بھی کیوں نہیں کہتا جسے وہ پھرتے ہوئے اور کسی ایسے باغ کو سینچتے ہوئے جس میں درخت اور نباتات لگے ہوئے ہیں دیکھتا ہے۔ (اسمیں بھی یہی کہدے کہ یہ رہٹ آپ ہی آپ چلتا ہے۔ آپ ہی آپ بنگیا ہے اسکا کوئی بنانیوالا نہیں) کیونکہ اسکے بھی تمام آلات کو وہ دیکھتا ہے کہ معین اندازہ سے بنائے گئے ہیں اور ایک جزو دوسرے جزو سے اسی قاعدہ پر ملا ہوا ہے جس میں اس باغ کی اور اسکے اندر کی چیزوں کی بہتری ہے۔ اور اگر وہ یہی بات اس دولاب کی بابت بھی کہے (کہ یہ آپسے آپ ہی بنگیا ہے اسے کسی نے نہیں بنایا) تو کیونکر اسکے لیئے یہ ثابت کیا جائیگا کہ اسکا کوئی بنانیوالا ہے) اور تمہارے نزدیک لوگ ایسے کہنے والے کو کیا کہیں گے جب اس سے اس بات کو سُنیں گے یہی کہیں گے کہ بڑے احمق بدمغز بیوقوف خرد ماغ۔ دیکھتا نہیں کہ رہٹ کی طبیعت اور اسکا مادہ جو خود بے عقل و ادراک چیز ہے کیا ایسا کرسکتا ہے کہ اس اندازے اور ترتیب کے ساتھ باغ کی تمام مناسبتوں کے لحاظ سے ایسا رہٹ بنا دے؟ کیا کوئی عقل اسے تسلیم کریگی؟)
کیا ایک لکڑی کے بنے ہوئے دولاب میں جو تھوڑی سی تدبیر و حکمت سے صرف ایک قطعہ زمین کے فائدے کے لیئے بنایا گیا ہے۔ اس بات کے کہنے سے انکار کریگا کہ اسکا کوئی بنانیوالا نہیں ہے کسی نے اسے باندازہ و حکمت نہیں بنایا ہے اور اتنے بڑے دولاب (چرخ آسمان)

کی نسبت جو ایسی ایسی حکمتوں کے ساتھ بنا ہے جسکے سمجھنے سے انسانی ذہن عاجز ہیں اور جس میں تمام روئے زمین اور اُسپر کی کل چیزوں کا فائدہ ہے کہہ سکیگا کہ یہ ایک اتفاقی چیز ہے بخت و اتفاق سے بے صناعی اور بے تقدیر و اندازہ بنگیا ہے۔ اگر آسمان کی کوئی کل ویسے ہی بگڑ جائے جیسے لکڑی کے بنے ہوئے آلات بگڑ جاتے ہیں تو انسانوں کے پاس کوئی ایسی تدبیر ہے جس سے اُسکو ٹھیک کر سکیں؟ (توبہ لاحول ولا قوۃ خیال تک بھی نہیں ہو سکتا تدبیر کیسی۔ یہ تو دہریوں کی صرف ہٹ دھرمی ہے جو ایسا کہتے ہیں ورنہ بھلا کہیں عقل بھی ایسی احمقانہ بات کہنے کی رائے دیسکتی ہے؟)

مفضل! ذرا رات دن کی مقدار پر غور کرو کہ مخلوقات کی بہتری کیواسطے کس طور پر قایم ہوئے ہیں۔ اِن دونوں میں سے ہر ایک کی حد جب پندرہ گھنٹے تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اُس سے زیادہ نہیں بڑھتے (حضرت کا یہ ارشاد معظم بلاد اور معمورات کی نسبت ہی ورنہ عرض تناثیں و تسعین پر قطب کے قریب قریب تقریباً چھ چھ مہینے کے دن اور رات ہوتے ہیں۔ حضرت نے صرف اُن مقامات کا ذکر فرمایا ہے جہاں آبادی ہے نہ وہاں کا جہاں کسی جاندار کا رہنا ہی تقریباً محال ہی)

کیا تم جانتے ہو کہ اگر دن کی مقدار سو یا دو سو گھنٹوں کی ہو جاتی تو تمام حیوانات و نباتات فنا ہو جاتے (یقیناً مر جاتے اور فنا ہو جاتے) حیوانات تو اِس وجہ سے کہ اِس طویل مدت میں نہ دم لیتے نہ آرام و قرار۔ اور بہایم بھی چرنے سے باز نہ آتے (اگر اِن کو دن کی اتنی طولانی روشنی ملا کرتی) آدمی بھی کام نہ چھوڑتے نہ چلنا پھرنا۔ لہذا سب کے سب (تھوڑے زمانہ میں) ہلاک اور تلف ہو جاتے۔

رہے نباتات جب اُنپر اتنی دیر تک دن کی گرمی اور آفتاب کی لپٹ پڑتی تو خشک ہو کر جل جاتے۔

علیٰ ہذا القیاس رات ہے کہ اگر اسی قدر (سو گھنٹے یا دو سو گھنٹے) بڑھجاتی تو تمام قسم کے حیوانات کو چلنے پھرنے اور طلب معاش میں کوشش کرنے سے باز رکھتی یہانتک کہ بھوکے ہی مر جاتے۔ اور نباتات کی حرارت طبعیہ (حرارت غریزیہ) ہی فنا ہو جاتی یہانتک کہ اُنمیں عفونت پیدا ہوتی اور پھر وہ خراب ہو جاتے۔ جیسا کہ تم اُن نباتات کو دیکھتے ہو جو ایسے مقامات

پر ہوتے ہیں جہاں دھوپ نہیں پڑ سکتی۔

اس گرمی اور سردی کو غور کرو کہ اپنے گھٹاؤ بڑھاؤ اور اعتدال اور سال کی چاروں فصلوں کے قایم کرنے کے لئے کس طور پر تمام عالم میں یکے بعد دیگرے آتی جاتی اور اس قسم سے اپنا عمل کرتی ہیں۔ اور دیکھو کہ انہیں مصلحت کیا ہے۔

پھر یہبی کہ اجسام کی اصلاح اور دباغت بھی اسی میں ہے (جس سے بظاہر مراد یہ ہے کہ فصلوں کے بدلنے کے ساتھ جسم کی ہلکی ہلکی جھلیاں بھی اتر کر دوسری جھلی اور نئی کھال پیدا ہوتی ہے) جس سے انکا بقا اور انکی درستی قایم ہے۔ کیونکہ اگر یہ گرمی اور سردی نہوتی اور اجسام پر یکے بعد دیگرے انکا توارد نہوتا رہتا تو خراب و فاسد ہو جاتے۔ ٹوٹ پھوٹ جاتے دبلے اور لاغر ہو جاتے

ان دونوں (گرمی اور سردی) کے بتدریج و آہستگی ایک دوسرے میں داخل ہو جانے کو غور کرو۔ تم دیکھتے ہوگے کہ انمیں سے ایک تو تھوڑی تھوڑی گھٹتی ہے اور دوسری اسی تدریج سے بڑھتی ہے۔ یہانتک کہ اپنی کمی اور زیادتی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر ایک دوسری پر یکبارگی وارد ہوتی (یعنی یکدم میں گرمی بڑھجاتی سردی گھٹ جاتی یا سردی بڑھجاتی اور گرمی کم ہوجاتی) تو بدنوں کو اس سے سخت نقصان پہنچتا اور بیمار ہوجاتے۔ جیسے کوئی شخص کسی گرم حمام سے ایکبارگی سرد مقام پر چلا آئے تو اُسے اس سے نقصان پہنچیگا اور وہ بیمار ہوجائیگا۔ لہذا خالق عزوجل نے گرمی اور سردی کی یہ تدریج اسلئے قایم کی ہے کہ یک بیک آجانے سے نقصان نہ پہنچے اور یہ اُسکے یک بیک آجانے کے نقصان سے بچنا صرف اسی وجہ سے تو ہوا کہ اسمیں تدبیر و حکمت تھی (پس اگر کوئی مدبر و حکیم اسکا تدبیر کرنیوالا نہوتا تو کون اس بات کو سوچ سکتا تھا کہ گرمی یکبارگی نہ پڑنے لگے یا سردی یکبارگی نہ آجائے کہ اسمیں جہاں کے اجسام و ابدان کا نقصان ہے)

اگر کوئی مدعی اس بات کا دعوے کرے کہ گرمی و سردی کی آمد میں یہہ تدریج و آہستگی آفتاب کی رفتار سے ہے کہ جسقدر بلند ہوتا رہتا اور نیچے کو جھکتا رہتا ہے۔ اسی قدر دن میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے تو اس سے یہ سوال کیا جائیگا کہ آفتاب کی رفتار جو بہ تانی و آہستگی ہے اور بتدریج بلندی و پستی کی طرف آتا جاتا ہے اسکا سبب کیا ہے۔ پھر اگر وہ یہ کہے کہ اس کا

سبب مشرق و مغرب کا فاصلہ ہے تو اُس سے یہ پوچھا جایگا کہ ایسا کیوں ہوا تو یہ سوال اسیطرح ہوتا رہیگا۔ یہانتک کہ وہ قایل ہوجائے کہ ضرور اسمیں اختیار و عمد و تدبیر سے کام لیا گیا ہی (خود بخود ایسا نہیں ہوا)

(دیکھو) اگر گرمی نہوتی تو سخت اور کڑوے پھل کبھی پختہ اور نرم اور شیریں نہوتے جس سے تر اور خشک دونوں حالتوں میں تفکہ کرسکتے ہیں اور اگر سردی نہوتی تو زراعت میں اسقدر بالیاں نہ نکلتیں اور نہ اس کثرت سے پیداوار ہوتی جو غذا اور تخم پاشی کیلئے کافی ہوسکتی۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ گرمی اور سردی میں کسقدر فوائد ہیں اور باوجودیکہ ان دونوں میں بہت سے نفع اور فائدے ہیں۔ پھر یہ بھی ہو کہ بدنوں کو اُنسے تکلیف بھی ہوتی ہے۔ (حالانکہ یہ تکلیف بھی فائدے سے خالی نہیں) اور اسمیں غور کرنے والوں کے لئے عبرت ہے اور اس بات کا ثبوت ہی کہ یہ تمام فعل عالم اور عالم والوں کی بہتری کیلئے کسی حکیم کی تدبیر سے ہوتے ہیں۔

مفضل! میں تمکو ہوا اور اسکی حکمتوں کی خبر دیتا ہوں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب یہ ٹھہر جاتی ہو تو کیسی بیچینی پیدا ہوتی ہے جو جان لینے کے قریب ہوجاتی ہے۔ صحیح آدمیوں کو بیمار۔ مریضوں کو لاغر۔ پھلوں کو خراب اور تفولات کو متعفن کردیتی ہے۔ بدنوں میں وبا اور غلوں میں فسادات پیدا کردیتی ہے۔ تو اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہوا کا چلنا خلق کی بہبودی کے لئے حکیم کی تدبیر سے ہے (نہ آپ سے آپ)

ہوا کی ایک اور خاصیت تمسے بیان کرتا ہوں۔ آواز ایک اثر (و کیفیت ہے) جو اجسام کے باہم ہوا میں ٹکر کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ہوا اُسکو کانوں تک پہنچاتی ہی (یہ مسئلہ بھی مسلمات فلاسفہ سے ہی کہ جب تک ہوا میں تموج نہیں پیدا ہوتا اُسوقت تک آواز نہیں سنائی دیتی) اور تمام انسان اپنی ضرورت اور معاملات کے متعلق دن بھر اور رات کے کچھ حصہ تک گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ تو اگر اس کلام کا اثر ہوا میں باقی رہتا جیسے تحریر کاغذ پر لکھی رہجاتی ہے تو تمام عالم اس سے بھر جاتا اور اس سے اہل زمین کو

پیچیدگی پیدا ہوئی۔ گرانی ہوئی۔ اور انکو اس بات کی ضرورت ہوتی کہ ہوا بدلجائے اور نئی ہوا آئے (جسمیں نئے کلام شروع ہوں کیونکہ پہلی ہوا تو آوازوں سے بھری ہوئی ہے اور کان اس سے مملو ہیں لہذا نئی باتوں کے لئے کسی اور ہوا کی ضرورت ہوتی) اور یہ ضرورت اُس ضرورت سے کہیں زیادہ ہے جو کاغذ کے تبدیل میں ہوتی ہے۔ کیونکہ تحریر کی بہ نسبت زبانی باتیں زیادہ کیجاتی ہیں۔ لہذا خلاق حکیم جل قدرہ نے ایک ایسا مخفی کاغذ بنایا ہے جو کلام کی اتنی دیر تک حامل رہے جتنی دیر میں اہل عالم کی ضرورت پوری ہو پھر اُسکے بعد مٹجائے اور وہ ویسی ہی نئی کی نئی صاف کی صاف ہوجائے۔ اور ہمیشہ اُن کلاموں کی حامل ہوتی رہے جو اسمیں واقع ہوتے ہیں

تمہارے لئے تو یہی نسیم جسے ہوا کہتے ہیں اور اسمیں جو مصلحتیں ہیں عبرت حاصل کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ ہوا اجسام وابدان کی زندگی کا باعث ہے اور بیرونی جانب سے جب اسے ہم سانس کے ذریعہ سے جذب کرتے ہیں اور اندرونی جانب سے جب یہ روح سے ملتی ہے تو حیات کی قایم رکھنے والی ہوتی ہے (اگر سانس کے ذریعہ سے تازی ہوا پھیپھڑے تک جایا کرے اور اندرونی بخارات نہ نکلتے رہیں تو چند منٹ میں آدمی مرجائے) اسی ہوا کے اندر آوازیں واقع ہوتی ہیں جنھیں یہ دُور دُور تک پہنچادیتی ہے۔ یہی ہوا ایک مقام سے دوسرے مقام پر خوشبوں کو اُڑا کر لیجاتی ہے۔ دیکھو جب ہوا چلتی ہے تو تمہاری ناک تک کیسی کیسی خوشبوئیں اڑا اڑا کر لاتی ہے۔ اسی طرح آواز کو بھی۔ اور یہی ہوا گرمی اور سردی کی بھی حامل ہوتی ہے۔ جو یکے بعد دیگرے بہبودی عالم کیلئے آتی جاتی رہیں (یعنی سردی اور گرمی اسی ہوا میں قایم رہتی ہے اگر عالم میں ہوا نہوتی تو کبھی گرمی اور سردی بھی نہوتی پڑھو فلسفہ طبعیات تب تمکو اس کا مزا آئے گا)

اسی سے چلنے والی ہوا بھی پیدا ہوتی ہے (جسکی حرکت بدنوں کو محسوس ہوتی ہے اور جو درختوں کو ہلاتی ہے) جو اجسام سے فسادات کو دفع کرتی۔ اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر ابر کو اُڑا کر لیجاتی ہے تاکہ اسکا فائدہ عام ہو اور وہ گھرے ہوں اُنسے مینہ برسے۔ پھر اُنہیں منتشر کرکے خفیف ہلکا بادل کردیتی ہے تو منتشر ہوجاتے ہیں۔

درختوں میں پھل پھول پیدا کرتی کشتیوں کو چلاتی۔ غذاؤں کو نرم و لطیف بناتی پانی

کو ٹھنڈا کرتی۔ آگ کو بھڑکاتی۔ تر چیزوں کو خشک کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ زمین کی تمام چیزوں کو قایم و زندہ رکھتی ہے۔ اگر یہ چلنے والی ہوا نہو تو نباتات خشک (پژمردہ) ہوجائیں۔ حیوانات مرجائیں اور تمام چیزیں خراب ہوجائیں۔

مفضل! خدا تعالے کے پیدا کئے ہوئے ان جواہر اربعہ (عناصر اربعہ) میں فکر کر جنہیں اُسنے اسلئے پیدا کیا ہے تاکہ جو ضرورت انکی ہے وہ بفراغت پوری ہو۔ منجملہ اُنکے یہ زمین و راسکی چوڑائی ہے۔ پس اگر یہ زمین اتنی چوڑی نہوتی تو آدمیوں کے مکانات۔ زراعت چراگاہوں جنگلوں۔ بنوں۔ بڑی قدر والی جڑی بوٹیوں اور معدنیات گران قیمت کیلئے کیونکر کافی ہوتی؟ شاید ایک شخص ان چٹیل میدانوں اور وحشتناک بیابانوں سے نفرت کرسکتا اور کہہ سکتا ہے کہ انمیں فائدہ ہی کیا ہے۔ تو (اس سے یہ کہا جائیگا) کہ یہی تو وحوش کے رہنے کی جگہ۔ محل قیام اور اُنکے چراگاہ ہیں۔ پھر یہ کہ آدمیوں کے لئے ایک وسیع جگہ حاصل ہے۔ اگر وہ اپنے وطنوں کو تبدیل کرنا چاہیں تو یہاں آکر رہ سکتے ہیں!! کتنے ہی بیابان اور کتنے ہی میدان تھے جن میں محلات بنگئے اور انسانوں کے اُنمیں آجانے سے اور مستقل ہونے سے کتنے ہی باغ لگ گئے اور اگر زمین کی اتنی وسعت نہوتی تو آدمی ایسے ہوتے جیسے کسی تنگ قلعہ میں بند کردئے گئے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی امر انکو اس بات پر مجبور کرتا کہ اپنے وطن کو چھوڑکر کہیں اور آباد ہوں۔ تو انکو کوئی چارہ کار نہوتا۔ سوائے اسکے کہ اسی اپنے وطن میں پڑے رہیں۔

پھر یہ سوچو کہ زمین جو اس حالت پر پیدا کی گئی ہے جس پر اب ہے کس طرح سے قایم و ساکن پیدا کی گئی ہے کہ تمام چیزوں کیلئے جائے استقرار اور وطن ہوسکے۔ اسی وجہ سے انسان اپنی ضرورتوں کے لئے اُسپر چلنے پھرنے اور اپنے آرام کے لئے بیٹھنے اور اپنے تئیں راحت دینے کھیتی بونے اور اپنے کاموں کو استحکام کے ساتھ کرنے پر قادر ہوسکا۔ ورنہ اگر یہ متحرک و ادھر اُدھر جھلتی رہتی تو کبھی انکو ممکن نہوتا کہ اُسپر مضبوط عمارت بنا سکتے۔ اُسپر تجارت۔ صیاغت نہیں کرسکتے بلکہ ایسی صورت میں جبکہ زمین ہر وقت ہلتی ہی رہتی تو انکی زندگی بھی گوارا طور پر بسر نہوتی۔ (کیونکہ اسکی ہر وقت کی حرکت سے سخت بے چینی رہاکرتی اور بسا اوقات لوگ چلتے چلتے گر پڑا کرتے) اسے اُن زلزلوں سے سمجھ لو جو تھوڑی ہی دیر کیلئے ہوتے ہیں۔ پھر بھی جن لوگوں

پر اُسکا اثر پہنچتا ہے وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں (پس اگر ہر وقت زمین ہلا ہی کرتی تو کس طرح قرار پا سکتے اور کیونکر اُنکو آرام مل سکتا)

زمین کے زلزلہ کی حکمت

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ آخر زمین کو زلزلہ کیوں آتا ہے تو اُسکو یہ جواب دیا جائیگا کہ زلزلہ اور نیز ایسی ہی اور چیزیں (مثلاً سخت آندھی گہن کا لگنا - بجلی - ستاروں کا ٹوٹنا - آسمان پر خوفناک سرخی کا نمودار ہوجانا وغیرہ وغیرہ) ایک قسم کی نصیحت اور تخویف ہیں تاکہ لوگ اُن سے ڈر کر معصیتوں سے باز آئیں - علیٰ ہذا القیاس جو آفتیں اور بلائیں - اُن کے جسم اور مال پر واقع ہوتی ہیں وہ بھی اسی حکمت سے ہیں کہ اسمیں اُن کے لئے بہبودی اور انکی درستی ہے اگر وہ (ان چیزوں سے عبرت حاصل کرکے) نیک بنجائیں تو ثواب وجزا کا ذخیرہ اُنکو آخرت میں اتنا ملے جسکے برابر دنیا کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی - اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ ثواب اُنکو دنیا ہی میں فوراً دیدیا جاتا ہے - اگر یہ دیکھا جاتا ہے (یعنی خدا تعالےٰ کے نزدیک ایسا معلوم ہوتا ہے) کہ عوام وخواص کی بہبودی اسمیں ہے

زمین مثل پتھر کے سخت کیوں نہیں بنائی گئی

پھر یہ زمین بنا تہ بارد یابس ہے (ٹھنڈی اور خشک ہے) اسی طرح پتھر بھی بارد یابس ہے (صرف اسمیں اور پتھر میں اتنا فرق ہے کہ اسمیں زمین کی بہ نسبت زیادہ خشکی ہے - تو کیا تم جان سکتے ہو کہ اگر تھوڑی سی اور خشکی زمین میں پیدا کر دیجاتی جس سے وہ پتھر ہوجاتی تو کیا ان نباتات وغیرہ کو اوگا سکتی جس سے حیوانات کی زندگی ہے اور کیا اسپر کھیتی کرنی یا عمارت بنانی ممکن ہوتی - ؟ کیا تم دیکھتے نہیں کہ کس طور پر اُسکی یبوست پتھر کی یبوست سے کم ہوئی اور نرمی و رخاوت اسمیں قرار دی گئی - (تاکہ اسپر اعتماد ہو سکے (یعنی ضروری کام جو اس زمین کے لئے بنائے ہیں اُسکی نرمی کی وجہ سے بآسانی کئے جاسکیں)

زمین کی دوسری حکمت

زمین کی خلقت میں حکیم جل قدرتہ نے ایک یہ بھی حکمت رکھی ہے کہ شمالی جانب بہ نسبت جنوبی جانب کے بلند ہے - پھر خدائے عزوجل نے ایسا کیا ہی کیوں ؟ - اسی لئے تاکہ پانی تمام روئے زمین پر بہکر اُسے سیراب کر سکے اور آخر میں سمندر کی طرف بہ جائے - جیسے چھت کی ایک سمت بلند اور ایک سمت بناتے وقت پست کر دی جاتی ہے تاکہ پانی اُسپر سے بہ جائے - ٹھہرا نرہے - اسی طرح بعینہ اسی غرض کے لئے زمین کا شمالی حصہ جنوب کی سمت

پانی کے منافع

کی بہ نسبت بلند کر دیا گیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پانی تمام روئے زمین پر پھیلا پڑا پھرتا۔ لوگوں کو کام کرنے سے روکتا۔ رستے کا شارا ہیں بند کر دیتا۔ (اس سے زمین کی کرویت (گولائی) میں فرق نہیں آتا۔ اسلئے کہ زمین اگرچہ واقع میں گول ہے لیکن اُسی کے ساتھ پانی کے کرے سے نیچے ہے اور پانی دراصل اس سے اوپر ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرت سے صرف اسلئے کہ اسپر بھی چرند قسم کے مخلوقات کی خلقت ہو سکے اور وہ اسپر رہکر زندہ رہ سکیں اُسکا نصف شمالی حصہ پانی سے بلند کر دیا ہے اور باقی پانی میں غرق ہے تاکہ اس جزیرہ نما حصّہ میں آبادی ہو سکے۔ علیٰ ہذا القیاس اور جزایر بھی اسی غرض سے پانی کے اوپر کر دئے گئے ہیں۔ ورنہ باقاعدہ اُسکے اوپر پانی ہونا چاہئے تھا اور اسے اُسکے نیچے رکھنا چاہئے تھا۔ اگر اس مسئلہ کو خوب سمجھنا چاہتے ہو تو علم ہیئت کی کتابیں دیکھو)

پھر یہ پانی (منجملہ عناصر اربعہ کے تیسرا عنصر ہے) اگر اس کثرت سے نہ ہوتا اور چشموں و دریاؤں اور نہروں کے ذریعہ سے نہ بہتا تو انسانوں کو جو اپنے پینے اور اپنے چارپاؤں اور مواشیوں کو پلانے زراعتوں اور درختوں اور غلوں کو سیراب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اسمیں بہت بڑی تنگی واقع ہوتی۔ اور نیز جو وحوش۔ طیور اور درندے پیتے ہیں یا مچھلیاں اور پانی کے جانور اسمیں رہتے ہیں۔ اُنکے لئے سخت مشکل اور ضیق ہو جاتی۔

اسکے علاوہ اسمیں اور بھی فواید ہیں جنہیں تم جانتے تو ہو مگر اُنکی عظمت اور وقعت سے غافل ہو۔ تو دیکھو کہ علاوہ اُس بزرگ اور گرانقدر فائدے کے جو اسمیں ہے اور وہ یہ کہ اسی کے ذریعہ سے تمام روئے زمین کے حیوانات اور نباتات زندہ ہیں۔ یہ اور اور پینے کی چیزوں میں بھی شامل کیا جاتا ہے (مثلاً ستوئیں یا دوائیں) تاکہ وہ نرم ہو جائیں اور پینے والے کو گوارا معلوم ہوں [3]۔ اسی سے بدن اور لباس کا میل صاف کیا جاتا ہے [4] اسی سے مٹی تر کیجاتی ہے تاکہ ظروف وغیرہ بنانے کے قابل ہو جائے [5] اس سے آگ کا ضرر دفع کیا جاتا ہے۔ جب کبھی مشتعل ہو جائے۔ اور لوگ اُس سے تکلیف پانے لگیں [6] اسی سے تھکا ہوا آدمی اپنی تعب و تکلیف سے آرام پاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سے اغراض ہیں جنکی عظمت۔ قدر کو تم اُسی وقت جان سکتے ہو جب اُسکی ضرورت پڑے۔

فوائد دریاؤں کی تفصیل [?]

پھر بھی اگر تمکو کچھ شک پڑتا ہو کہ اس قدر کثیر پانی کیوں دریاؤں میں پیدا کیا گیا اور کہو کہ اس سے کیا فایدہ ہے؟ تو معلوم کرو کہ یہی پانی دریا کے بہت سی قسم کے جانوروں اور مچھلیوں کا ماوی و مسکن ہے۔ یہی موتی۔ یاقوت عنبر اور اقسام اقسام کی چیزوں کا معدن ہے جو دریاؤں سے نکالی جاتی ہیں۔ اسی کے کنارے پر عود بخوری اور طرح طرح کی خوشبودار چیزیں اور جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں (اگر اس کثرت سے پانی نہوتا تو یہ چیزیں کیونکر پیدا ہوسکتی تھیں) پھر یہی کہ آدمیوں کا مرکب ہے (اسپر سوار ہوکر اس ملک سے اُس ملک میں جاتے ہیں) ان تجارتوں کا محل ہے جو دور دور کے شہروں سے لائی جاتی ہیں مثلاً چین سے عراق اور عراق سے چین اور خود عراق سے عراق (بصرہ سے کوفہ میں اور کوفہ سے بصرہ دجلہ اور فرات کے ذریعہ سے) اگر سوائے پشت انسان وحیوانات کے اور کوئی ان تجارتی اشیا کے محل (اٹھانے کا آلہ) نہوتا تو تجارت خراب ہوجاتی اور تجارتی اشیا اپنے ہی شہروں میں رہجاتیں اور اپنے ہی ملک والوں کے ہاتھ میں رہتیں۔ کیونکہ انکی باربرداری کی اجرت انکی قیمتوں سے زیادہ ہوجاتی۔ پھر تو کوئی بھی انکے کہیں لیجانے کا ارادہ نکرتا۔ اور اس سے دو خرابیاں پیدا ہوتیں ایک تو یہ کہ بہت سی ایسی چیزیں نہ مل سکتیں جنکی آدمیوں کو ضرورت پڑا کرتی ہے (مثلاً فرض کیجئے۔ دوا میں ایک سنائے مکی ہے۔ یا عود چینی ہے۔ یا آلو بخارا ہے یا اور بلاد یورپ و ایشیا کی غذائی یا دوائی چیزیں ہیں اگر یہ صرف پیٹھوں ہی پر لاد کے لائی جایا کرتیں سمندروں کا درمیانی واسطہ نہوتا جسپر سے کشتی کے ذریعہ سے لاتے ہیں تو کاہے کو ہندوستان تک یہ چیزیں پہنچ سکتیں اور کہاں اہل ہند کو ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا) دوسرے ان لوگوں کی معاش کا سلسلہ قطع ہوجاتا جنکی زندگی اسی پر بسر ہوتی ہے کہ وہ اُن تجارتی اشیا کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجاتے اور اُس کے نفع سے بسر اوقات کرتے ہیں

فائدہ ہوا کا بیان [?]

اسی طرح ہوا ہے کہ اگر اس کثرت سے نہوتی تو تمام آدمیوں کا دم اس دھوئیں اور بخارات سے گھٹ جاتا جو اس فضا میں بھرے رہتے ہیں۔ اور نہ اُس میں اسقدر وسعت ہوتی کہ اُس سے گہرے اور ہلکے بادل بن سکتے۔ جو ایسی ہوا کے استحالہ سے آہستہ آہستہ ابر بنجایا کرتے ہیں ٭

آگ کے نفع کا بیان

اِس سے پہلے بھی اِس کے حالات ایسے بیان کردئے گئے جو کافی ہیں

آگ کا بھی یہی حال ہے اُکہ مصلحت و حکمت کے ساتھ ضرورت کے موافق بنائی گئی ہی کہ اگر یہ اسطرح پھیلی رہتی جیسے پانی اور ہوا ہے تو عالم اور اُسمیں کی چیزیں جل جاتیں۔ اور کوئی چارہ کار اِس سے نہ تھا کہ اوقات معینہ پر اِسکا ظہور ہوا کرے۔ کیونکہ اکثر کاموں میں اِس سے فایدہ ملتا ہے۔ لہذا یہ لکڑیوں کے اندر مخزون کی گئی جو اُس وقت نکالی جاتی ہی جبکہ اسکی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اسکو اسکے مادہ اور لکڑیوں کے ذریعہ سے قایم رکھا جاتا ہے (تھوڑی آگ راکھ کے نیچے دبا رکھتے ہیں تاکہ وقت ضرورت اُس سے کام لیں) جسقدر اسکے باقی رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ بجھ نہ جائے۔ پس نہ تو یہ ایسی۔ ہے کہ ہمیشہ ہی لکڑی اور مادہ کے ذریعہ سے باقی رکھی جائے (اس خیال سے کہ اگر بجھ جائیگی تو پھر دستیاب ہی نہ ہوگی ا ورنہ اسمیں زیادہ مشقت ہوتی (کیونکہ ہر وقت اسکا خیال رکھا جاتا کہ کہیں ایسا نہو بجھ جائے اور آیندہ نہ مل سکے) اور نہ تمام عالم میں پڑی پھرتی ہے کہ (ہاں) ہاں تمام چیزوں کو جلا دے جس جگہ موجود ہو۔ بلکہ ایک خاص اندازہ اور ترتیب کے ساتھ قایم کی گئی ہی کہ اسکے منفعتوں سے فایدہ اُٹھایا جاسکے اور اُسکے ضرر سے بھی بچ سکیں۔

اسمیں ایک اور صفت ہے۔ وہ یہ کہ اسکی خصوصیت صرف انسان سے رکھی گئی ہے اور حیوانوں کو اسکی ضرورت نہیں قرار دی گئی۔ کیونکہ آدمیوں ہی کو اِس سے فائدہ ہوسکتا ہے اگر یہ آگ نہوتی تو بڑا سخت نقصان اسکی معاش میں واقع ہوتا۔ (مثلاً لوہے کے اشیاء بنانے میں اِس سے مدد ملتی ہی۔ اگر آگ نہوتی تو کیونکر زراعت۔ عمارت۔ تجارت۔ صناعت کے آلات بن سکتے۔ زرگری میں اِسکی ضرورت ہی۔ ظروف سازی میں اِسکی ضرورت ہی۔ عمارات کیلئے اینٹیں اور چونا وغیرہ بنانے میں اسکی ضرورت ہی۔ اور سب سے بڑھکر تو ہر روز کھانا پکانے میں اِسکی ضرورت ہے۔ پھر اگر آگ نہوتی تو انسانی زندگی کسقدر تنگ ہوجاتی)۔ لیکن رہے بہایم وہ تو اِسے استعمال ہی نہیں کرتے اور نہ اِس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور چونکہ ایسا ہی خدا کی طرف سے مقدر ہوچکا تھا کہ صرف آدمی ہی اِس سے فائدہ اُٹھائیں۔ لہذا انسان کیلئے ہتھیلیاں اور انگلیاں بنادی گئیں تاکہ اُسکے روشن کرنے اور استعمال کرنے میں ان سے مدد ملے۔ اور بہایم کو

یہ بات نہیں دی گئی لیکن انکو معاش کی تکلیف و رجور پر صبر کی طاقت دیدی گئی تاکہ آگ کے نہ ملنے سے جو انسان کو نقصان پہنچا وہ انکو نہ پہنچے۔

میں تمکو اسکی ایک چھوٹی سی چیز کا نفع بتاتا ہوں جو نہایت ہی قابل قدر و وقعت ہے۔ وہ یہی چراغ ہے (جو کہ آگ سے روشن ہوتا ہے) جسسے لوگ روشن کرتے اور اس سے ضرورتیں شب کے وقت جس طرح چاہیں پوری کرتی ہیں۔ اگر یہ صفت نہوتی تو شب کے وقت آدمیوں کی زندگی ایسے بسر ہوتی جیسے گویا قبر میں دفن ہیں تو کس سے ممکن ہوسکتا کہ کچھ لکھے۔ کچھ یاد کرے۔ تاریکی شب میں کچھ سے پروئے یا کپڑہ وغیرہ بنے۔ اور اس شخص کا کیا حال ہونا جسے شب کے کسی حصہ میں کوئی درد اٹھتا یا بیماری ہوتی اور اُسے ضماد لگانے یا سفوف کی یا کسی اور ایسی چیز کی ضرورت ہوتی جس سے وہ اپنا علاج کرے اور اس سے شفا حاصل کرے (تو پھر اندھیری رات میں کیا کرسکتا لہذا خدا تعالےٰ نے آدمیوں کو یہ سکھایا کہ تم اپنی ضرورتوں کے واسطے اس ترکیب سے روشن کرلیا کرو)

لیکن اس کے اور فوائد جو کھانا پکانے۔ اور بدن کو گرمی پہنچانے گیلی چیزوں کو خشک کرنے اور سخت چیزوں کے تحلیل کرنے اور علیٰ ہذا القیاس اور چیزوں میں ہیں وہ اس قدر ہیں جنکا شمار بھی نہیں ہوسکتا۔ اور ایسے عیاں ہیں کہ اُنکے بیان کی بھی ضرورت نہیں

مفضل! آسمان کے صاف ہوجانے۔ اور مینہ کے برسنے کو سوچو (یعنی ان دونوں مختلف حالتوں کو غور سے دیکھو کہ ایک وقت آسمان صاف ہوجاتا ہے۔ دوسرے وقت ابر چھا جاتا اور مینہ برسنے لگتا ہے) کیونکہ یکے بعد دیگرے اس عالم میں اس طور پر واقع ہوتے ہیں جس میں اس (عالم) کی بہتری ہے۔ اگر انہیں سے کوئی بھی ہمیشہ رہتا تو اس سے عالم میں خرابی پڑجاتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب کبھی مینہ متواتر برسنے لگتا ہے تو بقولات اور سبزیوں میں عفونت پیدا ہوجاتی ہے۔ حیوانات کے بدنوں میں استرخا ہوجاتا ہے اور ہوا میں سردی بڑھجاتی ہے تو طرح طرح کے امراض پیدا ہونے لگتے ہیں رستے اور سڑکیں خراب ہوجاتی ہیں اور جب کبھی عرصہ تک آسمان کھلا رہتا ہے تو زمین خشک ہوجاتی ہے۔ نباتات جل جاتے ہیں چشمے اور ندیوں کے پانی گھٹ جاتے ہیں۔ اس سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور

ہوا میں یبوست پیدا ہو جاتی ہے۔ تو اور مختلف قسم کے امراض حادث ہوتے ہیں۔

اور جبکہ اس طور پر یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں تو ہوا معتدل رہتی ہے اور ہر ایک انمیں سے دوسرے کے ضرر کو دفع کرتا رہتا ہے۔ تو تمام چیزیں باقاعدہ ٹھیک اور درست رہتی ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ پھر ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ انہیں سے کسی میں کچھ ضرر ہی نہوتا (یعنی اگر ہمیشہ مینہ برسا کرتا تب بھی آدمیوں کو نقصان نہ پہنچتا اگر ہمیشہ کھلا رہتا تب بھی کچھ ضرر نہوتا۔ ایسا کیوں نہ ہوا؟) تو اسکو یہ جواب دیا جائیگا کہ یہ اسلئے ہے تاکہ آدمی کو کسیقدر تکلیف پہنچتی رہے اور وہ معصیتوں سے باز آئے۔ مثلاً جب انسان بیمار ہوتا ہے تو اُسے تلخ اور بے مزہ دوائیں پینے کی ضرورت پڑتی ہو کہ اسکی طبیعت ٹھیک ہو جائے۔ اور اسکی جو چیز (یعنی فعل طبیعت) خراب ہوگئی ہے وہ درست ہو جائے۔ علیٰ ہذا القیاس جب انسان سرکشی اور غرور کرنے لگتا ہے تو اُسے ایسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے جو اُسے ذرا تکلیف پہنچائے تاکہ بدکاریوں سے باز آئے اور اُن باتوں پر اُسے قایم کردے جسمیں اسکا فائدہ اور صلاح ہے۔ اگر کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو ہزاروں۔ لاکھوں اشرفیاں اور روپے بانٹ دے تو کیا اس سے بادشاہ کی عظمت انکے دلوں میں نہ پیدا ہوگی اور کیا اس سے اُسکی سخاوت کا شہرہ نہو جائیگا؟ حالانکہ اُسکو اس مینہ سے کیا نسبت ہی جو حد سے زیادہ سیراب کرنیوالا ہے اور اسی سے شہروں اور ملکوں کی آبادی اور تمام روئے زمین کی اقلیموں میں اسی سے غلوں کی زیادتی ہے۔ جو کہیں زیادہ ہے اُن لاکھوں کروڑوں روپے اور اشرفیوں سے۔

تم دیکھتے نہیں کہ اس تھوڑے سے مینہ کی کس قدر بڑی عظمت ہے لوگوں کے لئے اور کتنی بڑی نعمت ہے؟ حالانکہ یہ لوگ اس سے غافل ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہی کہ کسی کی چھوٹی سی ضرورت (مینہ کے برسنے یا کہ دیر تک آسمان کے کھلے رہنے سے) رُک جاتی ہے تو ملامت کرنے لگتا ہے اور ناراض ہوتا ہے۔ اُس ذلیل سی بات کو ترجیح دیتا ہے اور اُس بڑی منفعت کی چیز کو غور نہیں کرتا جو نہایت ہی قابل قدر ہے اور جسکا انجام بہت اچھا ہی

یہ بات صرف اس وجہ سے ہے کہ اُسے اس عظیم القدر نعمت اور اسکے فائدوں کی پوری معرفت نہیں ہے۔

(پہلی حکمت) اُسکے بلندی سے زمین پر برسنے اور اسکی مصلحت پر غور کرو۔ صرف اس لئے بلندی سے برسایا جاتا ہے کہ اونچی اور سخت زمینوں پر بھی پڑے اور اسکو اچھی طرح سیراب کرسکے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ کسی ایک گوشہ سے آیا کرتا تو اون مقامات پر نہ پہنچ سکتا جو بلند ہیں اور وہاں زراعت نہ ہوسکتی دیکھو کہ وہ زمین جنہیں پانی سینچ کر زراعت کیجاتی ہے وہ بہت کم ہیں۔ اور اگر ہیں تو انکی آبپاشی میں صرف کثیر پڑتا ہے جس سے کاشتکاروں کو بہت کم نفع اپنی زراعت سے ہوتا ہے لہذا ایسا مقرر کیا گیا کہ اوپر سے چھینٹے برساکرے تاکہ ہر بلند و پست مقام پر پانی پہنچ جائے)

(دوسری حکمت) تو باران ہی ایسی چیز ہے کہ تمام زمین پر محیط ہو جاتی ہے۔ اور بسا اوقات ان وسیع صحراؤں اور پہاڑوں کے دامنوں میں بھی زراعت کرلیجاتی ہے تو اور بہت سا غلہ پیدا ہو جاتا ہے انہیں بارشوں کی وجہ سے آدمیوں کی وہ مشقت بھی جاتی رہتی ہے جو انکو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پانی کے لانے میں ہوتی۔ اور جو نزاعیں اور جھگڑے اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا واقع ہوتا ہے کہ ایک غلبہ اور قوت والا آدمی تو پانی لیجاتا ہے اور دوسرا کمزور آدمی اُس سے محروم رہتا ہے وہ بھی [illegible] ہو جاتا ہے۔

(تیسری حکمت) پھر چونکہ اللہ کے پانی کے [illegible] مقدر کیا تھا کہ اوپر سے زمین پر برسے لہذا ایسا بنایا گیا کہ چھڑکاؤ کے طور پر زمین پر پڑے تاکہ زمین کے اندر جذب ہو کر اُسے سیراب کرسکے۔ اور اگر زور سے بہتا ہوا آتا اور زمین پر سیل کی طرح گرتا تو اُسمیں جذب نہو سکتا۔

(چوتھی حکمت) پھر یہ بھی ہوتا کہ کھڑی کھیتیوں کو توڑ دیتا جبکہ شدت کے ساتھ سیل کی طرح برستا۔ لہذا ایسا مقرر ہوا کہ آہستہ آہستہ برساکرے تاکہ بوئے ہوئے دانے اوگیں۔ زمین سیراب ہو اور زمین اور کھڑی زراعتیں اس سے زندہ ہوتی رہیں۔

(پانچویں اور چھٹی حکمت) اسکے برسنے میں اور بھی مصلحتیں ہیں ۱ یہ کہ بدنوں میں نرمی اور رطوبت پیدا کرتا ہے۔ ۲ ہوا کی کدورت کو صاف کرتا ہے جس سے وبا دفع ہو جاتی ہے جو ہوا کی خرابی سے پیدا ہوتی ہے ۳ درخت اور زراعتوں میں جو بیماری پیدا ہو جاتی ہے جسکا نام یرقان ہے اُسے

دفع کر دیتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور بھی فوائد ہیں۔

پس اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ اس مینہ کے سبب کسی سال بہت سخت نقصان بھی پہنچتا ہے جبکہ یہ شدت سے برستا ہے یا اولے پڑتے ہیں جنسے کھیتاں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ اور ہوا میں بخارات پیدا کر دیتا ہے جس سے بدنوں میں بہت سے امراض و آفات حادث ہوتے ہیں تو اُس سے کہا جائیگا کہ ہاں یہ زیادتی بھی کبھی انسان کی اصلاح اور اُسکے معصیتوں اور اُنمیں پڑے رہنے سے روکنے کیلئے ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ فائدہ جو اُسکے دین کی اصلاح کے لئے ہوگا وہ (یقیناً) اُس نقصان سے بہتر ہوگا جو اُسکے مال میں واقع ہوتا ہے (یعنی اگرچہ زیادتی بارش سے انسان کے مال کا نقصان ہوگیا اُسکو بدنی تکلیف پہنچی لیکن اِسنے اتنا تنبہ تو ہوا کہ خیر ہمارا کوئی ایک خالق زبردست بھی ہے جو ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے) اور اِس ڈر سے اُسنے گناہ کو چھوڑا اور اُسکے دین کی اصلاح ہوئے جسکا فائدہ ابدی اور غیر منقطع ہے۔

مفضل! ان پہاڑوں کو دیکھو جو مٹی اور پتھر سے جما جما کر بنائے گئے ہیں۔ جنہیں غافل لوگ بیکار بلا ضرورت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اُنسے بہت کچھ فوائد پہنچتے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ اُنپر برف پڑتی ہے اور وہ اُنکی چوٹیوں پر باقی رہتی ہے جسے ضرورت ہو وہ اُس سے فائدہ لے سکتا ہے اور جو برف کھلجاتی ہے اُس سے کثیر پانی کے چشمے بہتے ہیں جنسے بڑی بڑی نہریں ہو جاتی ہیں [1] اور اُنپر ایسی ایسی جڑی بوٹیاں اور نباتات روئیدہ ہوتے ہیں جو ہموار اور نشیب زمینوں میں نہیں ہوتے [2] اور اُنمیں وحشی ضرر رساں درندوں کیلئے غار اور درے ہیں [3] دشمنوں سے بچنے کے لئے اُنمیں بلند قلعہ بھی بنالیا جاتا ہے [4] اُنہیں تراش کر مکان بناتے اور چکیوں میں صرف کرتے ہیں [5] اُنمیں قسم قسم کے جواہرات کی کانیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اِن کے علاوہ اور بھی فائدے ہیں جنہیں وہی جانتا ہے جس نے اپنے علم قدیم سابق کے ذریعہ سے انکو باندازہ معین بنایا ہے ؛

مفضل! اُن معدنوں کو جو اُنسے مختلف قسم کے جواہر نکلتے ہیں۔ انہیں سوچو مثلاً گچ۔ چونا جبسین (ایک قسم کا چونہ ہے جو گچ کے کام آتا ہے) ہرتال۔ مردار سنگ۔ پارہ۔ تانبا

رانگہ۔ چاندی۔ سونا۔ زبرجد۔ یاقوت۔ زمرد۔ اور انواع و اقسام کے پتھر۔ اور علی ہذا القیاس جو اُنسے تارکول۔ مومیائی۔ گندھک۔ نفط (ایک قسم کا تیل ہے) وغیرہ نکلتے ہیں۔ جنہیں لوگ اپنے استعمال میں لاتے ہیں ؛

تو کیا یہ بات کسی عقلمند سے پوشیدہ ہے کہ یہ تمام ذخیرہ آدمیوں ہی کے لئے جمع کیا گیا ہے جسے وہ نکال نکالکر اپنی ضرورت کے وقت استعمال کرتا ہے۔

پھر یہ بھی کہ آدمیوں نے جو یہ حرص کیا کہ ہم سونا چاندی بنالیں اور اسمیں کوشش صرف کی انکو کچھ بن نہ آئی اور تدبیر اُنکی قاصر رہی۔ ورنہ اگر یہ لوگ جیسا چاہتے تھے پا جاتے اور اُسکا علم انکو حاصل ہو جاتا تو لامحالہ یہ علم کھل جاتا اور تمام پھیل جاتا۔ پھر تو چاندی سونا اس کثرت سے بننے لگتے کہ لوگوں کے نزدیک انکی قدر و قیمت ہی نہ باقی رہتی۔ اور جو فائدہ خرید فروخت اور معاملات میں اُنسے پہنچتا ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا۔ نہ بادشاہ کے پاس مال ہی آتا اور نہ کوئی اپنی اولاد کے واسطے ذخیرہ ہی کرتا۔

بایں ہمہ بھی یہ ہوا کہ آدمیوں کو تانبے اور جست کو ملاکر پیتل۔ ریتا سے شیشہ۔ رانگہ سے چاندی اور چاندی سے سونا وغیرہ بنانے کی تدبیر بتادی گئی ہے جنمیں کچھ مضرت نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے جاننے والے اور کرنے والے کم ہیں جنکی وجہ سے ضرر عام نہیں ہے اور نہ اس سے نظام عالم میں خلل پڑتا ہے۔ بخلاف اسکے اگر عام طور پر ہر شخص سونا چاندی بنالیا کرتا تو اولًا یہ ایک بیقدر چیز ہو جاتی۔ دوسرے معاملات وغیرہ میں اس سے مدد نہ لیجاتی۔ تیسرے کوئی اُسکو ذخیرہ نکرتا کیونکہ ہر شخص اُسکا بنانا جانتا ہے۔ کیا ایسی عزیز چیز ہے جسکو ذخیرہ کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ نقصانات لوگوں کو پہنچتے ؛)

دیکھو کہ جس میں کچھ نقصان نہ تھا وہ تو انکو بتادیا گیا ہے اور جو نقصان رساں تھا۔ (عام طور پر ہر شخص کا کیمیاگر ہو جانا) وہ انہیں نہ بتایا گیا۔

اور جو شخص کسی کان میں داخل ہو تو اُسے ایسی ایسی بڑی ندیاں دکھائی دینگی جن میں برابر کثرت سے پانی بہ رہا ہے نہ انکی تہ معلوم ہو سکتی ہے اور نہ اُنکے عبور کرنیکی کوئی تدبیر ہے اور اُسکے بعد اُسے چاندی کے پہاڑ ہی پہاڑ سے کھڑے ہوئے ملیں گے ؛

غور کرو کہ اسمیں خالق حکیم کی کیا حکمت و تدبیر ہے۔ اُس نے یہ چاہا ہے کہ بندوں کو اپنی قدرت اور اپنے خزانوں کی وسعت دکھا دے تاکہ وہ جان لیں کہ اگر پروردگار چاہے کہ انہیں پہاڑوں کے بقدر چاندی عطا کر دے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اسمیں اُن کے لئے کچھ بہبودی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اسمیں وہی خرابی واقع ہوتی جو ہمنے بیان کی کہ اُن جواہرات کی قدر لوگوں کی نگاہوں میں نہ رہتی۔ اور اُنسے بہت کم فائدہ اٹھاتے۔

اِسے یوں سمجھو کہ کوئی نئی چیز جسے آدمی ایجاد کرتا ہے مثلاً ظروف یا اور اسباب جبتک کہ وہ نئی چیز کمیاب و نادرالوجود رہتی ہے جب ہی تک نفیس و گرانقدر اور گراں قیمت ہوتی ہے اور جب پھیل جاتی ہے عام طور پر لوگوں کے ہاتھ آجاتی ہے تو بیقدر ہو کر کم قیمت ہو جاتی ہے ہر چیز اُس وقت تک نفیس سمجھی جاتی ہے جب تک کمیاب ہو؛

مفضل!۔ ان نباتات کو اور ان کے انواع و اقسام کی ضرورتوں کو غور کرو پھل تو غذا کے کام میں آتے ہیں۔ خشک گھانس جانوروں کی خوراک ہیں۔ لکڑی جلانے میں تختے ہر طرح کی نجاری وغیرہ کے کام آتے ہیں۔ چھال۔ پتیاں موٹی جڑیں۔ پتلی جڑیں اور گوند طرح طرح کے فایدوں کے لئے ہیں؛

دیکھو کہ اگر یہ پھل جنہیں ہم اپنی غذا میں صرف کرتے ہیں ایک ہی جگہ کہیں زمین پر ملجاتے اور اُن شاخوں میں نہ لگتے جو اُنکی حامل ہوتی ہیں۔ تو ہماری زندگی کے امور میں کسقدر خلل واقع ہوتا۔ اگرچہ غذا تو ہم پہنچ جاتی مگر تختے لکڑی خشک گھانس اور تمام اُن چیزوں میں بھی جنہیں ہمنے بیان کیا ہے بہت بڑے بڑے فائدے ہیں اور نہایت قابل قدر و وقعت ہیں (وہ کہاں سے ہاتھ آتے اگر پھل بغیر درخت کے کسی ایک جگہ زمین پر رکھے ہوئے مل جایا کرتے)

علاوہ بریں نباتات میں اُسکے حسن منظر اور شادابی سے وہ لذت ملتی ہے جسکے برابر تمام جہان کی ملاہی وملاعب مناظر میں سے کوئی چیز اسکے برابر نہیں ہو سکتی (درختوں کی سبزی دیکھکر آنکھوں میں خنکی پیدا ہوتی ہے دل کو فرحت ہوتی ہے۔ طبیعت کی پژمردگی دفع ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ)

مفضل ۱۔ اس افزایش کو خیال کرو جو زراعت میں قایم کی گئی ہے۔ کہ ایک دانہ سے سو
دانے اور کچھ کم و بیش پیدا ہوتے ہیں۔ حالانکہ (عقلاً) تجویز کیا جا سکتا ہے کہ ایک دانہ سے
ایک ہی دانہ پیدا ہو سکے گا۔ تو کیوں اسقدر افزایش ہو جاتی ہے اسی لئے نہ کہ غلہ میں وسعت
ہو جائے کہ بیج ڈالنے کے بھی کام آئے اور کاشتکاروں کے لئے آیندہ فصل تک خوراک
کا بھی سامان رہے؛

دیکھو کہ جب کوئی بادشاہ کسی شہر کو آباد کرنا چاہتا ہے تو وہ یہی راہ اختیار کرتا ہے کہ وہاں کے
باشندوں کو اسقدر غلہ دیا جائے کہ جس سے بیج بو سکیں اور زراعت کے تیار ہونے تک
کھا بھی سکیں۔ تو دیکھو کہ یہ مثال کس طرح حکیم (مطلق یعنی باریتعالیٰ عزاسمہ) کی تدبیر میں
پہلے ہی گذر چکی کہ زراعت میں اسقدر افزایش ہونی چاہیئے تاکہ غذا اور کاشتکاری دونوں
ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکے۔ علیٰ ہذا القیاس درخت نباتات اور نخل خرما کا حال ہے کہ
کثرت سے انہیں پھل لگتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو گے کہ جڑ تو ایک ہی ہے مگر اسکے گرد اگرد کتنے اسکے
بچے (شاخیں) ہیں۔ ایسا کیوں ہوا اسی لئے نہ کہ لوگ اسے توڑ کر اپنی ضرورتوں میں استعمال
کریں اور دوبارہ اسکا بیج زمین میں بو سکیں۔ اگر ایک ہی جڑ رہجاتی۔ اسمیں شاخیں پھوٹتیں
اور یہ افزونی نہوتی تو بالکل ممکن نہوتا کہ کسی کام یا بونے کیلئے اسمیں سے کوئی چیز توڑی جاسکے
پھر اگر کوئی آفت آجاتی تو اصل ہی فنا ہو جاتی اور اسکے قایم مقام دوسرا درخت نہو سکتا۔
(لہذا ایسا مقرر کیا گیا کہ انکے بیج یا شاخیں آیندہ ایسے ہی درخت پیدا کرنے کے کام میں آئیں
انہیں یہ طاقت دی گئی کہ ویسے ہی درخت اوگائیں تاکہ اخراج مثل کا قاعدہ جاری رہے اور درختوں
کی نسل نہ قطع ہو)

مفضل ۱۔ مسور۔ ماش۔ باقلا وغیرہ دانوں کے پیدا ہونے کو خیال کرو کہ یہ تمام دانے ایک
ایسی چیز کے اندر پیدا ہوتے ہیں جو مثل پھلی کے ہوتی ہے یہ اسلئے ہے کہ انکو ان کے سخت اور
مستحکم ہونے تک آفتوں سے حفاظت کرے جیسا کہ مشیمہ (جھلی جس میں پیٹ کا بچہ لپٹا ہوتا ہے)
جنین کے اوپر اسی غرض سے لپٹا ہوا ہوتا ہے کہ اسے ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھے) لیکن
گیہوں اور اسکے مشابہ جو دانے ہیں وہ تہ بتہ ان سخت چھلکوں کے اندر ہوتے ہیں جن کے

سروں پر بالیوں کی نوکیں برچھی کی طرح تیز نکلی ہوتی ہے تاکہ پرندوں کو اُس سے باز رکھیں اور کاشتکاروں کو زیادہ دانے ملیں۔ اگر یہ تیز نوکیں انپر نہ ہوتیں تو پرندے اگر بالیاں توڑ لیجاتے اور کاشتکار بیچارے دیکھتے رہجاتے)

اگر کوئی معترض کہے کہ پرندے گیہوں وغیرہ دانوں کو کیوں نہیں پاسکتے؟ تو اُسکو جواب دیا جائیگا کہ ہاں پا تو سکتے ہیں اور یہی اُن کے لئے مقدر و معین بھی کیا گیا ہے۔ کیونکہ پرندے بھی خدائے تعالےٰ کے مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اُن کے لئے بھی پروردگار نے زمین کی پیداوار میں سے ایک حصہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ دانے اُن پردوں میں اسلئے محفوظ کئے گئے کہ یہ پرندے اُنپر پورا قبضہ نہ پاسکیں۔ جس سے اُنکو خواہ مخواہ توڑ تاڑ کر خراب کردیں اور بیحد نقصان پیدا کریں۔ کیونکہ اگر یہ پرندے دانوں کو کھلا ہوا پاتے اور اُنپر کوئی ایسی شے نہ ہوتی جو حایل ہوسکے تو دانوں پر ٹوٹ پڑتے یہانتک کہ بالکل انکو چھان ڈالتے۔ تو اُس سے ایک یہ خرابی پڑتی کہ پرندوں کو سوء ہضم ہوجاتا اور مرجاتے۔ دوسرے یہ کہ کاشتکار بیچارے اپنے کھیتوں سے خالی ہاتھ واپس آتے۔ لہذا یہ حفاظتیں ان دانوں پر قایم کی گئیں تاکہ اُسے بچائے رکھیں۔ اب اگر پرندے اس سے پاتے بھی ہیں تو صرف تھوڑا سا جس سے اپنا قوت کرسکیں اور بڑا حصہ اُسکا انسانوں کے لئے بچ رہتا ہے کیونکہ وہ اُسکے زیادہ مستحق ہیں اسلئے کہ انہیں نے اسمیں کوشش کی تھی اور پھر اُس سے محروم رہتے۔ حالانکہ انکو پرندوں کی بہ نسبت اِن دانوں کی زیادہ ضرورت تھی۔ (لہذا اُنکا خیال مقدم رکھا گیا)

درختوں اور قسم قسم کے نباتات کی پیدایش کی حکمت پر غور کرو۔ چونکہ انکو مثل حیوانات کے غذا کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے۔ مگر حیوانوں کی طرح اُن کے نہ مُنہ تھے اور نہ حرکت کی طاقت جس سے اپنی غذا حاصل کرنے کیواسطے کوشش کرسکیں۔ لہذا انکی جڑیں زمین میں مضبوط قایم کی گئیں تاکہ اُس سے اپنی غذا لیکر شاخوں پتیوں اور پھلوں تک پہنچائیں تو زمین اُنکے لئے مثل ماں کے ٹھہری اور جڑیں اُنکی جو بجائے مُنہ کے ہیں زمین کی کھا پو الی ہوئیں تاکہ اپنی غذا اُس سے لے سکیں۔ جیسے حیوانات کے بچے اپنی ماؤں کے پستان مُنہ میں لیکر دودھ پیتے ہیں۔

تم دیکھتے نہیں کہ خیموں اور چھولداریوں کی عمودیں کس طرح سے طنابوں سے باندھکر ہر طرف سے کھینچ دیجاتی ہیں تاکہ خیمے سیدھے کھڑے رہیں نہ گر سکیں اور نہ جھک سکیں۔
علی ہذا القیاس تم ہر ایک نبات کو بھی ایسا پاؤ گے کہ اُنکی جڑیں زمین کے اندر ہر طرف ممتد اور پھیلی ہونگی تاکہ اِن درختوں کو پکڑے رہیں اور قایم رکھیں۔ اگر ایسا نہوتا تو سلنے اتنے بڑے کھجور کے لمبے درخت اور بڑے بڑے پیڑ آندھیوں میں کیسے کھڑے رہ سکتے تھے۔
تو دیکھو کہ خلقت کی حکمت صناعت (یعنی خیمہ بنانے) کی حکمت سے کیونکر سابق ہوگئی وہ تدبیر جسے کاریگر خیموں اور چھولداریوں کے قایم رکھنے میں صرف کرتے ہیں۔ اس سے پہلے وہی تدبیر و حکمت درختوں کے پیدا کرنے میں صرف کی گئی ہے۔ کیونکہ درختوں کی خلقت (یقیناً) خیموں کے بنانے سے پہلے ہوئی ہے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ اسکے عمود اور لکڑیاں سب درخت ہی کی ہوتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ صناعت اُس خلقت سے لی گئی ہے (نہ یہ کہ خلقت اشجار کا طریقہ خیموں کی طنابوں کو دیکھکر قایم کیا گیا)
مفضل! پتوں کی پیدایش کو تامل سے دیکھو۔ تمہیں اُن کے اندر جڑوں کی سی ایک چیز پھیلی ہوئی معلوم ہوگی جو اُسکے طول و عرض میں پھیلی ہونگی۔ اور بعض باریک ہونگی جو اُن موٹی رگوں کے درمیان درمیاں گذری ہونگی اور نہایت مضبوط و باریک بنی ہونگی کہ اگر ویسی ہاتھ سے بنائی جائیں تو شاید پورے ایک سال میں ایک درخت کی پتیاں بھی نہ دی نہ بنا سکتا۔ علاوہ اسکے آلات۔ حرکت۔ تدبیر اور کلام کی ضرورت ہوتی (ایک پوچھتا بھائی یہ پتی کیونکر بناؤں دوسرا کہتا اس طرح بناؤ وغیرہ)۔ (یہاں دیکھو تو) فصل بہار کے چند ہی دنوں میں اسقدر پتیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ تمام پہاڑ اور نشیب کے مقامات اور زمین کے تمام قطعات بلا حرکت اور بے بولے چالے صرف ایک ارادہ کے ذریعہ سے جو تمام چیزوں میں نافذ ہے اور صرف ایک حکم لازم الاطاعت سے بھر جاتے ہیں۔
اسکے ساتھ ہی ان باریک رگوں کی علت کو بھی معلوم کر لو۔ یہ اسلئے اِن پتیوں کے اندر داخل کی گئیں ہیں کہ اُسے سیراب رکھیں اور پانی کو اُن تک پہنچائیں جیسے جسم کے اندر کی رگیں صرف اسلئے پھیلی ہوئی ہیں کہ اُسکے ہر جزو کو غذا پہنچاتی رہیں ۞

پتیوں کی موٹی رگوں میں ایک اور بھی حکمت ہے وہ یہ کہ اپنی صلابت اور مضبوطی کے ذریعہ سے پتیوں کو مضبوط پکڑے رہتی ہیں تاکہ پھٹ نہ جائیں۔ دیکھو یہ پتیاں اُن مصنوعی پتیوں سے بہت مشابہ ہیں جو کپڑے کے پارچوں سے (کتر کر) بنائی جاتی ہیں اور جنھیں طولاً اور عرضاً لمبی لمبی سینکیں لگائی جاتی ہیں تاکہ اسکو پکڑے رہیں اور ہلنے جلنے نہ پائے۔

پس صناعت (یعنی ہاتھ سے پتوں کا بنانا) خلقت (یعنی خدائی ساخت) کی ایک نقل ہی اگرچہ اُسکی پوری حقیقت کو نہیں پا سکتی (لوگوں نے کپڑے اور کاغذ کے کیسے کیسے گل بوٹے جھاڑ بیل درخت بنائے مگر کجا اصلی اور حقیقی درخت اور کجا مصنوعی۔ اول تو نقل ہی پورے طور پر مشابہ اصل کے نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اسمیں وہ فطری قوے نہیں آسکتے جن سے اصلی درختوں کی حیات ہے)

اس گٹھلی اور بیج کی علت کو خیال کرو کہ یہ پھل کے اندرونی حصہ میں قرار دی گئی تاکہ اگر کوئی چیز اصل درخت کو فنا کردے تو یہ اُسکے قایم مقام ہوسکیں۔ (یعنی انھیں زمین میں بوئیں جس سے ویسا ہی درخت پھر تیار ہو سکے) جیسے کوئی نہایت نفیس چیز جسکی ضرورت بہت پڑا کرتی ہو کئی کئی مقاموں پر رکھدی جاتی ہے۔ تاکہ اگر کوئی حادثہ ایک مقام پر پڑے تو وہ شے دوسرے مقام پر مل سکے اسی طرح یہ گٹھلیاں اور بیج ہزاروں پھلوں کے اندر پیدا کر دیے گئے تاکہ اگر ایک اوگے تو دوسرا اوگ آئے اور وہ نہو تو تیسرا اور علی ہذا القیاس

پھر یہ بھی ہے کہ اپنی صلابت اور سختی سے پھلوں کی نرمی اور رقیق ہونے کو روکے رکھتے ہیں۔ اگر یہ بیج اُسکے اندر نہوتے تو یہ پھل گل جاتے اور پھٹ جاتے۔ تو پھلوں میں جلد خرابی پیدا ہو جاتی۔

بعض بیج اور گٹھلیاں ایسی بھی ہیں کہ کھائی جاتی ہیں اور اُن سے تیل بھی نکالا جاتا ہے جو مختلف مصلحتوں میں کام آتا ہے!! اور جب تمکو گٹھلی اور بیج کی غرض معلوم ہو گئی تو اسپر غور کرو کہ چھوارے کی گٹھلی کے اوپر مغز خرما۔ اور انگور کے بیج کے اوپر مغز انگور کیا چیز ہے اور اسکا فائدہ کیا ہے اور اس شکل پر کیوں نکلتا ہے۔ حالانکہ ممکن تھا کہ اُس کے قایم مقام وہ شے پیدا ہوتی جو کھانے میں نہ آتی جیسے سرو اور چنار وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اسکے

درختوں کی اور انکی حکمتیں

تو لذیذ کھانے کی چیزیں اُسکے اوپر پیدا ہوتی ہیں کہ انسان اُس سے فائدہ اُٹھائے؛

درختوں میں جو اور کئی قسم کی حکمتیں رکھی گئی ہیں اُنپر غور کرو۔ تم انہیں دیکھو گے کہ ہر سال اُنپر ایک مرتبہ خزاں آتی ہے تو انکی حرارت غریزیہ اُسکی شاخوں میں محتبس ہو جاتی ہے اور اُسکے اندر پھلوں کے مادے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اُنپر بہار آتی ہے اور پتیاں نکل آتی ہیں اور تمہیں طرح طرح کے میوے دیتے ہیں۔ جیسے تم کبھی اپنے سامنے قسم قسم کے کھانے رکھتے ہو جنہیں ہاتھ سے باری باری پکایا ہو (اسی طرح یہ مختلف قسم کے پھل ہیں) تو دیکھو کہ شاخیں اپنے پھل لیکر تمہارے سامنے آتی ہیں گویا وہ تمہیں ان پھلوں کو اپنے ہاتھ سے دے رہی ہیں اور تم پھولوں کو دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے اپنی شاخوں پر آتے ہیں گویا وہ خود اپنے تئیں تمہارے روبرو پیش کرتے ہیں۔ یہ کسکا اندازہ قایم کیا ہوا ہے۔ کسنے اسے بنایا ہے اُسی نے جو مقدر و حکیم ہے اور اسمیں غرض کیا ہے؟ یہی نہ کہ آدمی ان پھلوں اور پھولوں سے تفکہ کرے تعجب ہے ان آدمیوں سے کہ بجائے اس نعمت کے شکریہ ادا کرنے کے خود منعم ہی کا انکار کرتے ہیں؛

اس انار کو خیال کرو اور دیکھو کہ اسمیں کیا عمدہ تدبیر و حکمت ہے۔ تم اسکے اندر یہ دیکھتے ہوگے کہ چاروں طرف چربی ہوئی (زرد زرد دیواریں جو مثل پردے کے ہیں) جھلیاں اور تہ بتہ دانے چنے ہوئے کھڑے ہوئے معلوم ہونگے جیسے کسی نے ہاتھ سے چن دیا ہے۔ اور تم دانوں کو دیکھتے ہوگے کہ کئی حصوں پر بٹا ہوا ہے۔ اور اُسکا ہر حصہ ایک بنے ہوئے پردے میں لپٹا ہوا ہے۔ جو نہایت ہی عجیب لطیف طور پر بنایا گیا ہے۔ اور اوپر کا چھلکا ان سب کو سمیٹے ہوئے ہے

اس صناعی میں حکمت یہ رکھی گئی ہے کہ انار کا ستر صرف انہی نہیں ہو سکتا تھا اسلئے کہ صرف دانے ایک دوسرے کو بڑھا نہیں سکتے تھے لہذا یہ جھلی شحم اُسکے اندر قایم کی گئی کہ اُسکو غذا رسانی کیا کرے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ان دونوں کی جڑیں اُس شحم میں کیسی جڑی ہوئی ہیں پھر اُنپر یہ پردے اس لیے قایم کیے گئے۔ کہ انکو سمیٹے اور پکڑے رہیں متحرک ہونے نہ پائیں اور ان سب کے اوپر ایک مستحکم چھلکا اوڑھا دیا گیا تاکہ آفتوں سے انکو بچائے رکھے؛

یہ تو انار کی بہت سی صنعتوں میں سے تھوڑی سی صفت ہے اسمیں اور بھی بہت سی

باتیں ہیں جنہیں وہ شخص بیان کرسکتا ہے جسے طول کلام مقصود ہو۔ لیکن میں نے جسقدر کہ
بیان کر دیا اتنا ہی دلیل اور عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔

مفضل! اس کمزور یقطین (ہر بیلدار درخت جسمیں تنہ نہو) کو دیکھو کہ ایسے ایسے
بڑے بڑے کدو۔ ککڑیاں۔ خربزے کا متحمل رہتا ہے اور اسمیں کیا کیا حکمتیں اور تدبیریں ہیں
از بسکہ اسکے لئے یہ مقدر کیا گیا تھا کہ ایسے بڑے بڑے کا متحمل ہوگا تو اسکا درخت بھی زمین
پر پھیلا ہوا بنایا گیا۔ اور اگر سیدھا درخت ہوتا جیسے زراعت اور اور اشجار ہوتے ہیں تو یہ
اُن پھلوں کا متحمل نہو سکتا۔ اور قبل پختہ ہونے اور اُن کے حد تک پہنچنے ہی کے ٹوٹ پڑتا
تو دیکھو کہ کس طرح زمین پر پھیلتا ہے تاکہ اُسپر اپنے پھلوں کو رکھے اور اُسکی طرف سے زمین
ہی اُن پھلوں کی متحمل رہے۔ تم دیکھتے ہوگے کہ کدو اور خربزے کی جڑیں زمین پر بچھی ہوئی
ہیں اور اُن کے پھل زمین پر اُسکے گرداگرد پھیلے ہوئے ہیں جیسے کوئی بلّی ہے کہ لیٹی ہوئی ہے
اور اُسکے پھلوں میں اُسکے بچے ہیں جو دودھ پی رہے ہیں۔ (یہی بعینہ مثال کدو کے بیل اور اسکے
پھلوں کی ہے)

غور کرو کہ یہ تمام قسم کی بیلیں انہیں فصلوں میں پیدا ہوتی ہیں جو اُنکے لئے مناسب ہے
مثلاً سخت گرمی اور حرارت کے اشتعال کے وقت تو کس طرح سے لوگ انکو نہایت شوق
اور خوشی کے ساتھ لیتے ہیں۔ اور اگر جاڑوں میں پیدا ہوا کرتے تو انسانوں کو اُنسے نفرت
ہوتی۔ اور انہیں دیکھتے ہی اُن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ علاوہ اسکے اُنسے جاڑوں
میں بدنوں کے اندر بیماریاں پیدا ہوجاتیں۔

دیکھو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاڑوں میں ککڑیاں تیار ہوجاتی ہیں تو لوگ اُنکے کھانے
سے بچتے ہیں۔ البتہ وہ حریص آدمی جسے اپنے نقصان اور خرابی کی پروا نہیں ہوتی
ضرور کھا لیتا ہوگا۔

مفضل! کھجور کے درختوں کو خیال کرو۔ چونکہ انہیں ایسے مادہ درخت ہوتے ہیں
جنہیں حمل رکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اسلئے انکے واسطے نر بھی پیدا کئے گئے جو بعینہ
باغبانی اور بونے کے حمل قایم کرسکیں۔ تو انہیں سے جو درخت نر ہیں وہ حیوانات کے

کے نروں کے مانند ہیں کہ دوسروں میں حمل قایم کرتے ہیں خود حامل نہیں ہوتے درخت خرما کی دو قسمیں ہیں نر۔ اور مادہ۔ جب تک نر کے پھول مادہ پر نہیں ڈالے جاتے تب تک مادہ میں اچھے پھل نہیں لگتے اسی کا نام تدبیر ہے اسی کو تلقیح بھی کہتے ہیں چونکہ اس بات کی شناخت ہندوستانیوں کو نہیں ہے اور نہ وہ مادہ خرما کو نر بنا جانتے ہیں اسی سبب سے جو کھجور کے درخت ہندوستان میں ہیں انہیں اچھے پھل نہیں لگتے)

تنہ درخت خرما کی ساخت کو غور سے دیکھو کہ کیسا بنا ہے۔ تم اُسے ایسا پاؤ گے کہ تانے بانے کے ساتھ بنا ہوا ہے حالانکہ اُسمیں لمبے لمبے تاگے نہیں ہیں) یہ ایسا بنایا گیا جیسے ہاتھ سے کپڑے بنے جاتے ہیں یہ اسلیئے ہے تاکہ سخت اور مضبوط رہیں اور پھل ہوجانیکے بعد بھاری بھاری خوشوں کے اٹھانے اور تند ہواؤں سے چلنے اور تحریک کی وجہ سے ٹوٹ نہ جائیں اور پودے تنہ دار درخت ہو جانے کے بعد چھتوں اور پلوں وغیرہ کے کام آسکیں۔ جو اُن سے بنائے جاتے ہیں۔ تم اُسکے اندر دیکھو گے کہ جیسے تانے بانے کے اجزا ایک دوسرے سے متداخل ہوتے ہیں اسی طرح طولا اور عرضا اُسکے اجزا بھی متداخل ہیں اور پھر اسمیں اس قسم کا استحکام ہے کہ آلات بنانے کے کام میں آتا ہے اگر اسمیں پتھر کی سی سختی ہوتی تو چھتوں وغیرہ میں جہاں لکڑیاں صرف کیجاتی ہیں مثلا دروازے جالیاں تخت وتابوت۔ صندوق وغیرہ کام نہ آسکتے

لکڑی میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ پانی پر ترتی ہے اور ہر شخص اس بات کو جانتا ہے مگر اسکی جلالت قدر کو نہیں سمجھتا (کہ اس سے کتنے فائدے اُسکو پہنچتے ہیں) اگر یہ صفت اسمیں نہ ہوتی تو کشتیاں اس سے کیونکر بن سکتیں جو پہاڑ کے سے بوجھ اُٹھاتے ہیں اور انسان کو یہ آسانی اور قلت مشقت ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارتی اسباب کے لیجانیکے لئے کہاں سے حاصل ہوتی اور کیسی دشواری انکو اشیائے تجارت کی باربرداری میں ہوتی یہانتک کہ بہت سی چیزیں کسی کسی شہر میں بالکل مفقود ہو جاتیں یا یہ کہ بہت مشکل سے دستیاب ہو سکتیں ؛

ان جڑی بوٹیوں کو غور کرو اور یہ کہ انمیں سے ہر ایک کو کیا کیا خاصیتیں دی گئی ہیں اور کیا کیا کام بعض بعض دواؤں میں کرتی ہیں۔ یہ بوٹیاں جوڑوں کے اندر اُتر جاتی ہیں اور انمیں سے غلیظ اور خراب مادوں کو نکالتی ہیں جیسے کہ شاہترہ ہے اور بعض مرہ سودا کو دفع

کرتی ہیں جیسے افیتمون - بعض ریاح کو تحلیل کرتی ہیں جیسے سکنجبین - بعض ورم کو تحلیل کرتی ہیں جیسے عنب الثعلب / علیٰ ہذا القیاس اور جو انکے تاثیرات و افعال ہیں -
تو کس نے انہیں یہ قوتیں قرار دیں اسی نے نہ جسنے انکو فائدہ کیلئے پیدا کیا ہے اور کس نے آدمیوں کو انکے سمجھنے کی قوت دی اسی نے نہ جسنے ان دواؤں میں یہ خاصیتیں رکھیں بھلا بالفرض اور بخت و اتفاق سے کیونکر یہ باتیں معلوم ہوسکتی تھیں جیسا کہ قائلین بخت و اتفاق (دہریے) کہتے ہیں -
اچھا لسے مان لو کہ انسان ان چیزوں کو اپنے ذہن و ذکاوت فکر و تجربہ سے سمجھ گیا لیکن حیوانات انہیں کیونکر سمجھے (حالانکہ انہیں انسان کا سا فہم و ذکا نہیں ہے) یہانتک کہ بعض درندے جب زخمی ہوجاتے ہیں تو اپنا علاج بعض بعض جڑی بوٹیوں سے کرلیتے اور تندرست ہوجاتے ہیں - اور بعض پرندے جب انہیں قبض ہوتا ہے تو دریا کے پانی سے حقنہ لیتے ہیں اور صحیح و سالم بچ جاتے ہیں - ایسی ہی اور بہت ہی چیزیں ہیں -
شاید تمکو یہ شک ہوتا ہو کہ صحراؤں اور میدانوں میں جو نباتات اوگتے ہیں جہاں کوئی آدمی نہ آدم زاد انکا کیا فایدہ ہے بالکل فضول و بیکار ہیں ! - حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ انہیں وحشیوں کی خوراک ہے اور اُن کے دانے پرندوں کی غذائیں ہیں اور انکی لکڑیاں اور شاخیں ایندھن کے کام آتی ہیں - لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں ؛
اسمیں اور بھی کئی باتیں ہیں ۱؎ یہ کہ ان سے بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے ۲؎ ان سے کھال کو دباغت (صاف کرنا) دیجاتی ہے ۳؎ ان سے کپڑے رنگے جاتے ہیں - علیٰ ہذا القیاس اور بھی ان کے مصالح ہیں -
تمہیں معلوم نہیں کہ تمام نباتات سے زیادہ ذلیل و حقیر چیز یہ بردی[1] وغیرہ ہے انہیں بھی کئی کئی قسم کے فوایئد ہیں ۱؎ اسے کاغذ بنائے جاتے ہیں جنکی ضرورت بادشاہوں اور رعایا تک کو ہوتی ہے ۲؎ انہیں سے چٹائیاں بنالی جاتی ہیں جنہیں تمام قسم کے لوگ استعمال کرتے ہیں ۳؎ انہیں سے ڈھکنے بنائے جاتے ہیں جن سے ظروف کو ڈھکتے ہیں -

[1] بردی - ایک قسم کی نبات ہے جو عراق میں پیدا ہوتی ہے -

سے انہیں کو شیشے وغیرہ کے ظروف کے اندر جو صندوقوں میں رکھے جاتے ہیں بھر دیتے ہیں تاکہ عیب دار ہوں ٹوٹیں نہیں۔ ایسے ہی اور بھی فواید ہیں۔

پس عبرت حاصل کرو ان قسم قسم کے اغراض و فواید سے جنہیں تم چھوٹے سے جسم اور بڑے سے جسموں میں دیکھتے ہو۔ اور نیز ان چیزوں سے جنکی کوئی قدر و قیمت نہیں اور جنکی قدر و قیمت ہے۔ ان سب میں زیادہ بیقدر سرگین و براز ہے جسکے اندر خساست اور نجاست دونوں ہی جمع ہیں اور پھر انکی فوائد پر غور کرو جوانسے زراعتوں۔ بقولات اور سبزیوں کو کو پہنچتے ہیں اور یہ ایسے فائدے ہیں جنکے برابر کوئی فائدہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہانتک تو ہی کہ کوئی ترکاری اچھی اور بہتر ہوتی ہی نہیں جب تک کھاد نہ ڈالی جائے۔ جسے لوگ گندی چیز سمجھتے ہیں اور اسکے پاس بھی جانے سے نفرت کرتے ہیں۔

یہ بھی جان لو کہ کسی شے کی قدر محض اسکی قیمت ہی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ دونوں باتیں دو بازاروں کے لحاظ سے الگ الگ اسکی دو قیمتیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کسب معاش کے بازار میں بیقد ہوتی ہے اور وہی علم کے بازار میں نفیس سمجھی جاتی ہے (ایک علمی کتاب کا ورق کوئی بڑھئی کیا جان سکتا ہے کہ اسکی قیمت کیا ہے۔ لیکن ایک عالم جان سکتا ہے کہ اسکی برابر دنیا میں کوئی چیز نہیں سلطنت بھی اسکی قیمت کے لئے کافی نہیں)۔

ایسا ہونے پائے کہ تم کسی چیز کو اسکی قیمت کے کم ہونے کی وجہ سے بیقدر سمجھو (کیونکہ ہر چیز کا سودا الگ بازار الگ خریدار الگ ہیں) دیکھو اگر کیمیا گروں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ انسان کے گوہ میں کیا خاصیت ہے تو اُسے بہت ہی گراں قیمتوں خریدنے لگیں اور اسکے دام بڑھا دیں (واقعی یہ بات ہی کہ علم کیمیا میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اکثر نسخے اُسکے بغیر انسانی براز کی مدد کے تیار نہیں ہو سکتے)۔

مفضل کہتے ہیں کہ اتنے میں زوال کا وقت آگیا۔ مولا نماز کے لئے اُٹھے مجھکو فرمایا تم کل صبح کو میرے پاس انشاء اللہ آنا۔ میں وہاں سے بہت ہی خوش خوش واپس آیا کہ کیا کیا باتیں حضرت نے مجھکو بتائیں۔ اور عطا فرمائیں۔ اور خدا کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ کیا کچھ نہیں اُس نے مجھکو (حضرت کے ذریعہ سے) مرحمت فرمایا۔ اور یہ شب نہایت سرور کیساتھ بسر کی ؛

چوتھا جلسہ

آپ نے پہلے یہ حمد و نعت فرمائی۔ منا التحمید والتسبیح والتعظیم والتقدیس للاسم الاقدس والنور الاعظم العلی العلام ذی الجلال والاکرام ومنشئ الانام ومفنی العوالم والدہور وصاحب السر المستور والغیب المحظور والاسم المخزون والعلم المکنون وصلواتہ وبرکاتہ علی مبلغ وحیہ ومودی رسالتہ الذی ابتعثہ بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حیّ عن بینۃ فعلیہ وعلی آلہ من بارئہ الصلوات الطیبات والتحیات الزاکیات النامیات وعلیہ وعلیھم السلام والرحمۃ والبرکات فی الماضین والغابرین ابد الآبدین ودھر الداھرین وھم اھلہ ومستحقۃ۔ (پھر فرمایا)

مفضل! میں نے تم سے خلقت کی دلیلیں اور شواہد درستی تدبیر و ارادہ کی بابت (یعنی ہر چیز اپنے موقع سے نہایت درست پیدا کی گئی۔ اور بقصد و ارادہ خلق ہوئی ہے نہ آپ سے آپ) جو انسان۔ حیوان۔ نباتات۔ اور درخت وغیرہ میں ہے ایسی مفصل بیان کردی ہیں کہ عبرت حاصل کرنیوالوں کے واسطے عبرت ہو سکے۔

اب میں تم سے ان آفات و حوادث کا مفصل ذکر کرتا ہوں۔ جو بعض اوقات واقع ہوتے ہیں اور جنہیں ان جاہل لوگوں نے انکار خلق و تمالق و عمد و تدبیر کا ذریعہ بنایا ہے۔ (یعنی کہتے ہیں اگر کوئی خالق ہے جسنے عالم کو خلق کیا ہے اور اسکی تدبیر اور بالقصد بنانے سے یہ عالم تیار ہوا ہے تو کیوں اسکی مخلوقات پر وقتاً فوقتاً آفتیں اور مصیبتیں آتی رہتی ہیں۔ وہ کیوں نہیں اسے روکتا؟)۔

اُن مکارہ و مصائب کو بھی مفصل بیان کرونگا جنہیں معطلہ اور مانویہ فرقے نے بالکل نہیں مانا ہے۔ اور موت و فنا کا بھی ذکر کرونگا جسے اس فرقہ نے ناپسند بات سمجھی ہے۔ اور جو کچھ اصحاب طبایع (اطبار قدیم دہریئیں) نے کہا ہے اور جن لوگوں نے یہ کہدیا ہے کہ

اشیائے عالم عرض و اتفاق (یعنی بے بنائے) سے پیدا ہوگئی ہیں۔ تاکہ اُنکے کلام کے رد کرنے کے لئے یہ بیان کافی ہوسکے۔ خدا اُنہیں قتل کرے کہاں بہکے چلے جاتے ہیں۔ چند جاہل آدمیوں نے ان حوادث کو جو بعض اوقات واقع ہوتے ہیں مثلاً وبا دیرقان (یا زرد بنجاریا) (درختوں میں جو زردہ لگ جاتا ہے) اولے باری۔ ٹڈیاں۔ خلق وخالق وتدبیر کے انکار کا ذریعہ قایم کرلیا ہے (کہتے ہیں کسی نے انکو پیدا ہی نہیں کیا کوئی انکا خالق نہیں۔ کوئی حکمت صرف نہیں کی گئی)

اسکے جواب میں یہ کہا جائیگا کہ اگر کوئی پیدا کرنیوالا نہیں ہے کوئی مدبر عالم نہیں ہے تو اس سے اور زیادہ سخت مصایب کیوں نہیں واقع ہوتے۔ مثلاً آسمان ہی زمین پر گر پڑے۔ زمین ہی دھنس جائے۔ آفتاب طلوع ہی نکرے۔ نہریں بالکل سوکھ جائیں کہ ہونٹ تر کرنے کے لئے پانی ہی دستیاب نہوسکے۔ ہوا ساکن ہوجائے یہانتک کہ تمام چیزیں فاسد و برباد ہوجائیں۔ سمندروں کا پانی زمین پر بہکر اسے غرق ہی کردے (ایسا کیوں نہیں ہوتا کس نے روکا ہے۔ کون اس پردے میں ہے جسکی تدبیر چل رہی ہے جب تم یہ کہتے ہو کہ اگر کوئی مدبر وخالق ہوتا تو اسقدر ٹڈیاں نہ آتیں اور ہمارا ایسا نقصان نہوتا۔ اتنی وبائیں پھیلتی جنمیں ہماری لاکھوں جانوں کا نقصان ہوتا ہے۔ اولے نہ پڑتے جس سے ہمارے غلے تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں۔ اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو آسمان ہی کیوں نہیں ایکبارگی پھٹ پڑتا جس سے تمام عالم فنا ہوجائے۔ سمندر ہی یکمرتبہ کیوں نہیں ابل آتا جس سے تمام زمین تہ آب ہوجائے۔ ہوا ہی کیوں نہیں ساکن ہوجاتی جس سے دم کے دم میں تمام عالم کے زندہ مرجائیں۔ ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ معلوم ہوا کہ نہیں۔ کوئی نہ کوئی اسکا مدبر ومصلح موجود ہے جو ایسا ہونے نہیں دیتا۔ جس سے یہ مقصود ہے کہ تمام عالم فنا ہوجائے نسل منقطع نہو۔ واقعی تباہی نہ پڑے۔ بلکہ صرف تنبیہ وتہدید وتخویف کی غرض سے یا خود انکے اعمال کے نتایج سے کبھی کبھی ایسا ہوجاتا ہے۔ کہ وبا پھیلتی ہے ٹڈیاں آکر باغوں اور زراعتوں کو کھا لیتی ہیں۔ اولے پڑجاتے ہیں وغیرہ۔ اس سے یہ نہیں ثابت ہوسکتا کہ عالم کا کوئی مدبر ہی نہیں ہے)؂

پھر میں یہ پوچھتا ہوں کہ اچھا یہ وبا اور ٹڈیاں ہمیشہ کیوں نہیں رہتیں کہ تمام عالم ہی فنا ہوجاتا۔ بلکہ کبھی کبھی آجاتی ہیں۔ پھر ٹھہرتی نہیں بلکہ چلی جاتی ہیں۔ (اگر کوئی مدبر عالم اور اُسکا خالق نہیں ہے جو یہ چاہتا ہے کہ تمام جہان تباہ و برباد نہو تو کون ان ٹڈیوں کو ہمیشہ زراعتوں پر ٹوٹ پڑنے سے روکتا ہے۔ آخر ہر سال ہر فصل میں یہ ٹڈیاں کیوں نہیں آتیں)

تم دیکھتے نہیں کہ ان تمام آفات و حوادث عظیمہ سے عالم کی حفاظت کیجاتی ہے (آسمان نہیں پھٹ پڑتا زمین نہیں دھس جاتی سمندر نہیں ابل آتے وغیرہ وغیرہ) کہ اگر انہیں سے کوئی بھی اس جہان میں واقع ہو تو جہان بالکل نیست و نابود ہی ہو جائے۔ لیکن بعض بعض اوقات تھوڑی سی یہ آفتیں آجاتی ہیں وہ بھی صرف آدمیوں کی تادیب اصلاح کی غرض سے۔ پھر یہ نہیں ہوتا کہ قایم رہیں۔ بلکہ جسوقت انہیں اپنے بچاؤ سے یاس ہوجاتی ہے اسیوقت یہ بلائیں انسے دفع ہوجاتی ہیں۔ لہذا ان مصائب کا واقع ہونا انکے لئے موعظہ ہے اور انکا دفع ہوجانا اُن کے لئے رحمت ہے۔

جس طرح مانویہ[1] نے ان مصائب مکارہ کو ناپسندیدہ امر سمجھا ہے جو آدمیوں پر واقع ہوتے ہیں اسی طرح معطلہ نے بھی ان مصائب کی حقیقت کو نہیں پہچانا اور انہیں فضول بتایا ہے۔ دونوں یہی کہتے ہیں کہ اگر عالم کا کوئی خالق۔ رؤف۔ رحیم ہوتا۔ تو اسمیں یہ ناپسندیدہ امور واقع ہی نہوتے۔ اس کلام کا قایل اسے اس طرف لیجاتا ہے کہ مناسب یہ تھا کہ انسان کی زندگی اس دنیا میں بے کھٹکے بے غم و رنج ہوتی۔"

حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو انسان خود پسندی و سرکشی سے ایسی حالت میں ہوجاتا کہ وہ حالت نہ تو اُسکے دین و مذہب کے لئے مناسب ہوتی اور نہ اُسکی دنیا کے لئے۔ جیسا کہ تم اکثر ناز پروردہ اور آسایش و امن میں نشو و نما پائے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ انکی کیا حالت ہوجاتی ہے یہانتک کہ بعضے تو ایسے مدہوش اور سرکش ہوجاتے ہیں کہ اپنا آدمی ہونا ہی بھول جاتے ہیں اور یہ کہ وہ کسی کے پالے ہوئے ہیں بھی یا نہیں۔ (بلکہ غایت نخوت سے اپنے تئیں واجب التعظیم سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسے تمنے اکثر مد مغز امرا اور رؤساء کو دیکھا ہوگا۔ بلکہ بعض تو اپنے تئیں خدا ہی

[1] مانویہ مجوسیوں کا وہ فرقہ ہے جو حکیم مانی کا تابع ہے جو اپنے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کا مصور و نقاش تھا۔۱۲

جاننے لگتے ہیں۔ کیا تمہیں اسکی مثالیں یاد نہیں ؟) اور اِس بات کو بھول جاتے ہیں کہ آئندہ انکو کوئی ضرر و رنج پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ یا کوئی بلا انپر نازل ہو گی یا نہیں۔ اور یہ کہ انہیں کسی ضعیف پر رحم کرنا ضروری ہے یا نہیں یا کسی فقیر کی غمخواری لازم ہے یا نہیں۔ انکو کسی مبتلائی مصیبت پر غمگین ہونا کسی ضعیف پر مہربانی کرنی۔ کسی کرب زدہ پر عطوفت کرنی ہی یاد نہیں رہتی۔ لیکن جب کوئی مصیبت انپر پڑتی ہے اور اُسکی تکلیف اُنہیں محسوس ہوتی ہے تب نصیحت پکڑتے ہیں اور جسقدر ناواقف یا غافل تھے اُس سے بہت زیادہ ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سی ایسی باتیں کرنے لگتے ہیں جنکا کرنا انکے لئے (پہلے ہی سے) ضروری تھا (اگر انپر یہ مصائب نہ ڈالے جاتے تو یوہیں یہ خدا بنے رہتے۔ نخوت میں عمر بسر کرتے کسی پر رحم نہ کھاتے۔ کسی کی غمخواری نہ کرتے تو کیا یہ بات انکے دین یا دنیا کے لئے مناسب ہوتی؟ ہرگز نہیں بلکہ دین کے ساتھ دنیاوی خرابیاں بھی واقع ہوتیں کہ آخر لوگ انسے نفرت کرنے لگتے اور درپے آزار ہوتے۔ اور نیز ایسے ایسے خود پسند آدمیوں کے وجود سے صناعت تجارت علم عمل۔ معاملات وغیرہ سب میں خلل پڑتا۔ نظام عالم ہی دگرگوں ہو جاتا)۔

جو لوگ ان باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ لغو سمجھتے ہیں۔ انکی مثال (صاف) اُن بچوں کی سی ہے جو کڑوے اور بدمزہ دواؤں کی مذمت کرتے اور نقصان رساں غذاؤں کے روکے جانے سے خفا ہوتے ہیں۔ ادب اور کام کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ صرف یہ اچھا جانتے ہیں کہ چھوٹے کھیلا کریں۔ لغویات میں پڑے رہیں۔ ہر قسم کی کھانے پینے کی چیزیں استعمال کریں مگر وہ نہیں جانتے کہ یہ بیہودگی اور بیکاری۔ نشو و نما میں۔ اخلاق و عادات میں کیا خرابی پیدا کرے گی اور یہ لذیذ مگر نقصان رساں کھانے انہیں کن کن بیماریوں اور دکھوں میں مبتلا کرینگے علم سیکھنے میں اُن کے لئے کیا بہبودی ہے۔ دواؤں میں اُنکے لئے کیا کیا فوائد ہیں اگرچہ تھوڑی سی بدمزگی طبیعت بھی اُنمیں ملی ہوئی سہی۔

اگر وہ (دہریہ) یہ کہیں کہ پھر انسان گناہوں سے معصوم ہی کیوں نہ رکھا گیا کہ خدا تعالےٰ کو اِس بات کی ضرورت ہی نہوتی کہ وہ اُنکو ان مصائب سے نیش زنی کرے تو انسے یہ کہا جائیگا (یعنی یہ جواب دیا جائیگا) کہ ایسی صورت میں نہ تو انسان نیکی کرنے پر قابل تعریف ہوتا اور

اُسپر ثواب کا مستحق ہوتا (کیونکہ آدمی قابل تعریف اور مستحق ثواب تو جب ہی ہوتا ہے کہ باوجود گناہوں پر قادر ہونے اور اسکے اسباب مہیا ہونے کے صرف پروردگار کی خوشی اور رضامندی کے لئے اُن گناہوں سے باز رہتا ہے اگر اُسمیں گناہ کا مادہ ہی نہوتا اور پھر وہ گناہ نکرتا تو اسکی تعریف ہی کیا تھی)۔

پھر اگر وہ یہ کہیں کہ اسکا انتہائی لذت و آسایش پر پہنچنے کے بعد نقصان ہی کیا ہوتا جو نیکی کرنے سے قابل تعریف نہ ٹھیرتا ثواب کا مستحق نہوتا۔ تو انہیں یہ جواب دیا جائیگا کہ اس بات کو کسی صحیح العقل اور صحیح الجسم آدمی کے سامنے پیش کرو کہ وہ آرام سے بیٹھا رہے اور تمام اسکی ضروریات بے کوشش و استحقاق کے اسکو ملتی رہیں تو دیکھو کہ اسے اسکا دل قبول کرتا ہے یا نہیں (ہرگز قبول نکریگا) بلکہ تم اسے ایسا پاؤگے کہ تھوڑی سی چیز جو اسکو حرکت و کوشش سے ملیگی اسکے لئے زیادہ باعث خوشی و سرور ہوگی بہ نسبت اُس بہت سی شے کے جو بے کوشش و استحقاق اُسکے ہاتھ آجاوے۔

علی ہذا القیاس آخرت کی نعمتیں بھی اُن لوگوں کے نزدیک اسی وقت کامل ہونگی جبکہ انہیں کوشش و استحقاق کے بعد پائیں۔

تو انسان کو اس بارے میں دو قسم کی نعمت دی گئی ہے ۱؎ یہ کہ اس دنیا میں اسکی کوشش کرنے پر بہت سا ثواب مہیا کیا گیا ہے ۲؎ یہ کہ اُسکو یہ راہ بتادی گئی ہے کہ اُسے کوشش و استحقاق سے حاصل کرے تاکہ اُس کوشش کے بعد جو چیز اُسکو ملے اُس سے اُسکو پوری خوشی اور سرور حاصل ہو (یہ ایک قدرتی بات ہے کہ آدمی جو کسی چیز کو بے کوشش یا بے استحقاق پاتا ہے اُسے اُسکی بالکل قدر اسکو نہیں ہوتی۔ بخلاف اسکے کہ کوشش اور استحقاق کے بعد اُسکو حاصل ہو تو اُسکی بڑی قدر ہوتی ہے لہذا خدا تعالے کی نعمتیں جو اسکو اب گناہوں سے اپنے تئیں باز رکھنے اور نفس پر جبر کرنے کی وجہ سے ملیں گی وہ اُسکے نزدیک زیادہ قابل وقعت ہونگی بہ نسبت اسکے کہ اسکو اپنے نفس کو روکنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی خود بخود ہی وہ ایسا ہوتا کہ کسی ناجایز چیز کیطرف رغبت نکرتا۔ پھر اُسے خدا تعالی کی نعمتیں آخرت میں دیجائیں تو اُسے کچھ قدر نہوتی۔ اور اسے جو جزا و ثواب پائیگا چونکہ اُس نے بڑی کوشش اور استحقاق کے بعد پایا ہے زیادہ قابل وقعت سمجھیگا۔

پھر اگر وہ یہ کہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ بعض آدمی (بفرض عدم عصمت) بے استحقاق بھی کسی اچھی چیز کے پاجانے پر خوش ہو جاتے ہیں۔ تو اُن لوگوں پر کیا حجت ہو گی جو اسی طرح (بے سعی و کوشش ہی) نعیم آخرت کے پاجانے پر خوش اور راضی ہوں تو انہیں یہ جواب دیا جائیگا کہ یہ ایسا مضمون ہے کہ اگر لوگوں کو (بفرض عدم عصمت) اس بات کا یقین ہو جائے کہ ہمیں بے مشقت (بے عبادت وطاعت) ہی نعیم آخرت ملجائیگی تو نہایت شرارت اور خوگرفتگی کے ساتھ فواحش و محرمات کرنے لگتے۔ پھر کون ایسا ہوتا جو اپنے نفس کو فواحش سے روکتا۔ یا امور خیر میں سے کسی امر خیر کے لئے مشقت اُٹھاتا۔ جبکہ اُسے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں تو لامحالہ نعیم آخرت پاؤں گا (خواہ نیکی کروں یا نکروں خواہ بدی کروں یا نہ کروں) یا کسے اپنی جان۔ اپنے مال۔ اپنے عیال پر اطمینان ہو سکتا کہ لوگ انہیں نقصان نہ پہنچائیں گے جبکہ انکو حساب و عقاب کا خوف ہی نہوتا ظاہر ہے کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ہم چاہے برائی کریں یا بھلائی جنت ضرور پائیں گے تو انہیں کسی کے مال و عیال و جان کے نقصان پہنچانے میں کیا باک ہوتا۔ اور پھر کسی ایک دوسرے سے اطمینان ہی کب ہو سکتا تھا کہ یہ ہمیں نہ ستائیگا) تو اسکا ضرر اسی دنیا میں قبل آخرت کے تمام لوگوں کو پہنچ جاتا (دیکھیے تو یہی کتنی بڑی یہ تکلیف ہے کہ آدمی کسی وقت مطمئن بیٹھ ہی نہیں سکتا اس سے بڑھکر کیا ضرر ہو سکتا اور اس سے زیادہ کس چیز سے نظام عالم میں خلل پڑ سکتا)

پھر تو اسمیں عدل و حکمت دونوں ایک ساتھ ہی معطل ہو جاتے (اسلیے جو کہ برائی کرے وہ بھی نعیم آخرت پائے جو اچھائی کرے وہ بھی تو انصاف کہاں رہا) اور اس بے قاعدگی اور خلاف حکمت و صواب اور بے محل کام کی تدبیر پر طعن کرنے کا موقع ملتا (کہنے والا کہ سکتا صاحب کیا اچھی آپ کی فلاسفی ہے کہ ظالم و مظلوم۔ عاصی و مطیع۔ برَہ فاجر سب ایک لاٹھی ہانکے گئے سب نعیم آخرت سے مستفیض کیا گیا۔ اچھی تدبیر نکالی۔ لہذا انسان ایسا پیدا کیا گیا کہ اسمیں قوت گناہ کرنے اور اس سے باز رہنے عبادت کرنے اور اس سے باز رہنے کی ہو اور پھر عقل اور رسول کے ذریعہ سے ہر چیز کی بھلائی برائی بھی بتادی گئی تاکہ اب جو باوجود قوت معصیت کے یا باوجود قوت ترک عبادت کے محض معصیت کو فعل بد اور عبادت کو فعل نیک اور باعث خوشنودی خدا تعالی سمجھکر عمل کریگا تو ثواب ہوگا اور اگر نہ کریگا تو عذاب کا سزاوار بنیگا۔ یہ دونوں ہی قسم کے

کام اُسکے اختیار اور عقل پر چھوڑ دیے گئے ہیں تاکہ سزا یا جزا جس کے مطابق کام کیے اُسکا فائدہ یا نقصان اُسکے ذاتی فعل کا نتیجہ ٹھہرے)۔

یہ (دہریہ) اُن مصائب و تکالیف سے بھی بحث کرتے ہیں جو (کبھی) عام طور پر واقع ہوتی ہیں نیک و بد سب اسمیں مبتلا ہو جاتے ہیں یا نیک ہی آدمی مبتلا ہوتا ہے اور بد کا بچ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ حکیم کی تدبیر نے اس بات کو کیونکر جائز کیا (جبکہ تم کہتے ہو کہ عالم کو کسی مدبر حکیم نے پیدا کیا ہے) اور اسمیں دلیل و حجت کیا ہے" تو انکو یہ جواب دیا جائیگا کہ یہ مصائب اگرچہ نیک و بد سب پر پڑ جاتے ہیں مگر اسمیں معبود حقیقی نے دونوں قسم کے آدمیوں کی بہتری قرار دی ہے نیکوں کو جو مصائب و تکالیف پہنچتے ہیں تو انکو وہ نعمتیں پھر مل جاتی ہیں جو اُس سے پہلے اُن کے پاس تھیں۔ تو اُنکے صبر و شکر کا باعث ہوتی ہے۔ رہے بدکار لوگ تو جب اُنکو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُنکے طغیان و سرکشی کو توڑ دیتی ہے اور معصیتوں اور فواحش سے اُنکو باز رکھتی ہے علیٰ ہذا القیاس ان دونوں قسموں کے آدمیوں کے لیے جو مصائب سے بچ رہتے ہیں اُنکے لئے بھی اسمیں (برابر) صلاح و بہبودی قرار دی ہے۔

ابرار کے لئے تو اسوجہ سے کہ وہ جس حالت نیکی و صلاح میں ہیں اُسپر خوش ہوتے ہیں اور زیادہ انکو رغبت اور بصیرت پیدا ہو جاتی ہے (جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمکو اللہ نے اس بلا سے محفوظ رکھا)

اور فجار کے لئے اسوجہ سے کہ وہ اپنے پروردگار کی مہربانی اور بخشش کو سمجھتے ہیں کہ بلا استحقاق انکو اس بلا سے اُس نے محفوظ رکھا۔ اس سے انکو لوگوں کے ساتھ مہربانی کرنے اور جس نے اُنسے کوئی برائی کی ہے اُس سے درگذر کرنے پر آمادگی ہوتی ہے۔

شاید کوئی معترض یہ کہے کہ اس قسم کی بلائیں تو اُنکے اموال پر واقع ہوتی ہیں لیکن پھر اُن کے اجسام پر کیوں مصیبتیں ڈالی جاتی ہیں جن سے وہ تلف ہو جاتے ہیں مثلاً کبھی جل جاتے ہیں۔ کبھی ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی رو میں بہ جاتے ہیں۔ کبھی زمین میں دھس جاتے ہیں تو انکو یہ جواب دیا جائیگا کہ اسمیں بھی خدا تعالیٰ نے دونوں قسم (نیک و بد) کے آدمیوں کے لئے بہتری قرار دی ہے۔

نیکوں کے لئے تو اس سبب سے کہ وہ اس دُنیا کو چھوڑ کر اسکے مکروہات اور تکلیفات سے نجات پا جاتے ہیں۔

اور فجار کے لئے اس سبب سے کہ اُنکے بارِ گناہ کم ہوتے ہیں اور وہ اور زیادہ گناہ کرنے سے بچ جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خالق تعالےٰ ذکرہ اپنی حکمت و قدرت سے ان تمام امور کو خیر و منفعت ہی کی طرف پھیرتا ہے۔ جیسا کہ ہوا جب کسی درخت کو توڑ دیتی ہے تو ایک اچھا کاریگر اُسسے مختلف طرح کے منافع میں صرف کر لیتا ہے اسی طرح مدبر حکیم ان مصایب کو جو آدمیوں کے مال اور اجسام پر واقع ہوتے ہیں تمام اُنہیں کے فواید و منافع کی طرف مصروف کر دیتا ہے۔

پھر اگر کوئی یہ کہے کہ اچھا آدمیوں پر یہ حوادث کیوں پڑتے ہیں تو اُسسے یہ کہا جائیگا کہ اس لیئے تاکہ اپنی طول سلامتی کی وجہ سے معصیت کی طرف نہ مایل ہوں۔ ایسا نہو کہ بدکار لوگ تو خوب ہی معصیت کرنے لگیں اور نیک آدمی نیکی کی کوشش کرنے میں سستی کریں کیونکہ یہ دونوں باتیں (فاجروں کا آرام کی وجہ سے معصیتوں میں مبتلا ہونا اور نیکوں کا نیکی کرنے میں سستی کرنے لگنا) ایکساتھ ہی آدمیوں پر اُسوقت غالب آجاتی ہیں جبکہ وہ خوش عیش اور آرام میں ہوتا ہے۔ اور یہ حوادث انکو ان دونوں باتوں سے روکتے رہتے ہیں۔ اور ایسی چیزوں پر انکو متنبہ کرتے ہیں جنمیں انکی بہتری ہو پس اگر بالکل تکالیف سے خالی کر دیئے جائیں تو حد سے زیادہ سرکشی اور معصیت کرنے لگیں جیسا کہ گزشتہ زمانہ کے لوگوں نے کیا یہانتک کہ انکو طوفان کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اور زمین کو اُنسے پاک کر دینا ہی ضروری ہوا۔

ان منکرین عمد و تقدیر کے دل میں ایک بات ایسی ہوئی ہے۔ وہ کیا؟ وہ موت و فنا ہے اُنکا خیال یہ ہے کہ چاہئے تھا تمام آدمی ہمیشہ زندہ رہتے۔ کسی پر کوئی آفت و بلا نہ آتی (اُن کے خیال میں) مرنا تدبیر کے خلاف ہی اسلیئے کہدیا کہ اگر کوئی مدبر عالم (جس نے اُسکی ساخت کو حکمت سے بنایا ہے) ہوتا تو کیوں آدمی مرتے ۔۔

تو اب چاہئے کہ اس امر کو انتہا تک پہنچا دیا جائے۔ اور پھر دیکھا جائے کہ اسکا نتیجہ کیا ہوتا ہی

تمہیں دیکھو کہ اگر تمام جہان کے آدمی ہمیشہ زندہ رہتے کوئی انمیں سے نہ مرتا تو کیا زمین
انپر تنگی نہ کرنے لگتی؟ یہانتک کہ انکو رہنے کے لئے مکان۔ زراعت کیلئے کھیت اور زندگی
بسر کرنے کی تمام چیزیں نہ مل سکتیں۔ اسوقت باوجودیکہ موت انکو فنا کر رہی ہے پھر بھی ساکن
و مزروعات کی بابت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ باہم جنگ قایم ہو جاتی ہے اور خونریزیاں
ہوتی ہیں۔ تو اُسوقت اُنکا کیا حال ہوتا جبکہ یہ پیدا تو ہوتے جاتے مگر کوئی نہ مرتا۔ (تو کیا اسوقت
ایک چپہ بھر زمین بھی باقی رہتی جسمیں یہ لوگ مکانات بنا سکتے۔ زراعت کر سکتے۔ آخر یہ تمام
آدمی کہاں رہتے۔ آج تو مر جاتے ہیں اُسپر دشواریاں پیش آ رہی ہیں جب کوئی مرتا ہی نہیں
تو کتنے مشکلات کا سامنا ہوتا) نیز اور انپر حرص و طمع و قساوت قلبی غالب جاتی (مرنے کا
ڈر تو ہے ہی نہیں۔ باز پرس کا خیال ہے ہی نہیں پھر کیوں نہ حرص و طمع و قساوت غالب ہو گی)
پس اگر انکو اطمینان ہو جاتا کہ اب ہم مریں ہی گے نہیں تو کوئی شخص کسی ایک چیز کے پالینے
پر قناعت نکرتا (بلکہ چاہتا اور ملے اور ملے) اور نہ کسی مانگنے والے کو کوئی چیز دینی گوارا کرتا اور
نہ کسی حادثہ اور واقعہ کے پڑنے کے بعد تسلی ہوتی۔ (اب تو یہ ہے کہ چونکہ اپنے ہی مرنے کا خیال
لگا ہوا ہے۔ اسوجہ سے کسی حادثہ کا چنداں اثر نہیں ہوتا جس سے تسلی ہی نہ ہو سکے) اور ایسی
زندگی سے اور نیز تمام امور دُنیا سے تنگ آجاتے جب کہ وہ شخص جسکی عمر طولانی ہو جاتی ہے اپنی
زندگی سے تنگ آکر موت کی تمنا کرنے لگتا ہے اور دُنیا سے راحت چاہتا ہے۔

پس اگر وہ یہ کہیں (یعنی دہریہ یہ کہیں) کہ (اس صورت میں) چاہیے تھا انسے تمام مکروہات
اور بیماریاں اُٹھا دی جاتیں تاکہ موت کی آرزو نہ کرتے اور نہ اُسکے مشتاق ہوتے (اب تو صرف
بوڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں) تو (اسکا جواب یہی ہے) جو ہمنے
بیان کر دیا کہ پھر تو وہ سرکش اور تمردی میں پڑ جاتے جو اُنہیں ایسے امور پر آمادہ کرتی جس سے
دین و دنیا دونوں میں خرابی پڑتی۔

اور اگر وہ (دہریہ) یہ کہیں کہ اچھا پھر انکی نسل ہی نہ بڑھتی تاکہ مساکن و معاش کی
انکو تنگی نہوتی۔ تو انکو یہ جواب دیا جائیگا کہ اس صورت میں اسقدر مخلوقات عالم میں داخل
نہوتے اور خدا تعالے کی نعمتوں اور بخششوں سے دونوں جہان میں محروم رہجاتے جبکہ عالم

ہیں سوائے ایک قرن کے دوسرا داخل ہی نہوتا اور نہ اُنمیں توالد وتناسل ہوتا) حالانکہ قانون انصاف بلکہ قانون اختیار وکمال ذات کے بالکل برخلاف ہے کہ صرف ایک ہی قرن کے پیدا کرنے پر پروردگار عالم اکتفا کرتا اور آیندہ نسلوں کو جنکا پیدا ہونا ممکن ہے نہ پیدا کرتا تو آیندہ نسل والے اُسکے کمال کے فیوض سے بالکل محروم رہتے (دیکھو فلسفہ ابتدائے خلق - یہ بڑا غامض اور بہر لطیف مسئلہ ہے)

پھر اگر وہ یہ کہیں کہ جسقدر انسان آیندہ پیدا کریگا اور کرچکا اُن سب کو ایک ہی قرن میں پیدا کردیتا - (تو وہ خرابی نہوتی جو آپ نے بیان فرمائی کہ اتنی مخلوقات خدا کی نعمتوں کے حاصل کرنے سے محروم رہتے)

تو انکو یہ جواب دیا جائیگا کہ پھر تو وہی پہلی بات لازم آتی جو ہمنے بیان کردی ہے کہ اُنکے رہنے سہنے کے لئے مکانات اور بسر برد زندگی کی تنگی ہوتی (کہاں روئے زمین پر اتنی جگہ ملتی کہ اتنے بے شمار آدمی اُسمیں مکان بناسکتے زراعت کرسکتے چل پھر سکتے) پھر اگر (ایک ہی سرشیراول سے آخر تک کے آدمی پیدا کردئے گئے ہوتے اور) انمیں توالد وتناسل نہوتا تو وہ دلچسپی جو قرابت اور رشتہ مندوں سے حاصل ہوتی ہے جاتی رہتی - اور سختی وشدت کے موقع پر مدد کرنے سے لیجاتی - بچوں کی پرورش میں جو کیفیت وسرور حاصل ہوتا ہے وہ کہاں ملتا (اور اگر توالد وتناسل نہوتا تو آخر یہ آیندہ نسل کس سرزمین پر جاکر آباد ہوتی جبکہ پہلوں ہی کے لئے یہ زمین کفایت نہیں کرسکتی)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکمت وتدبیر کے خلاف جدھر جدھر خیالات جاتے ہیں سب غلط ہیں اور حماقت اور لغو ہیں -

شاید کوئی معترض ایک اور رخ سے اس تدبیر الہی پر اعتراض کرے اور کہے کہ کیونکر معلوم ہو کہ عالم میں کوئی مدبر وخالق بھی ہے حالانکہ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو آدمی غالب ہے اُسی نے چھین لیا (جسکی لاٹھی اُسکی بھینس) قوی تو ظلم کرتا ہے - غصب کرتا ہے - اور کمزور مظلوم رہتا ہے - ذلیل ہوتا ہے - نیک تو فقیر اور بلاؤں میں مبتلا رہتا ہے - اور ایک فاسق آدمی نہایت تندرست اور خوشحال رہتا ہے - جو کوئی بدی یا ہتک حرمت کرتا ہے اُسے جلد

سزا نہیں ملتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی عالم میں تدبیر ہوتی (یعنی کوئی مدبر ہوتا جسکی کارروائی اور تدبیر اس عالم میں چلتی ہوتی) تو باقاعدہ کام ہوا کرتے۔ نیکوں کو روزی ملتی۔ بدوں کو محروم رکھا جاتا۔ قوی کو ضعیف پر ظلم کرنے سے روکا جاتا۔ حرامکار کو جلد سزا ملجاتی"

تو اسکے جواب میں یہ کہا جائیگا کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو نیکوکاری کی قدر ہی جاتی رہتی جس سے خاص انسان ہی کو فضیلت دی گئی ہے۔ باقی مخلوقات میں یہ صفت نہیں ہے اور نیکی وعمل خیر پر محض ثواب معبود حقیقی کے وعدوں پر بھروسہ کرکے اپنے نفس کو آمادہ کرنے کی کچھ وقعت ہی نہوتی۔ (اسلئے کہ جب مجبور کرکے پروردگار عالم لوگوں سے کام لیتا کہ قوی آدمی ضعیف پر ظلم نہ کرسکے۔ نیکوں کو صرف روزی ملے۔ بدوں کو قطعی محروم رکھا جاوے۔ توپھر عمل خیر پر ثواب ہی کس رخ سے ملتا اور انسان کس بھروسہ پر یہ ارادہ کرتا) ۱؎ اور پھر تو تمام آدمی مثل چوپاؤں کے ہوجاتے جنکی سیاست عصا اور علف کے ذریعہ سے کیجاتی ہے کہ ہر دم۔ کبھی چھری دکھائی جاتی ہے۔ کبھی چارہ دکھایا جاتا ہے جب جاکر ٹھیک رہتے ہیں۔ (اسی طرح اگر آدمیوں کا بھی انتظام من جانب اللہ ہوتا تو انمیں اور باقی حیوانات میں کیا فرق رہتا) ۲؎ نیز عذاب ثواب کا مرحلہ ہی بالکل ندارد ہوجاتا۔ پھر انسان کی خلقت ہی لغو وبیکار ہوجاتی) اور کوئی شخص ثواب وعقاب کا یقین کرکے کوئی عمل ہی نہ کرتا انسانیت سے نکلکر بہایم بنجاتے ۳؎ پھر کوئی شخص نعمات غائبہ (نعمتہائے آخرت) کو جانتا ہی نہیں۔ صرف موجود و معلوم کی بنا پر کام کرتا (جب یہ دیکھتا کہ اگر میں ظلم کرونگا تو ابھی مار کھاؤنگا اور اگر نیک کرونگا تو ابھی رفاہ حاصل ہوجائیگا تو سارے ثواب جزا کا خاتمہ اسی دنیا کی موجودہ حالت پر ہوجاتا۔ نعیم ابدی آخرت کا کسی کو خیال بھی نہ آتا) ۴؎ اس سے یہ بھی خرابی پیدا ہوتی کہ ایک نیکوکار آدمی صرف اسلیئے نیکی کرتا کہ مجھے روزی ملے اسی دنیا میں وسعت ہو اور بدکار آدمی ظلم وفواحش سے صرف اس سبب سے بچتا کہ اگر نہ بچوں گا تو اسی وقت کوئی سزا یا بلا مجھپر نازل ہوجائیگی۔ یہانتک کہ لوگوں کے تمام افعال صرف حاضر ومعلوم (ثواب وعقاب دنیاوی) کی بنیاد پر واقع ہوتے۔ خدا تعالےٰ نے جو ان کاموں میں ثواب وعقاب مقرر کیا ہے اُسکے یقین کا ایک شائبہ بھی ان کاموں میں نہوتا۔ نہ وہ آخرت کے ثواب اور وہاں کی دائمی نعمتوں کے مستحق ہی ہوتے۔

بااین ہمہ اس معترض نے جس فقیری و تونانگری، تندرستی و بلا کا ذکر کیا ہے بالکل خلاف قیاس ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایسا بھی واقع ہوتا ہے اور جیسا لوگ سمجھتے ہیں ویسا بھی ہوتا ہے تم دیکھتے ہوگے کہ اکثر نیکوکاروں کو مختلف تدبیروں سے دولت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے کہ ایسا نہ ہو لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جائے کہ کافروں ہی کو روزی ملتی ہے اور نیکوکار محروم رہتے ہیں۔ تو سب لوگ بدکاری ہی اختیار کریں نیکی کریں ہی نہیں۔ نیز تم دیکھتے ہوگے کہ فاسقوں کو اسی دنیا میں بھی سزا ملجاتی ہے جبکہ انکی سرکشی حد کو بڑھ جاتی اور لوگوں کو اور خود انکو انسے زیادہ ضرر پہنچنے لگتا ہے۔ جیسا کہ فرعون کو غرق کر دیا گیا۔ بخت النصر کو مسخ کر دیا گیا۔ بلبیس کو قتل کیا گیا۔

اور اگر کسی ایسی مصلحت سے جسے بندے نہیں جانتے بعض شریروں کو سزا دہی میں مہلت دی گئی۔ یا بعض نیکوں کی جزا آخرت پر ٹالی گئی (رکھی گئی) تو اس سے تدبیر تو باطل نہیں ہوتی (یعنی اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ عالم کا کوئی خالق و مدبر ہی نہیں) کیونکہ ایسی باتیں تو بادشاہان دنیا میں بھی ہوتی ہیں (کہ کسی کو جلد سزا دی۔ کسی کو دیر میں کسی کو اسکے اچھے کام کا جلد بدلہ دیا کسی کو کسی مصلحت سے دیر میں عوض دیا) مگر اس سے انکی تدبیر میں تو خلل نہیں پڑتا۔ بلکہ جن کاموں میں انہوں نے تاخیر یا تعجیل کی ہے اسے تدبیر کے موافق اور ٹھیک رائے کے مطابق سمجھا جاتا ہے۔ اور جبکہ شواہد شہادت دے رہے ہیں اور انکا قیاس (قانون عقل) واجب کر رہا ہے کہ اشیاء عالم کا کوئی نہ کوئی خالق و مدبر ہونا چاہیے۔ تو اسے اپنی مخلوق کی تدبیر و اصلاح سے کیا چیز مانع ہے کیونکہ انسانی قیاس ہرگز نہیں سمجھتا کہ کسی چیز کا صانع ہو وہ اپنی مصنوع کو یونہیں مہمل چھوڑ دے البتہ عجز یا جہالت یا شرارت سے تو چھوڑ سکتا ہے۔ مگر یہ باتیں خدا تعالیٰ کی صنعت میں کہاں وہاں تو عجز و جہالت و شرارت محال ہی ہے (نہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کی اصلاح سے عاجز ہے نہ اسے اپنے مخلوقات کے حال سے جہالت ہے اور نہ معاذاللہ اسمیں شر و فساد ہے)۔

اور یہ عجز و جہل و شرارت کی وجہ اصلاح و تدبیر نہ کرتی) اس سبب سے ہے کہ عاجز تو اس بات پر قادر ہی نہیں کہ ایسے ایسے عجیب یا جلالیت و بزرگ مخلوقات پیدا کر سکے اور جاہل کو

راستی و حکمت کا رستہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔ شریر شخص ایسی مخلوقات عجیبہ و نفیسہ پیدا ہی کیوں کرنے لگا

اور جب یہ بات اس طرح قایم ہوئی (جو ہمنے بیان کی کہ عدم اصلاح و تدبیر صرف جہالت و عجز و شرارت سے ہوتی ہے اور خالق عالم ان تینوں باتوں سے پاک ہے) تو لازم ہوا کہ ان مخلوقات کا خالق لا محالہ انکی تدبیر و اصلاح کرے۔ اگرچہ اُس تدبیر کی حقیقت و راہ لوگوں کو نہ معلوم ہوسکے۔ کیونکہ اکثر بادشاہوں کی تدبیروں کو بھی تو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے اور نہ اسکے اسباب کو جانتے ہیں اس سبب سے کہ وہ بادشاہوں کے دل کی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتے ہوتے۔ اور جب جان لیتے ہیں تو اسے بالکل صحیح اور ٹھیک پاتے ہیں اور اسکی دلیل امتحان ہے (جانچ لو۔ امتحان کرلو۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے)

اور اگر تمکو کسی دوا یا غذا میں شبہ ہو اور دو یا تین طرح سے (مثلاً ثابت ہوجائے کہ یہ حار ہے یا بارد (گرم مزاج ہے یا سرد مزاج) تو کیا تم اس تجربہ سے یہی حکم نہ لگاؤگے اور کیا اپنے شبہ کو (جو اُسمیں پیدا ہوا تھا اب بھی) اپنے دل سے نہ نکالوگے؟ تو پھر یہاں کیوں نہیں تجربہ سے کام لیتے اور کیوں نہیں سمجھتے کہ جو کچھ پروردگار عالم کرتا ہے وہ عین مصلحت مخلوقات کیواسطے ہے)

پھر ان جاہلوں (دہریوں) کا کیا حال ہے کہ باوجود اتنے کثیر شواہد کے ہوا پنی زیادتی کے سبب شاید بھی نہیں ہوسکتے۔ جہان کے لئے خالق و مدبر کے قایل نہیں ہوتے۔ (میں تو کہتا ہوں کہ) اگر آدھا جہان اور جو کچھ اسکے اندر ہے ایسا ہوتا کہ بظاہر اُسمیں راستی و درستی نہ پائی جاتی تب بھی عقل و علم کی شان نہ تھی کہ اس عالم کے اہمال کے قایل ہوتے (چہ جائیکہ اس جہان کی تمام چیزیں حکمت و تدبیر سے مملو ہیں۔ اُسپر یہ لوگ اُسکا کوئی خالق نہیں مانتے اہمال ہی کے قایل ہیں) اس لئے کہ اُس دوسرے آدھے میں تو ایسی درستی و استحکام ہے جو فوراً ایسی بات (بے خالق کے پیدا ہوجانا) کہنے سے روکتا ہے۔ تو اب کیونکر یہ بات کہی جا سکتی ہے جبکہ تفتیش و غور و فکر سے دیکھا جائے تو اُسکی تمام ہی چیزیں نہایت ہی صواب و درستی پر قایم ملیں گی۔ یہانتک کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو دل میں آتی ہو اور وہ مخلوقات الہیہ میں اُس سے بہتر اور صحیح طور پر موجود نہ ہو (تم امتحان کرلو۔ جانچ لو۔ کسی چیز کو دل میں خیال کرو کہ جہان میں یہ بات نہیں مگر جس وقت تم تلاش کروگے ویسی ہی بلکہ اُس سے بہتر تمہیں دکھائی دیگی۔ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات اور اُن کے

حالات و اوصاف و آثار و خواص کو ذرا عبرت سے دیکھو تو پھر تمہیں اپنے خیال کی آپ آزمایش ہو جائیگی
کہ کہاں تک صحیح ہوا اور کہاں تک غلط ۔

مفضل! اس بات کو معلوم کر لو کہ یونانی زبان میں اس عالم کا مشہور و معروف نام
"قوسموس" ہے۔ جسکے معنی زینت کا ہے ۔ اور اسی طرح فلاسفہ و مدعیان علم حکمت نے نام رکھا ہے
اسی سبب سے تو اسکا یہ نام رکھا ہے کہ اسمیں تقدیر (و) انداز (صحیح) ہونا پایا ہے۔ تو پھر اسکا نام
تقدیر و نظام ہی کیوں نہ رکھا۔ کہ قوسموس (زینت) نام رکھا کہ اس بات کو ظاہر کریں کہ اس عالم
میں جو صواب و اتفاق ہے وہ نہایت ہی حسن و بہا پر قایم ہے ۔

مفضل! مجھے ایسے لوگوں سے (سخت) تعجب ہوتا ہے کہ فن طب کی غلطی کے تو قایل
نہیں ہوتے باوجودیکہ طبیب کی غلطیاں دیکھتے ہیں اور عالم کے اہمال کے قایل ہوتے ہیں
حالانکہ اسکی کوئی چیز مہمل نہیں دیکھتے۔

بلکہ مدعیان حکمت کے اخلاق سے مجھکو تعجب ہوتا ہے کہ خلقت کی حکمت کو جانتے نہیں
اور خالق جل شانہ کی مذمت میں زبان درازی کرتے ہیں۔ بلکہ اس مخذول مانی سے تعجب ہے
کہ اسرار علم کی دریافت کا دعوے کرتا ہے اور خلقت کے دلایل حکمت سے ناواقف ہے کہتا ہے
کہ اس خلقت میں غلطی و خطا ہے۔ اور خالق تبارک و تعالے کو جاہل بتاتا ہے۔

ان سب سے زیادہ تعجب ان معطلہ سے ہوتا ہے جو اس بات کے خواستگار ہیں کہ اسکو
(خدا تعالے کو) آنکھ سے دیکھ لیں جو عقل سے بھی نہیں معلوم ہو سکتا۔ اور جب ممکن نہوا
تو انکار ہی کر بیٹھے (کہ عالم کا کوئی خالق نہیں) اور جھٹلانے لگے۔ کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں کیوں
نہیں آتا عقل میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔

(بھائی اسکا جواب تو یہی) کہ وہ مرتبہ عقل سے بالاتر ہے (اسلئے تمہاری سمجھ میں نہیں آتا)
جیسا کہ آنکھ اُن چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی۔ جو اُسکی طاقت سے باہر ہیں (اسی طرح عقل
بھی اُس شے کو نہیں سمجھ سکتی جو قوت ادراک عقل سے بالاتر ہے) (اس سے مراد حضرت
کی حقیقت ذات خدا تعالی کا علم ہے جو انسان کی عقل میں نہیں آسکتا۔ نہ یہ کہ اُسکے وجود
کا بھی علم نہیں ہو سکتا اسلئے کہ وجود ذات خداوندی کا علم اُسکے پیدا کئے ہوئے دلایل و شواہد ہیں)

مثلاً اگر تم کسی پتھر کو ہوا میں اُڑتا ہوا بلند دیکھو تو ضرور جانو گے کہ اسے کسی پھینکنے والے نے پھینکا ہے - یہ بات آنکھ سے تو نہیں محسوس ہوئی بلکہ عقل سے معلوم ہوئی کیونکہ عقل ہی اِس بات کی تمیز کرتی اور جانتی ہے کہ پتھر خود بخود بلندی پر نہیں جا سکتا - دیکھو تو سہی کہ نظر اِس حد پر آکر ٹھہر گئی اور آگے نہ بڑھ سکی (یعنی) نظر اِس بات کو نہیں محسوس کر سکی کہ اِس پتھر کا کوئی پھینکنے والا ہے - بلکہ عقل نے اسے سمجھا - آنکھ نے تو صرف پتھر کو اوپر جاتے ہوئے دیکھا تھا) علیٰ ہذا القیاس عقل بھی معرفت خالق عالم میں اپنی حد پر ٹھہر جاتی ہے اور اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتی - لیکن ہم کہتے ہیں کہ جس عقل نے یہ سمجھا ہے کہ مجھ میں نفس اور جان ہے حالانکہ نفس کو دیکھا نہیں اور نہ کسی اور حاسہ نے محسوس کیا - وہی عقل خالق کو اِس طرح پر پہچانتی اور جانتی ہے جس سے اُسکو وجود خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اِس طرح پر نہیں معلوم کر سکتی کہ اُسکے تمام صفات کو ادراک کرے (جیسے اپنی روح اور اپنے نفس کی حقیقت کا کوئی شخص پورا ادراک نہیں کر سکتا کہ وہ کیا ہے - کس چیز سے بنا ہے البتہ اتنا جانتا ہے کہ مجھ میں روح ہے مگر یہ کہ کیا ہے اسکا علم نہیں ہو سکتا) -

اب اگر وہ یہ کہیں کہ بندۂ ضعیف کو اُس نے اِس بات کا مکلف ہی کیوں کیا کہ عقل لطیف سے اُسکی معرفت حاصل کرے حالانکہ وہ پورے طور پر اُسے نہیں پہچان سکتا - تو اُنکو یہ جواب دیا جائیگا کہ بندوں کو معرفت حاصل کرنیکی اُسی قدر تکلیف دی گئی ہے جسقدر اُنکے امکان میں ہے اور جہاں تک پہنچنے کی اُنکو طاقت ہے - وہ یہ ہے کہ اُس کے وجود کا یقین کریں - اُسکے اوامر و نواہی پر عمل کریں - اُنہیں یہ تو تکلیف نہیں دی گئی کہ اُسکی صفات (اور ذات) پر احاطہ حاصل کرلیں - چنانچہ کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو اِس بات کے جاننے کی تکلیف نہیں دیتا کہ وہ جانیں بادشاہ بلند قد ہے یا پست قد ہے - گورا ہے - یا گندمی رنگت کا ہے - صرف اِس بات کا اُنکو مکلف کرتا ہے کہ اُسکی سلطنت کو دل سے مانیں اور اُسکے احکام پر عملدرآمد کریں - دیکھو کہ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کے دروازے پر آکر یہ کہے اپنے تئیں میرے سامنے پیش کر (مجھے دکھا دے) تاکہ میں تجھکو اچھی طرح پہچان لوں ورنہ تیرا حکم نہ مانونگا - تو بیشک اِس نے اپنے تئیں آپ سزا دلوائی - (لامحالہ اِس جرأت پر

بادشاہ اسکو سزا دیگا) اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں تو خالق کے وجود کا اقرار ہی نہ کرونگا جب تک اسکی کنہ و حقیقت کو معلوم نہ کرلوں گا وہ خدا تعالےٰ کو اپنے سے ناراض کرتا ہی۔

اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ آخر تم اسکے صفات تو بیان کرتے ہو۔ کہتے ہو اللہ جواد ہی حکیم ہے کریم ہے عزیز ہے۔

تو اسکا یہ جواب یا جائیگا کہ یہ صفات اقرار ہیں (یعنی یہ وہ صفات ہیں جنکا اقرار ہمکو لازم ہے) صفات احاطہ نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اتنا تو ضرور جانتے ہیں کہ وہ حکیم ہے۔ لیکن ہم اسکی کنہ کو نہیں جانتے (کہ کس طرح کا حکیم ہی۔ یہ صفت اسمیں کس طور پر ہے اس صفت کی اسکی ذات میں کیا ماہیتہ ہے) اسی طرح قدیر و جواد۔ وغیرہ صفات ہیں۔ جیسا کہ ہم لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اس کا مادہ کیا ہے۔ کس چیز سے بنا ہے۔ اور دریا کو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں معلوم کرسکتے کہ اسکی انتہا کہاں تک ہی۔ بلکہ خدا تعالےٰ شانہٗ تو ان مثالوں سے بھی لا انتہار بالاتر ہے۔ اسلئے کہ تمام مثالیں اسکی مثال بننے سے قاصر ہیں۔ البتہ اتنا ہی کہ عقل کو اسکی معرفت کی طرف ذرا لیجاتی ہیں۔ (اور رہبری کرتی ہیں)

اب اگر وہ یہ کہیں کہ پھر اسمیں اختلاف ہی کیوں ہے۔ تو انکو یہ جواب یا جائیگا کہ خیالات اسکی عظمت کی حد تک نہیں پہنچ سکتے اور اسکی معرفت کے حاصل کرنے میں اپنی مقدار سے زیادہ تعدی کرتے ہیں۔ اس (خدا) کی پوری حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اس سے (بلکہ) اس سے کم درجہ سے بھی عاجز ہیں۔

اسکی مثال آفتاب ہے جسے تم دیکھتے ہو کہ تمام جہان پر اپنی روشنی ڈالتا ہے حالانکہ اسکی حقیقت کسی کو بھی نہیں معلوم ہوئی۔ (تو جب ایک معمولی مخلوق آفتاب کی حقیقت و ماہیت نہیں معلوم ہوسکی تو خالق کی حقیقت کو کوئی کیونکر جان سکتا ہے) اسی وجہ سے اسکی بابت بہت سے قول ہیں۔ اور فلسفیوں نے اسکے بیان میں اختلاف کئے ہیں۔ کسی نے تو یہ کہدیا کہ وہ ایک نلکی جسم گولدار آگ سے بھرا ہوا ہے۔ اسمیں منہ ہی جس سے یہ روشنی پھیلتی اور شعاع نکلتی ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہدیا کہ وہ ایک ابر (سفید) ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ شیشہ سے مشابہ ایک جسم ہے۔ ناریہ عالم کو قبول کرتا ہے اور پھر اسی ناریہ کی شعاع عالم پر

ڈالتا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہدیا کہ وہ شے صاف و لطیف ہے۔ پانی بستہ ہو کر بنا ہے۔ کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ آگ کے بہت سے اجزا ہیں جو ایک مقام پر مجتمع ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ عناصر اربعہ کے علاوہ یہ ایک اور ہی عنصر ہے۔

پھر ان لوگوں نے اسکی شکل (و ہیئت) میں بھی اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ ایک چوڑے صفحے کے ہے۔ اوروں نے یہ رائے دی ہے کہ آفتاب مثل ایک لڑھکنے والی گیند کے ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اسکی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ کسی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ آفتاب زمین کے برابر ہے اوروں نے یہ کہا ہے کہ زمین سے چھوٹا ہے۔ کسی نے یہ کہا ہے اس جزیرہ عظیمہ (غالباً زمین مراد ہے) سے بڑا ہے۔ علم ہندسہ والوں نے کہا ہے کہ آفتاب بہ نسبت زمین کے ایک سو ستر درجہ بڑا ہے۔

ان کے اس (قدر) اختلاف اقوال سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ لوگ اسکی واقفیت وحقیقت امر پر واقف نہیں ہوئے۔ اور جبکہ اس آفتاب کی حقیقت معلوم کرنے سے عقلیں عاجز رہیں جسے آنکھیں دیکھتی اور احساس اُسے ادراک کرتا ہے۔ تو اُسے کیونکر محسوس کر سکتے ہیں جو حس سے محسوس ہی نہیں ہو سکتا اور وہم وخیال سے مخفی و مستتر ہے۔

پھر اگر کہیں کہ آخر کیوں مخفی و مستتر ہے تو انکو یہ جواب دیا جائیگا کہ وہ کسی تدبیر وحیلہ سے مخفی نہیں ہوا وہ اس طرح پوشیدہ نہیں ہے جیسے کوئی دروازوں اور پردوں کے پیچھے آدمیوں کی نگاہ سے چھپنے کے لئے پوشیدہ ہوتا ہے۔ بلکہ ہم جو کہتے ہیں کہ وہ (خدا تعالیٰ) نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اُسکا مطلب یہ ہے کہ اُس تک وہم وخیال پہنچ نہیں سکتے۔ وہ ان کے ادراک سے زیادہ لطیف ہے۔ جیسے نفس (نفس ناطقہ۔ روح) لطیف ہے (اور اسی وجہ سے آنکھ اُسے دیکھ نہیں سکتی) حالانکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ پھر بھی وہم وخیال کے ادراک سے بالاتر ہے۔

اب اگر وہ کہیں کہ اچھا وہ لطیف ہی کیوں ہے۔ حالانکہ وہ اس سے زیادہ بالاتر ہے۔ تو یہ سوال نہایت ہی غلط ہوگا۔ کیونکہ جو شخص تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اُسکے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ ہر شے سے مباین (اور غیر ہو) اور ہر چیز سے بالاتر ہو سبحانہ وتعالیٰ نے

(عجائب شرکون)۔
اب اگر وہ یہ کہیں کہ اُسکا مبائن و بالاتر ہونا تمام اشیاء سے کیونکر معلوم ہوا تو اُنکو اسکا یہ جواب دیا جائیگا کہ کسی شے کے معلوم کرنے کا حق چار طریقے سے پورا ہوتا ہی (یعنی چار طریقے ہیں) ۱ یہ کہ دیکھا جائے کہ آیا وہ شے موجود ہے یا موجود نہیں ہے ۲ یہ معلوم کیا جائے کہ وہ شے فی نفسہٖ فی حد ذاتہ کیا چیز ہے ۳ یہ کہ وہ شے کیونکر ہے اور اسکی صفت کیا ہے ۴ یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس وجہ اور کس سبب سے ہے۔ اِن چاروں باتوں میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جسکو کوئی مخلوق اپنے خالق کے متعلق پوری طور پر معلوم کرسکے۔ سوائے اسکے کہ اسقدر جانے کہ وہ موجود ہے۔ بس (اور اِس سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا کہ خدا تعالےٰ کیا چیز ہے) اب اگر ہم یہ کہیں کہ وہ کیونکر ہے۔ اور کیا چیز ہے۔ تو اُسکی کُنہ کا جاننا اور اُسے کامل طور پر معلوم کرنا محال ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ کیوں اور کس سبب سے ہے؟ تو یہ سوال خدا تعالےٰ کی صفت میں بالکل ساقط (اور غلط ہے) اِس سبب سے کہ وہ (جل شانہ) ہر چیز کی علت اور اُسکا سبب ہے کوئی اور شے اُسکی علت اور اُسکا سبب نہیں ہے (تو بھلا اُسمیں کیوں اور کیونکر کو کیا دخل ہوسکتا ہی)

پھر آدمیوں نے جو اسقدر معلوم کرلیا ہے کہ وہ (خدا تعالےٰ) موجود ہے اِس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ یہ بھی جان لیں کہ وہ کیا چیز ہے اور کیوں ہے۔ جیسا کہ نفس کے وجود کا جاننا اِس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اُسکی حقیقت بھی معلوم ہوجائے کہ وہ کیا چیز ہے۔ اور کیونکر ہے۔ (کیونکہ ہر شخص اِس بات کو جانتا ہے کہ ہم میں روح و نفس موجود ہے۔ مگر آجتک کسی کو یہ نہ معلوم ہوا کہ نفس و روح کی حقیقت کیا ہے۔ اُسکی واقعی کیفیت کیا ہے؟ علیٰ ہذا القیاس اور روحانی لطیف اشیاء ہیں (کہ اُنکا وجود تو معلوم ہے مگر حقیقت اُنکی کسی نے ابتک نہ جانی اسی طرح پروردگار عالم کا وجود تو معلوم ہوگیا مگر اُسکی حقیقت نہیں معلوم ہوسکتی کیونکہ وہ کسی حاسہ سے محسوس نہیں ہوسکتا)

پھر اگر وہ یہ کہیں کہ تم تو اُسکی عدم معرفت (بسبب قصور علم کے) کی نسبت ایسا بیان کرتے ہو کہ گویا وہ ایک نامعلوم چیز ہے۔ تو اُنکو یہ جواب دیا جائیگا کہ ایک راہ سے تو واقعی ایسا ہی ہی (یعنی) جبکہ عقل اُسکی کُنہ و حقیقت کی معرفت اور اُسکی واقفیت کا علم حاصل کرنا چاہیے (تو

ضرور وہ اس راہ سے بالکل نامعلوم ہے) اور دوسری راہ سے وہ ہر قریب سے بھی زیادہ قریب ہے جبکہ دلائل شافیہ کے ذریعہ سے اُسکے وجود پر استدلال کیا جائیگا (تو اُسکا وجود ایسا ثابت ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہی موجود ہے اور واقعی بھی ایسا ہی ہے) پس ایک جہت سے تو وہ کا اوضح ہے اور کسی پر بھی مخفی نہیں ہے (علم من حیث الوجود) اور ایک جہت سے بالکل غامض ہے کہ اُسے کوئی بھی ادراک نہیں کرسکتا (من حیث الحقیقۃ والماہیۃ) یہی حال عقل کا بھی ہے کہ شواہد و دلائل سے اُسکا وجود معلوم ہے مگر اُسکی ذات (وحقیقت) مخفی ہے۔

مگر اصحاب طبائع (طبعیین جنہیں نیچری بھی کہتے ہیں جنکا مدار صرف ظاہری سائنس پر ہے) تو یہ کہتے ہیں کہ طبیعت کوئی ایسا فعل کرتی ہی نہیں جو بے معنی اور بیکار ہو اور نہ کسی ایسی چیز کو چھوڑتی ہے جس سے کسی چیز کا کامل ہونا فی حد ذاتہ وطبعیۃ ہوتا ہو۔

انکا یہ خیال ہے کہ امتحان (وتجربہ) اس پر شاہد ہے (کہ دراصل فاعل وخالق اشیاء طبیعت ہے اور وہی ہر چیز کو بطور اکمل پورا کردیتی ہے) انکو یہ جواب دیا جائیگا کہ کس نے طبیعت کو یہ حکمت اور تمام اشیاء کے حدود پر اطلاع بخشی ہے اسلئے کہ کسی کام کے حد اعتدال وقابلیت سے قدم آگے نہ بڑھائے (اور جو کرے وہ بالکل باقاعدہ اور درست ہی ہوا کرے) حالانکہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ عقلوں کو بہت سے تجربوں کے بعد بھی نہیں حاصل ہوتی (اور طبیعت غیر مدرکہ نے بے کسی تجربہ اور امتحان کے ایسے محکم و متقن و باتدبیر و حکمت افعال کرنے شروع کردیے یہ بالکل خلاف قیاس ہے)

پس اگر وہ یہ کہیں کہ طبیعت حکیم ہے اور ایسے افعال پر قادر ہے تو انہوں نے جسکا انکار کیا تھا اُسے مان لیا کیونکہ یہی تو خالق کی بھی صفت ہے (کہ وہ حکیم وقادر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اُسکا نام طبیعت رکھتے ہیں اور ہم اُسکو اللہ معبود۔ حکیم۔ قادر وغیرہ کہتے ہیں) اور اگر وہ اس بات کا انکار کردیں (کہ طبیعت میں حکمت وقدرت پائی جاتی ہے) تو یہ حکیمانہ خلقت بلند آواز سے پکار کر کہہ رہی ہے کہ ضرور یہ کسی ایسے خالق کا فعل ہے جو بڑا حکمت والا ہے (کیونکہ جب طبیعت حکیم وقادر نہوئی تو ضرور یہ افعال کسی حکیم ہی کے ہوں گے کیونکہ وہ حکمت وتدبیر سے بھرے ہوئے ہیں)۔

قدماء میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو عمد و تدبیر کے منکر تھے۔ وہ اس بات کے قایل تھے کہ اشیاء عالم بالعرض و بالاتفاق پیدا ہو گئی ہیں۔ (یعنی بلا ارادہ اتفاقاً پیدا ہو گئی ہیں جیسے کسی کو زمین کھودنے سے اتفاقاً خزانہ ملجاتا ہے حالانکہ کھودنے والے کا ارادہ نہیں ہوتا کہ میں خزانہ نکالونگا) انکی دلیل یہ تھی کہ اناث سے بچے خلاف مجرائے عرف و عادت پیدا ہوتے ہیں جیسے انسان کبھی ناقص پیدا ہوتا ہے کبھی ایک ونگلی ہی زاید ہوتی ہے۔ یا بہ ہیئت مبدل الخلق ہوتا ہے۔ اسکو انہوں نے اس بات کی دلیل ٹھہرائی تھی کہ اشیائے عالم کسی کے ارادہ و تدبیر سے نہیں پیدا ہوئے (کیونکہ مدبر و مرید ایسا نہیں کرسکتا کہ کسی میں پانچ اونگلیوں کی جگہ چھ پیدا کردے۔ کسی میں ایک سر کے بدلے دو سر پیدا کردے۔ کسی کو ایک کا ہاتھ کا پیدا کرے۔ کسی میں چار ہاتھ بنا دے) بلکہ محض بالعرض اور اتفاقی طور پر پیدا ہوئے ہیں"۔ ارسطا طالیس نے انکے کلام کو (اسی زمانہ میں) رد کردیا تھا۔ اس نے یہ جواب دیا تھا کہ جو چیز کبھی اتفاقی طور پر ہو جاتی ہے اسکے کچھ خاص خاص اسباب ہوتے ہیں جو طبیعت کو عارض ہو جاتے اور اسکو اسکے اصلی افعال سے ہٹا دیتے ہیں۔ (مثلاً قوت مولدہ جو رحم میں ہے اسکا بسبب اپنی کمزوری کے کامل صورت پیدا کرنے سے قاصر رہنا۔ یا کثرت حرارت اور اضطراب فعل کی وجہ سے ایک کی جگہ دو کا ہوجانا وغیرہ) تو وہ اتفاق کبھی بمنزلہ امور طبعیہ کے نہیں ہوسکتا جو ایک ہی طور پر برابر ہمیشہ جاری رہے۔ حالانکہ ملے مفصل اتم قسم قسم کے حیوانات کو دیکھتے ہو کہ اکثر ایک ہی صورت اور ایک ہی قانون پر چلے جاتے ہیں مثلاً انسان ہی ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو اسکے دو ہاتھ ہوتے ہیں دو پاؤں ہوتے ہیں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں میں موجود ہے۔ مگر کبھی کبھی) جو اسکے برخلاف ہوجاتا ہے وہ کسی علت کی وجہ سے ہوجاتا ہے۔ جو رحم یا مادہ میں ہوتی ہے جس سے جنین بنتا ہے۔ جیسے صناعتوں میں ہوتا ہے کہ کاریگر تو چاہتا ہے میں اس چیز کو ٹھیک ور باقاعدہ بناؤں مگر اسکے آلہ میں کوئی نقصان پیدا ہوجاتا ہے جس سے وہ کام کررہا ہے (تو اسکی صنعت میں عیب آجاتا ہے) اسی طرح حیوانات کے بچوں میں بھی کچھ ایسے ہی اسباب پیدا ہوجاتے ہیں (جنہیں ہمنے بیان کیا) جن سے بچہ ناقص یا زاید یا بدہیئت پیدا ہوتا ہے۔ اور اکثر باقاعدہ اور درست پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں

کوئی عیب نہیں ہوتا۔
پس جس طرح بعض کاموں میں کسی سبب سے کوئی خرابی واقع ہوجاتی ہے مگر موجب اہمال نہیں ہوتی اور نہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسکا کوئی صناع نہیں ہے۔ اسی طرح بعض امور جو افعال طبیعیہ میں کسی مانع و حارج کی وجہ سے واقع ہوجاتے ہیں وہ بھی اس بات کا سبب نہیں ہوسکتے کہ کل کے کل بالعرض اور اتفاقاً پیدا ہوئے ہو۔ پس جو شخص کسی امر کے برخلاف طبیعت (و قانون قدرت ظاہری) ہوجانے کی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ تمام چیزیں بخت و اتفاق سے پیدا ہوگئی ہیں اُسکا یہ کلام غلط اور فاسد ہے۔
اب اگر وہ یہ کہیں کہ پھر اشیاء عالم میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بعض ناقص اور بعض تام پیدا ہوتے ہیں تو انکو یہ جواب دیا جائیگا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ اشیاء عالم کا وجود طبیعت کی مجبوری کے سبب سے نہیں ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر طبیعت کی طرف سے ہو تو سب میں مساوات ہی ہو۔ جیسا کہ ان کہنے والوں نے کہا ہے۔ بلکہ خالق حکیم کے ارادے اور تقدیر سے ایسا ہوا ہے کہ اُس نے طبیعت کو ایسا بنایا کہ اکثر تو ایک ہی قاعدہ اور قانون پر چلا کرے اور کبھی کسی سبب سے اُس قانون سے ہٹ بھی جائے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ طبیعت بھی کسی غیر کے تصرف میں ہے اسمیں کسی غیر کی تدبیر و حکمت نے کام کیا ہے۔ یہ بھی کسی اپنے حد کمال تک پہنچنے اور اپنے عمل کو پورا کرنے میں خالق کے پیدا کرنے اور اُسکی قدرت کی محتاج ہے۔ تبارک اللہ رب العالمین۔
مفضل! میں نے جو تمہیں دیا ہے اُسے لو اور جو میں نے بخشا ہے (تعلیم کیا ہے) اُسے یاد کرلو۔ اور اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو۔ اور اُسکی نعمتوں کی حمد بجالاؤ۔ اُسکے دوستوں کی اطاعت کرو۔
میں نے تمہیں عالم کے مخلوق ہونیکی دلیلیں۔ اور درستی تدبیر و ارادہ کے شواہد بہت سے میں سے تھوڑا سا اور کل میں سے ایک جزو بیان کیا ہے۔ اسے سوچو اور اسمیں غور کرو اس سے عبرت حاصل کرو۔
مفضل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی مولا انشاء اللہ آپ کی مدد سے میں اس پر قادر ہونگا

اور اس مطلب تک پہنچ جاؤنگا۔ سوقت آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا احفظ بمشیة اللہ ولا تنس انشاء اللہ تو میں بیہوش ہوکر گرپڑا (اس کے سبب کو علم نفس والے خوب سمجھیں گے) جب میں ہوشیار ہوا تو آپ نے فرمایا مفضل! اب تم اپنے تئیں کیسا پاتے ہو میں نے عرض کی اپنے مولا کی مدد اور تائید سے اس کتاب میں مستغنی ہوگیا جیسے میں نے لکھا ہے اور ایسا مجھے حفظ ہوگیا ہے گویا میں اسے اپنی ہتھیلیوں کے لکھے ہوئے سے پڑھ رہا ہوں پس میرے مولا (خدا تعالیٰ) ہی کیلئے شکر و حمد ہے جیسا وہ مستحق ہے۔

پھر آپ نے فرمایا مفضل! اپنے دل کو مطمئن کرلو اور اپنے دماغ و عقل و اطمینان کو مجتمع کرلو۔ تو میں انشاء اللہ تمسے ملکوت آسمان و زمین اور جو کچھ انکے درمیان اور انکے اندر خدا تعالیٰ نے عجائب مخلوقات اور اقسام ملائکہ و صفوف ملائکہ پیدا کئے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک اُن کے مقامات و مراتب مقرر کئے ہیں اور تمام مخلوقات جن و انس سے لیکر زمین کے ساتویں طبقے اور تحت الثریٰ تک سب بیان کردونگا تاکہ (تمہیں معلوم ہو) کہ جو کچھ تمنے اس وقت یاد کرلیا ہے۔ وہ بہت سے جزوں میں سے ایک جزو ہے ؛

اچھا اب جاؤ۔ جب تمہارا جی چاہے خدا حافظ و ناصر۔ ہمارے نزدیک تمہارا اعلیٰ مرتبہ ہے اور مؤمنین کے دلوں میں تمہاری قدر ایسی ہے جیسے پیاس میں پانی (مگر) جو میں نے تمسے وعدہ کیا ہے اسکی درخواست مجھ سے نہ کرنا جب تک میں خود تمسے بیان نکروں مفضل کہتے ہیں میں حضرت کے پاس سے وہ شے لیکے چلا کہ کوئی بھی ایسی شے لیکر نہ واپس آیا ہوگا۔ (فالحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً وھو علی کل شیٔ قدیر)

حدیث اہلیلج

کتاب التوحید بحار الانوار سے بیان کیا مجھ سے محرز بن سعید نحوی نے دمشق میں کہ مجھ سے بیان کیا محمد بن ابی مسہر نے رملہ میں اپنے باپ سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی کہ مفضل بن عمر جعفی نے ابو عبداللہ جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کو خط لکھا اسمیں یہ ظاہر کیا کہ کچھ لوگ اس ملت کے ایسے نکل پڑے ہیں جو پروردگار کے پروردگار ہونے کا

انکار کرتے ہیں اور اسپر جھگڑتے ہیں اور حضرت سے یہ درخواست کی کہ آپ انکے اقوال کو رد فرمائیے اور جس طرح اوروں کی دلیلوں کو آپ نے باطل کیا ہے اسی طرح ان کے دعووں کو بھی باطل کیجئے - اسکے جواب میں جناب ابا عبد اللہ علیہ السلام نے یہ مضمون تحریر فرمایا

بسم اللہ الرحمن الرحیم - اما بعد معبود برحق ہمکو بھی اور تمکو بھی اپنی اطاعت کی توفیق دے اور اپنے ذریعے سے ہمارے لئے اپنی رضامندی کو اپنی رحمت سے لازم فرمائے - تمہارا خط پہنچا - تم نے اسمیں لکھا ہے کہ ہمارے مذہب (اسلام) میں (فساد) پھیلے ہیں اور یہ (ان) لوگوں کے سبب سے ہی جو ربوبیت کا (پروردگار کے پروردگار ہونیکا) انکار کرتے ہیں - انکا عدد بڑھ گیا ہے - اور انکے جھگڑے تکرار بہت سخت ہوگئے ہیں - تم نے اس خط میں یہ بھی درخواست کی ہے کہ میں انکی رد میں کوئی کتاب اسی پرداز پر لکھدوں جیسے میں نے اور بدعتیوں اور اختلاف والوں کے اقوال رد کئے ہیں !!

ہم اللہ کی کامل نعمتوں اور حد کو پہنچی ہوئی حجتوں اور اسکے امتحان ممدوح پر جس سے اس نے خاص و عام کو جانچا ہے شکر کرتے ہیں !! اسکی عظیم نعمتوں اور بڑے عطیوں میں سے جو اس نے دئے ہیں ایک یہ ہی کہ اس نے ان کے (خاص و عام کے) دلوں میں اپنی ربوبیہ کو قایم فرما دیا اور اپنی معرفت کا عہد ان سے لیلیا اپنے ایسی کتاب نازل فرمائی جسمیں دلوں کے امراض (شکوک) کی شفا ہے جو امور مشتبہ اور خیالات ہیں (یعنی اصل بیماری دل کی یہی شکوک و شبہات و خیالات ہیں جو اسمیں آتے ہیں) اور نہ خود ان (خاص عام) کو نہ کسی اور چیز کو اپنے سوا کسی دوسرے کا محتاج کیا ہے - مگر خود ان سب سے مستغنی ہے اور بیشک) اللہ غنی و محمود ہے !! اپنی عمر کی قسم ان جاہلوں کو اسقدر ضرر پہنچا انکے رب کی طرف سے (یعنی اپنے رب کا انکار کرنے کے سبب سے) حالانکہ صاف صاف دلیلیں اور ظاہر ظاہر علامتیں (خدا کے وجود کی) اپنی خلقت میں دیکھتے ہیں - اور ملکوت آسمان و زمین و صنعت عجیبہ محکمہ کا معاملہ کرتے ہیں جو بتا رہی ہیں کہ ان سب چیزوں کا کوئی بنانے والا ہے ؛ لیکن یہ وہ قوم ہے جسنے اپنے سامنے معصیتوں کا دروازہ کھول لیا ہے اور اپنے نفسوں کیلئے خواہشوں کے رستے سہل کرلئے ہیں - اسی وجہ سے خواہشہائے نفسانی

اُن کے دلوں پر غالب آگئی ہے اور ظلم کرنے کی وجہ سے شیطان کو انپر غلبہ ہوگیا ہے۔ اسیطرح خدا تعالےٰ سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ؛

تعجب ہے اُس مخلوق سے جو اِس بات کا دعوے کرتا ہے کہ خدا تعالےٰ اپنے بندوں سے مخفی ہے (یعنی اُسکا وجود اب تک ثابت نہیں ہوا) حالانکہ خود اپنے نفس میں صنعت کا اثر دیکھ رہا ہے کہ اسکی ایسی ترکیب ہے جسمیں عقل حیران ہے اور ایسی تالیف ہے جو خود اُسکی دلیل کو باطل کر رہی ہے (یعنی انسان کے جسم و روح کی ساخت اور اسکی خوبی ترکیب آپ بتا رہی ہے کہ ضرور اسے کسی مدبّر حکیم نے بنایا ہے) قسم اپنی جان کی اگر یہ لوگ ان بڑی بڑی باتوں میں ذرا غور کرتے تو کھلی ہوئی ترکیب اور بدیہی خوبی تدبیر اور اشیاء عالم کا مخلوق ہونا آنکھوں سے معاینہ کر لیتے (کہ یہ اشیاء پہلے نہ تھیں اور پھر پیدا ہوئیں تو آخر کسی نے پیدا کیا ہی ہوگا)

پھر اِن (اشیاء) کا ایک حال سے دوسرے حال پر اور ایک ساخت سے دوسری ساخت پر بدلنا ہی ایسا ہے جو صانع کو بتا رہا ہے۔ کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسمیں تدبیر و ترکیب کا اثر نہو۔ اور اس بات کو نہ بتاتا ہو کہ اسکا کوئی خالق و مدبّر ہے۔ کوئی ایسی شے نہیں جسمیں حکمت کے ساتھ ترکیب نہوا اور جو واحد حکیم کو نہ بتا رہی ہو۔

تمہارا خط مجھکو ملا۔ میں نے تمہارے لئے ایک مضمون لکھا ہے جس پر میں نے منکرین میں سے ایک شخص سے بحث کی تھی وہ یہ ہے کہ ایک ہندی طبیب میرے پاس آیا کرتا تھا اور اپنی ضلالت اور اپنی رائے پر برابر مجھ سے بحث کیا کرتا تھا ایک روز دوا میں ملانے کے لئے جسکی مجھے ضرورت تھی ہلیلہ کوٹ رہا تھا کہ اتنے میں وہ ایک بات بول اُٹھا جسمیں وہ مجھ سے بحث کرتا تھا۔ اُسکا دعوےٰ یہ تھا کہ دنیا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی ایک درخت اگتا ہے دوسرا گرتا ہے۔ ایک جان پیدا ہوتی ہے۔ دوسری تلف ہوجاتی (اسیطرح عالم کا سلسلہ چلا آتا ہے اور چلا جائیگا) اور یہ بھی اُسکا خیال تھا کہ میں جو خدا تعالےٰ کی معرفت کا دعویٰ کرتا ہوں یہ دعوےٰ بلا دلیل ہے۔ میرے پاس اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ اسے پچھلوں نے اگلوں سے لیا ہے اور چھوٹوں نے بڑوں سے

دہریہ کا پہلا دعویٰ

(یعنی محض سُنی سنائی بات ہے کہ خدا بھی کوئی چیز ہے ورنہ دراصل کچھ نہیں) اُس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ اشیاء مختلفہ و متفقہ خواہ ظاہری ہوں یا باطنی صرف حواس خمسہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ آنکھ سے دیکھکر کان سے سُنکر۔ ناک سے سونگھکر۔ مُنہ سے چکھکر۔ ہاتھ۔ پاؤں سے چھوکر) اور چونکہ خدا تعالےٰ ان حاسّوں سے محسوس نہیں ہوتا لہذا اُسکا وجود محال کر پھر اُس نے اپنی گفتگو کو اپنے بنائے ہوئے قاعدے تک پُہنچا کر کہا کہ میں نے کسی حاسہ سے خالق کو محسوس نہیں کیا جو میرے دل میں بیٹھتا (یہ صرف خدا تعالےٰ کے وجود سے انکار کرنے کیلئے اُس نے کہا تھا)

پھر اُس نے مجھے کہا کہ اچھا جس دلیل سے تم اپنے پروردگار کی معرفت کا ثبوت دیا کرتے ہو جس سے اُسکی قدرت و ربوبیت کو بیان کرتے ہو وہ مجھ سے بیان کرو حالانکہ دل اُنہیں چیزوں کو جان سکتا ہے جو حواس خمسہ سے محسوس ہوئی ہوں۔ جنہیں میں نے تم سے کہدیا ہے ؛

میں نے کہا اُس عقل کے ذریعہ سے خدا کے وجود کا ثبوت دیتا ہوں جو میرے دل میں ہے اور اُس دلیل کے ذریعہ سے جس سے اُسکی معرفت کا ثبوت پیش کرتا ہوں

ہندی طبیب . . . یہ کہاں سے تم کہتے ہو حالانکہ جانتے ہو کہ دل کسی چیز کو بغیر حواس خمسہ کے نہیں معلوم کرسکتا۔ تو کیا تمنے اپنے رب کو آنکھ سے دیکھا ہے یا اُسکی آواز سُنی۔ یا اُسے سونگھا۔ یا اُسے زبان سے چکھا۔ یا اُسے ہاتھ سے چھوا جس سے تمہارے دل میں اُسکی معرفت آگئی۔

میں نے کہا . . . تم اِس وجہ سے خدا تعالےٰ کے وجود کا انکار کرتے ہو کہ اپنے حواس خمسہ سے تمنے محسوس نہیں کیا جو اشیاء کے احساس کا آلہ ہے۔ اور میں اُسکے وجود کا اقرار کرتا ہوں تو کیا کوئی اُس سے چارہ ہے کہ ایک ہم دونوں میں سے جھوٹا ہو اور دوسرا سچا۔

اُس نے کہا نہیں (بلکہ ضرور ہے کہ یا اپنے دعوے میں میں سچا ہونگا یا آپ اپنے دعوے میں) ؛

میں نے کہا - اچھا اگر تمہاری ہی بات سچی نکلی تو میں جو تمکو عذاب خدا سے ڈراتا ہوں اسمیں میرے لئے کوئی خوف کی بات ہے؟

اُس نے کہا نہیں - زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ڈرانے کا فعل عبث ہو کیونکہ جب درا صل کوئی خدا ہی نہوگا تو اُس سے ڈرانا یا اُسکے عذاب سے ڈرانا ایک بیکار کام ہوا۔

میں نے کہا اور اگر وہی سچ ہو جو میں کہتا ہوں تو کیا ایسا نہیں ہوگا کہ تم تو انکار کی وجہ سے ہلاکت میں پڑو گے اور میں اس سبب سے کہ عذاب خالق سے برابر ڈرایا کرتا تھا محفوظ رہونگا۔

اُس نے کہا ضرور ایسا ہوگا۔

میں نے کہا - اچھا پھر زیادہ عقلمند اور قریب بہ نجات کون رہا میں یا تم؟

اُس نے کہا - آپ ... مگر یہ کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ محض دعوے اور ایک شبہ ہے اور میں جو کہہ رہا ہوں وہ یقینی ہے اور قابل وثوق - اسلئے کہ میں اپنے حواس خمسہ میں سے کسی ایسے حاسہ کو ایسا نہیں پاتا جسنے اللہ کو محسوس کیا ہو - اور جیسے مرے حاسہ نے احساس نہیں کیا - اُسے میں موجود نہیں جانتا۔

میں نے کہا - تمہارا حاسہ جب ادراک خدا سے عاجز رہا تو تمنے اُسکا انکار کر دیا اور میرا حاسہ جو اُسکے ادراک سے قاصر رہا تو میں نے اُسکی تصدیق کی (یعنی جس وجہ سے تم انکار کرتے ہو اُسی وجہ سے میں اُسکا اقرار کرتا ہوں)

اُس نے کہا - یہ کیونکر -

میں نے کہا - اسلئے کہ جس چیز میں ترکیب کا کچھ بھی اثر ہے (یعنی جو چیز مرکب ہے) وہ جسم ضرور ہے - یا جو چیز نظر پڑتی ہے وہ رنگ ضرور ہے - لہذا جس چیز کو آنکھ نے یا اور باقی حاسوں نے ادراک کیا وہ خدا تعالےٰ کے علاوہ کوئی اور شے ہے - اسلئے کہ وہ مخلوقات سے مشابہ نہیں ہے اور نہ مخلوقات میں سے کوئی چیز اُس سے مشابہ ہے - اور نیز یہ کہ ان مخلوقات میں تغیر و زوال ہوتا رہتا ہے - اور جو کسی متغیر اور زوال پذیر چیز سے مشابہ ہو وہ بھی متغیر اور زوال پذیر ہے (لہذا خدا تعالےٰ کو انسے مشابہ نہونا چاہیئے اور جب انسے مشابہ نہوا تو کوئی حاسہ اُسے کیونکر محسوس کر سکتا ہے) اور مخلوق مثل خالق کے نہیں ہو سکتا اور نہ محدث

مثل محدث کے (لہٰذا اُسے محسوس نہ ہونا چاہیئے۔ پھر عدم احساس اُسکے عدم وجود کی کیونکر دلیل ہو سکتا ہے)؟

اُس نے کہا یہ تو ایک بات ہے۔ لیکن میں تو اُسے مانتا ہی نہیں جو میرے حاسہ سے محسوس ہو کر میرے دل تک نہ پہنچے"

جب اُس نے یہ بات کہی اور یہ حجت پکڑے تو میں نے کہا جب تم نے جہالت ہی پر کمر باندھ لی اور جھگڑنے کو دلیل بتاتے ہو تو جس بات کا تم نے عیب مجھکو لگایا وہی عیب تم میں بھی ہوا (یعنی دعوے بلا دلیل) تم نے بھی وہی کیا جسے ناپسند کرتے تھے۔ یعنی کہ تم نے یہ کہا کہ میرا یہ ذاتی دعوے ہے کہ جو چیز میرے حواس سے نہ محسوس ہو وہ میرے نزدیک لاشے ہے (خواہ میرے پاس کوئی دلیل اسکی ہو یا نہو)

اُس نے کہا یہ کیونکر (جو عیب میں نے آپ میں لگایا وہی مجھ میں پایا گیا)

میں نے کہا۔ تم نے مجھے یہ الزام دیا تھا کہ آپ محض دعوے ہی دعوے کرتے ہیں آپکے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور خود دعوے بلا دلیل کر بیٹھے اور ایسی بات کا دعوے کر لیا جسکی پوری طور پر حالت نہیں معلوم کی اور نہ علم ویقین کے راہ سے کہا۔ تم نے خدا تعالےٰ کے وجود کے انکار میں اپنے لئے کیسے محض دعوے ہی دعوے کر لینے کو جائز رکھ لیا۔ اور علامات نبوت و حجت واضحہ کو رد کر دیا اور مجھکو اُسی کا عیب لگایا تھا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ تم تمام جہات میں پھر آئے ہو۔ اور ان جہتوں کی حد تک پہنچے ہو؟

کہا "نہیں"

میں نے کہا۔ کیا کبھی تم اس آسمان پر چڑھے ہو جسے دیکھ رہے ہو۔ یا زمین کے آخری درجہ تک گئے ہو۔ اُسکے اطراف وجوانب میں پھرے ہو۔ یا دریاؤں کے اندر غوطہ لگایا ہے۔ آسمان کے اوپر یا اُسکے نیچے زمین تک اور زمین کی انتہائی تہ تک۔ فضا کے اطراف وجوانب میں پھرے ہو۔ اور ان سب مقامات پر دیکھ چکے ہو کہ یہاں وہاں کسی جگہ کوئی مدبر حکیم۔ عالم باخبر (دانا) نہیں ہے؟

کہا "نہیں"۔ (میں تو ان مقامات میں سے کسی مقام پر بھی نہیں۔ گیا۔

میں نے کہا۔ تمہیں کیا خبر کہ تم جس کا انکار کرتے ہو شاید انہیں مقامات میں سے کسی جگہ ہو جہاں تمہارے حاسے نے کام نہیں کیا اور نہ تمہیں اُسکا علم ہوا۔
کہا۔ مجھے تو خبر نہیں۔ شاید ان مقامات میں سے جنکا آپ نے ذکر کیا ہے کوئی مدبر ہو اور یہ بھی خبر نہیں شاید۔ انہیں سے کسی جگہ کوئی بھی مدبر نہو۔
میں نے کہا۔ جبکہ تم انکار کی حد سے شک کی حد تک پہنچے (پہلے تو کہتے تھے قطعی کوئی مدبر نہیں اب کہتے ہو شاید ہو شاید نہو) تو مجھے امید ہے کہ معرفت کی حد تک بھی پہنچو گے۔
کہا۔ یہ شک تو اِس آپکے سوال سے پیدا ہو گیا جو آپنے ایسی جگہوں کو دریافت کیا جنہیں میں نہیں جانتا اور جہاں میں گیا ہی نہیں اسلئے کہدیا کہ شاید اُن مقامات میں سے کسی مقام پر کوئی مدبر حلیم ہو (لیکن جس چیز کو میرے حاسوں نے ادراک نہ کیا اُس کا یقین مجھے کیونکر ہو سکتا ہے"؟
میں نے کہا۔ اِسی ہلیلہ کے ذریعہ سے۔
کہا۔ یہ تو اب حجت کو خوب ثابت کر دیگی کیونکہ یہ اُس طب کے (داب میں سے ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں)۔ (یہ بات تو دلیل کے لئے بہت مناسب ہی)
میں نے کہا۔ یہی میرا ارادہ ہے کہ وجود پروردگار کا ثبوت تمکو اسی ہلیلہ سے دوں کیونکہ یہ تمہارے پاس ہی رکھی ہوئی ہے۔ اگر کوئی شے اسکے علاوہ تمسے زیادہ قریب ہوتی تو میں اُس سے ثبوت دیتا۔ اسلئے کہ حکمت ترکیب (یعنی کہ کس نے اُسکو بنایا اور مرکب کیا ہے) کا اثر ہر شے میں موجود ہے جو اپنی مخلوق و مصنوع ہونے اور اپنے لئے کوئی صانع و خالق ہونے کو بتا رہا ہے۔ جب معدوم تھی تو اُس نے اُسے پیدا کیا۔ اور اسطرح سے فنا بھی کر دیگا کہ بالکل کچھ بھی باقی نہ رہے گی۔
اچھا یہ بتاؤ کہ تم اِس ہلیلہ کو دیکھ رہے ہو۔
کہا "ہاں"
میں نے کہا۔ جو کچھ اسکے اندر ہے اُسے بھی دیکھ رہے ہو؟"
کہا "نہیں"

میں نے کہا۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ اس کے اندر ایک بیج ہے جسے تم اسوقت دیکھ نہیں رہے ہو۔ کہا۔ اسکی مجھے خبر نہیں ممکن ہے کہ اسکے اندر کچھ بھی نہو۔

میں نے کہا۔ تم جانتے ہو کہ اس ہلیلہ کے چھلکے کے نیچے مغز چھپا ہوا ہے جسے تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ یا کوئی اور رنگین شے ہے۔؟

کہا۔ مجھے خبر نہیں۔ شاید اس کے نیچے کوئی رنگدار چیز یا مغز کچھ نہو۔

میں نے کہا۔ تم اقرار کرتے ہو کہ یہ ہلیلہ جسے لوگ عام طور پر جانتے ہیں ہندوستان میں بھی ملتا ہی؟ کیونکہ بہت سے مختلف الاقوال لوگوں نے اسکا ذکر کیا ہے۔

کہا۔ مجھے خبر نہیں۔ ممکن ہے کہ جس بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا ہو۔ غلط ہی ہو

میں نے کہا۔ کیا تم اسکا اقرار کرتے ہو کہ ہلیلہ کسی سرزمین میں پیدا ہوتا ہے؟۔

کہا۔ وہ اور سرزمین ایک ہی ہی۔ ہاں میں نے اسے دیکھا ہے جہاں یہ پیدا ہوا ہے۔

میں نے کہا۔ اس[1] ہلیلہ کے موجود ہونے سے تم یہ بتا سکتے ہو کہ ایسی ہی اور ہلیلہ جات موجود ہوں گے جنہیں تم اسوقت نہیں دیکھ رہے ہو۔

کہا۔ مجھے خبر نہیں۔ شاید اس ہلیلہ کے سوا دنیا میں کہیں اور ہلیلہ ہوتے ہی نہیں

جب اس طرح سے اس نے جہالت پر کمر باندھلی تو میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ یہ ہلیلہ کسی درخت سے پیدا ہوا ہے۔ اسکا تم اقرار کرتے ہو۔ یا یہ کہتے ہو کہ یونہیں پیدا ہو گیا؟

کہا۔ میں یہ نہیں کہتا۔ بلکہ کہتا ہوں کہ درخت سے نکلا ہے۔

میں نے کہا۔ اب معلوم ہوا کہ تمنے ایک ایسے درخت کے وجود کا اقرار کیا جسے تمنے اپنے حاسوں سے محسوس نہیں کیا ہے۔

کہا۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ہلیلہ ہو خواہ اور مختلف چیزیں ہوں ہمیشہ سے یونہیں چلی آتی ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے میرے کلام کو رد کر سکیں؟

میں نے کہا۔ . . . ہے۔ مجھے اسی ہلیلہ کی بابت بتاؤ کہ اسکے پیدا ہونے سے پہلے تمنے اس کا درخت دیکھا ہے۔ اسے پہچانتے ہو؟۔

---

[1] اس تقریر سے حضرت کا صرف مطلب ہی کہ اس سے اس بات کا اقرار لے لیں کہ کسی چیز کا آنکھ سے نہ دیکھنا یا حواس سے نہ محسوس کرنا۔

کہا۔ "ہاں"

میں نے کہا۔ تم اس ہلیلہ کو اس درخت میں (اسکے پیدا ہونے سے پہلے) دیکھتے تھے

کہا۔ "نہیں"

میں نے کہا۔ کہ ایک وقت تم نے دیکھا تھا کہ ہلیلہ کا درخت موجود ہے مگر اس میں ہلیلہ نہیں۔ دوبارہ جو جا کر دیکھا تو اس میں ہلیلہ لگے ہوئے پائے۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہلیلہ پہلے نہ تھا پھر اس میں پیدا ہو گیا۔ (عدم سے وجود میں آیا)

کہا۔ میں اس بات کا انکار نہیں کر سکتا (یعنی مانتا ہوں کہ پہلے نہ تھا پھر پیدا ہوا) لیکن میں یہ کہتا ہوں اجزاء اس ہلیلہ کے اس درخت کے اندر متفرق تھے (جب وہ اجزاء [illegible] مجتمع ہو گئے تو یہ پھل بنے) [illegible]

[illegible] درخت اور [illegible] ہو [illegible]

[illegible] ؟

کہا۔ ہاں [illegible]

میں نے کہا۔ تو کیا تمہاری عقل میں یہ بات آتی ہے کہ اس درخت کی جڑیں شاخیں چھلکے تمام پھل جو اس سے ہوتے ہیں [illegible] اور پتیاں جو اس سے گرا کرتی ہیں یہ ہزاروں سیر کے وزن کی چیزیں اس ایک ہلیلہ کے اندر چھپی بیٹھی تھیں۔

کہا۔ یہ بات تو عقل میں نہیں آتی اور نہ اسے دل قبول کرتا ہے (کہ یہ تمام پتیاں پھل پھول شاخیں جڑیں وغیرہ اسی ایک ہلیلہ کے اندر موجود رہی ہوں)

میں نے کہا۔ تو تم نے مان لیا کہ یہ سب چیزیں درخت میں حادث ہوئیں (از سر نو پیدا ہوئی ہیں پہلے سے انکا وجود نہ تھا)؟

کہا ہاں۔ لیکن میں یہ نہیں جان سکتا کہ کسی کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ کیا آپ اسے میرے لئے ثابت کر سکتے ہیں؟

میں نے کہا ہاں۔ اگر میں تمکو کوئی تدبیر دکھاؤں تو کیا مان لوگے کہ اسکا کوئی مدبر ہے۔ یا کوئی تصویر دکھاؤں تو تم اقرار کروگے کہ اسکا کوئی مصور ہے؟۔

کہا۔ ضرور میں مان لونگا۔

میں نے کہا... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ ہلیلہ بطور گوشت کے ہے جو ہڈی پر قایم کیا گیا ہے اور وہ ہڈی (یعنی گٹھلی) اسکے اندر ہے جو گوشت سے ملا ہوا ہے اور وہ ہلیلہ ایک ساق پر قایم ہے اور وہ ساق ایک درخت پر ہے اور درخت اپنی جڑوں کے ذریعہ سے زمین کے نیچے ہی قایم ہے۔ (اور اسی کے ذریعہ سے اسمیں رطوبت پہنچتی رہتی ہے)؟

کہا۔ ہاں میں جانتا ہوں۔

میں نے کہا تو کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ اس ہلیلہ کی صورت ایک اندازہ معین اور تخطیط و تالیف و ترکیب و تعدیل پر بنائی گئی ہے۔ اسکا ایک جزو دوسرے کے اندر داخل ہوا مرکب ہوا ہے۔ اسمیں تہ پرتہ اور جسم پر جسم اور رنگ پر رنگ ہے۔ زردی پر ایک سفید رنگ بھی ہے اور سخت پر ایک نرم چیز ہے (بیج تو اسکا سخت ہے اور اوپر اسکے مغز نرم ہے) متفرق طبیعتوں اور مختلف طریقوں اور باہم ملے ہوئے اجزا سے اسکی ترکیب ہے۔ اسکے ساتھ چھلکا بھی ہے جو اسے قایم رکھتا ہے اور جڑیں بھی ہیں جنکے اندر پانی نفوذ کرتا ہے۔ پتیاں بھی ہیں جو اسے چھپائے رہتی ہیں اور بچاتی ہیں کہ دھوپ اسے جلا نہ دے۔ سردی اسے فنا نکردے ہوا اسے تپلا نہ کردے۔"

کہا... کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر پتیاں اسپر ڈھکی ہوئی ہوتیں تو اسکے لئے اور بہتر ہوتا؟

میں نے کہا... اللہ بڑا اچھا مقدر ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا جیسا تم کہتے ہو تو ہوا (بالکل) اسے نہ لگتی جو اسمیں تازگی پیدا کرتی ہے۔ اور سردی نہ لگتی جو اسمیں مضبوطی پیدا کرتی ہے پھر اسوقت اسمیں عفونت پیدا ہو جاتی (ہلیلہ سڑ جاتا) (جیسا کہ اکثر پھلوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب سیرہی پڑجاتی ہے تو سڑ جاتا ہے) اور اگر دھوپ اسے نہ لگتی تو پختگی نہ پیدا ہوتی۔ لیکن ایسا ہوتا ہے کہ کبھی دھوپ لگتی ہے کبھی ہوا کبھی سردی (جو اسکی اصلاح کرتی ہے) جیسے معبود برحق نے اپنی قوت لطیفہ و حکمت کاملہ سے مقدر فرمایا ہے۔

کہا... تصویر کی بابت تو یہ تقریر آپ کی میرے لئے کافی ہوگئی (میں نے مان لیا کہ ضرور اسکی صورت بتائی گئی ہے کسی نے ضرور اسکی یہ صورت بنائی ہے) مگر مجھ سے اسکی

تدبیر کی بابت واضح طور سے بیان کیجئے جیسا آپ نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے آپ اسے (تدبیر کو) دکھا دینگے (یعنی یہ یقینی طور پر ثابت کر دینگے کہ اس میں کسی مدبر کی تدبیر و حکمت نے کام کیا ہے)

میں نے کہا۔ تمنے اس ہلیلہ کو قبل بستہ ہونیکے دیکھا ہے جبکہ اپنے ڈورے کے اندر صرف پانی ہی پانی تھا۔ نہ بیج تھا نہ مغز نہ اوپر کا چھلکا۔ نہ رنگ۔ نہ ذائقہ۔ اور نہ یہ سختی۔

کہا ہاں "دیکھا ہے"

میں نے کہا "اگر خالق اس کمزور رقیق کو جو کمی اور کم مائگی میں رائی کے دانے کے بقدر ہے اپنی قوت سے مضبوط نکرتا اور اپنی حکمت سے اسمیں صورت (ہلیلہ کی) نہ بناتا اور اپنی قدرت سے اسکی تقدیر نکرتا۔ توکیا یہ پانی (آپ سے آپ) اپنے غلاف کے اندر بغیر کسی جسم یا غلاف اور اجزاء متصلہ (جدا گانہ) کے ملائے ہوئے بڑھ سکتا تھا۔ اور اگر بڑھتا بھی تو نہ بنتا پانی ہی بڑھتا۔ نہ اسمیں صورت (ہلیلہ کی) ہوتی نہ اسمیں یہ دھاریاں ہوتیں۔ نہ اسکے اجزا بڑھتے اور نہ اسمیں یہ تدبیر ہوتی۔ نہ تہ بتہ اجزا کی تالیف و ترکیب ہوتی (جس سے اتنا بڑا ہلیلہ بنتا)

کہا۔ آپ نے اسکے درخت کی صورت اور اسکے ساخت کی ترکیب اور اسکے پھل پیدا ہونے اور اسکے اجزاء کے بڑھنے اور اسکی بناوٹ کی تفصیل سے نہایت واضح اور ظاہر طور پر بنانیوالے کو ثابت کر دیا اور اب میں مانتا ہوں کہ تمام چیزیں کسی نہ کسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ لیکن معلوم نہیں شاید اس ہلیلہ اور ان اشیائے عالم ہی نے اپنے تئیں آپ بنایا ہو۔

میں نے کہا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جسنے ان اشیاء اور اس ہلیلج کو پیدا کیا ہے وہ حکیم اور عالم ہے۔ کیونکہ تمنے اسکی قوت تدبیر کو آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ (کہ ایسی ترکیب اور ساخت بغیر کسی حکیم کے نہیں ہو سکتی)

کہا۔ ہاں یہ تو معلوم ہو کہ انکا بنانے والا حکیم و عالم ہے۔

میں نے کہا۔۔۔ توکیا ہو سکتا ہے کہ جو ایسا ہو وہ حادث ہو (عدم سے وجود میں آیا ہو)

کہا۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔

میں نے کہا۔۔۔ کیا تمنے دیکھا نہیں تھا جسوقت یہ ہلیلہ (اپنے درخت میں) پیدا ہوا تھا کہ پہلے نہ تھا پھر ہوا۔ اور پھر اسطرح فنا بھی ہوگیا کہ گویا کبھی اسکا وجود ہی نہ تھا۔

کہا۔ ہاں دیکھا کیوں نہیں۔ مگر میں نے تو ابھی آپ سے صرف یہ کہا ہے کہ ہلیلہ ایک حادث چیز ہے۔ یہ تو نہیں کہا ہے کہ بنانے والا حادث نہیں ہو سکتا۔ اپنے تئیں آپ بنا نہیں سکتا۔ (بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہلیلہ کو جس نے پیدا کیا ہے وہ بھی حادث ہو یعنی عدم سے وجود میں آیا ہو۔ واجب الوجود نہ ہو)

میں نے کہا۔ ابھی تو تم نے کہا تھا کہ خالق حادث نہیں ہو سکتا اور تمہارا بیان ہے کہ اہلیلج حادث ہے۔ (تو خود یہ اہلیلج کیسے اپنی خالق ہو سکتی ہے) تم نے تو مجھ سے اقرار کر لیا کہ اہلیلج ایک مصنوع چیز ہے۔ لہذا وہی خدائے عزوجل اسکا بنانے والا ہوگا!!

اور اگر تم دوبارہ یہی بات کہو کہ نہیں صاحب خود اہلیلج ہی نے اپنے تئیں آپ بنایا ہے اور اپنی ساخت میں تدبیر کی ہے۔ تو کچھ اور بات تو زیادہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ جسکا انکار کرتے تھے اسی کا اقرار تمہاری زبان سے ہو گیا۔ اور تم نے صانع مدبر کو ثابت کر دیا اسکی صفت تو ٹھیک کہی مگر اُسے پہچانتے نہیں نام کچھ اور رکھ دیا۔

کہا۔۔۔۔ یہ کیونکر۔

میں نے کہا تم نے تو ایک حکیم لطیف مدبر کے وجود کا اقرار کر لیا (جبکہ یہ مان لیا کہ ہلیلہ خود اپنا خالق ہے) تو معلوم ہوا کہ ہلیلہ کوئی بڑا مدبر حکیم خالق ہے جب تو اس نے ایسی حکمت بھری چیز پیدا کی ہے (جب میں نے پوچھا وہ کون ہے تو تم نے کہدیا وہی ہلیلہ۔ تو خدا تعالی سبحانہ وجل ذکرہ کے وجود کا تو اقرار کر لیا (کیونکہ ایک خالق حکیم و مدبر کی ضرورت کو تسلیم کر لیا) مگر نام کچھ اور رکھدیا (اللہ کہنے کی جگہ ہلیلہ کہدیا)

اور اگر تم کچھ بھی عقل سے کام لیتے اور غور کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ خود اہلیلج میں بالکل یہ قوت نہیں ہے کہ اپنے تئیں آپ پیدا کر سکے۔ اور اسمیں ہرگز بھی تدبیر کی طاقت نہیں ہے کہ اپنی خلقت کی آپ اصلاح کرے۔

کہا۔۔۔۔ اسکے علاوہ اور بھی کوئی دلیل آپکے پاس ہے (یا یوہیں آپ فرماتے ہیں)

میں نے کہا۔۔۔۔ ہے کیوں نہیں۔ تم اسی اہلیلج کی نسبت بتاؤ (جسکو تم نے کہا ہے کہ اسی نے اپنے تئیں بنایا اور اپنے کام کی تدبیر کی) کہ کیونکر اُس نے اپنے تئیں آپ بنایا

حالانکہ خود تو چھوٹی سی چیز ہے۔ ذرا سی اسمیں طاقت ہی۔ قوت اسکی کم ہے۔ توڑے جانے، نچوڑے جانے۔ کھائے جانے سے تو اپنے تئیں بچا نہیں سکتی اُس نے کیسے اپنے تئیں آپ بنا لیا حالانکہ خود ایک کم رتبہ۔ خوردنی۔ تلخ۔ بدنما بے رونق و بے آب چیز ہے۔

کہا..... اس سبب سے کہ اسمیں صرف بنانے ہی کی قوت ہی۔ یا یہ کہ بس اتنا ہی بنا سکتی ہی جتنا چاہتی ہے۔

میں نے کہا..... اگر یوہیں ایک باطل و لغو بات پر اڑے رہنا تمہیں منظور ہے تو مجھے بتا دو کہ اس ہلیلہ نے آپ اپنے تئیں کب پیدا کیا۔ اپنے پیدا ہونے سے پہلے یا پیدا ہونے کے بعد۔ اگر یہ کہو کہ اپنے پیدا ہونے کے بعد اپنے تئیں پیدا کیا تو یہ بہت ہی واضح محال ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز بنکر موجود ہو لے پھر اپنے تئیں آپ دوبارہ بنائے۔ تو تمہارے کلام کا یہ مطلب ہوا کہ ہلیلہ دو مرتبہ بنا (ایک مرتبہ آپ بنا جب بن لیا تو اپنے تئیں آپ بنایا) حالانکہ یہ نا ممکن بات ہی اس سے تحصیل حاصل لازم آتی ہے جو یقیناً نا ممکن ہے)

اور اگر یہ کہو کہ اُس نے اپنے پیدا ہونے سے پہلے اپنے تئیں پیدا کیا۔ تو یہ بھی بہت ہی صاف جھوٹ اور لغویات ہے۔ کیونکہ وہ اپنے پیدا ہونے سے پہلے تو کچھ تھا ہی نہیں پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو چیز خود کچھ نہ ہو وہ کسی دوسری شئے کو پیدا کرے!! میرے اس کہنے کو تو غلط بتاتے ہو کہ ایک موجود شئے کسی لاشئے کو پیدا کر سکتی ہے۔ مگر اپنے اس کلام کو نہیں بتاتے کہ ایک لا موجود چیز کسی موجود شئے کو پیدا کرے اب تم ہی دیکھو کہ ان دونوں باتوں میں سے کسکی بات زیادہ سچی ہے۔

کہا حضرت! آپ کا کلام زیادہ سچا ہے۔[1]

میں نے کہا تو پھر اسکے ماننے سے تمہیں کیا چیز مانع ہے۔

کہا..... میں نے مان لیا اور میرے نزدیک اسکا حق و صدق ہونا ثابت ہو گیا کہ اشیائے مختلفہ عالم اور اس ہلیلج نے اپنے تئیں آپ نہیں پیدا کیا ہے اور نہ اپنی راحت کی آپ تدبیر و اصلاح کی ہی۔ لیکن میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ شاید اس کے درخت نے اس ہلیلہ کو پیدا کیا ہو کیونکہ یہ اُسی سے نکلا ہے۔

[1] فسبحان اللہ اس سے بہتر اس دہریہ کا جواب نہیں ہو سکتا۔

میں نے کہا۔۔۔۔ اچھا اُس درخت کو کس نے بنایا۔

کہا۔ دوسرے ہلیلہ نے۔

میں نے کہا۔۔۔۔ اپنے کلام کی ایک حد ٹھیرالو جہاں پر ختم ہو (کیونکہ اب تو سلسلہ چلا جائیگا کہ ہلیلہ نے درخت کو پیدا کیا۔ اور درخت نے ہلیلہ کو پھر ہلیلہ نے درخت کو پھر درخت نے ہلیلہ کو۔ اور ہلے غیر النہایہ یونہیں کلام چلا جائیگا) بس یا تو اس بات کے قائل ہو جاؤ۔ کہ جسپر اس سلسلہ کا خاتمہ ہوتا ہے وہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ تو میں مان لونگا۔ یا یہ کہو کہ جسپر یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے وہ ہلیلہ ہی ہے تو پھر ہم پوچھیں گے۔

کہا۔۔۔۔ اچھا پوچھئے۔

میں نے کہا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ ہلیلہ سے اسُی وقت تو درخت پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ فنا اور بوسیدہ اور نابود ہو جاتی ہے۔؟

کہا۔ ہاں "

میں نے کہا۔۔۔ کہ درخت تو ہلیلہ کے فنا ہو جانے کے سو برس بعد تک باقی رہتا ہے (اور تم ہلیلہ ہی کو اُسکا خالق بتاتے ہو تو کہو کہ اب) کون اُسے بچاتا ہے کون اُسمیں زیادتی پیدا کرتا ہے (موٹا تازہ کرتا ہے) کون اسکی خلقت کی تدبیر کرتا ہے۔ کون اسکی پرورش کرتا ہے کون اُسکے پتے اوگاتا ہے۔ (کیونکہ ہلیلہ تو اب فنا ہو ہی چکا۔ پھر اسکا مدبر کون رہا) سوائے اسکے تمہیں کچھ چارہ نہیں کہ کہو وہی اسکا مدبر ہے جسنے اُسے خلق کیا۔ اور اگر کہو کہ وہ ہلیلہ ہی ہے اور اپنے فنا ہونے۔ بوسیدہ اور خاک ہو جانے سے پہلے باقی تھا۔ اسوقت اُس نے پیدا کیا تھا۔ اور فنا ہونے کے بعد بھی وہی پرورش کنندہ ہے۔ تو یہ بے ربط اور منافی سی بات ہوگی۔ کیونکہ خالق و مربی جو ایک ہی چیز ہی۔ بقا کی حالت میں تو خالق ہوا اور فنا کی حالت میں مربی ہو کیونکر ہو سکتا ہے۔ نیز یہ کہ ہلیلہ کا اپنے درخت کو پیدا کرنا اسُی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اُسکے اجزا کچھ کچھ تحلیل ہوتے جائیں اور درخت بنتا جائے اور جب درخت بن چکا تو ہلیلہ فنا ہو گیا۔ پھر پرورش کنندہ کون رہا۔ یہ تو ایک منافی بات ہے)

کہا۔۔۔ میں یہ نہیں کہتا۔

میں نے کہا اچھا تو مانو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ یا یہ کہو کہ ابھی تمہارے دل میں کچھ شبہ رہ گیا ہے۔

کہا۔۔۔ مجھکو ابھی اس مسئلہ میں توقف ہے کوئی دل میں جمنے والی بات ابھی مجھکو نہیں ملی

میں نے کہا اب بھی اگر جہالت ہی پر مستعد ہو اور تمہارا یہ دعوےٰ ہے کہ تمام اشیائے عالم حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہیں تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ ان حاسوں میں کوئی دلالت اور کچھ بھی معرفت بغیر دل کے نہیں۔ صرف دل ہی ان حاسوں کا راہبر ہے وہی انکو یہ چیزیں پہنچواتا ہے جیسے تم کہتے ہو کہ دل بغیر ان حاسوں کے کچھ نہیں جان سکتا۔ (حالانکہ ایسا نہیں۔ ہے کیونکہ اگر انسان کا دل باخبر نہو تو حاسے کچھ نہیں بتا سکتے۔ دیکھئے دل میں جب روح نہیں رہتی اور آدمی مرجاتا ہے تو حاسے کچھ نہیں بتا سکتے حالانکہ وہ ابھی تک موجود ہیں۔ صرف دل کا تعلق اُنسے قطع ہو گیا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جب تک ان حاسوں کو دل نہ بتائے تب تک خود کوئی چیز احساس نہیں کر سکتے بلکہ اصلی احساس کرنیوالا تو دل ہی ہے یہ حواس تو صرف آلات ہیں جنکے ذریعے سے قلب ہی ملموس مذوق مشموم مبصر یا مسموع کا احساس و ادراک کرتا ہے)

اُس نے کہا۔۔۔۔ جب آپ نے یہ بات فرمائی تو میں اسے قبول کرنیکا نہیں جب تک توضیح و بیان و دلیل و برہان کے ساتھ اُسے دریافت نکر لوں۔

میں نے کہا۔۔۔ تو پہلے میں یہ شروع کرتا ہوں کہ تمہیں یہ بات تو معلوم ہوگی کہ اکثر حواس باطل ہو جاتے ہیں۔ یا بعض حاسے باطل ہو جاتے ہیں (مثلاً کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ یا آنکھیں نابینا ہو جاتی ہیں یا قوت شامہ باطل ہو جاتی ہے) حالانکہ دل ان اشیاء کی تدبیر و اصلاح کرتا رہتا ہے جسمیں نفع یا نقصان ہو خواہ وہ امور ظاہرہ ہوں یا خفیہ۔ اور اُنمیں اپنا امر و نہی جاری رکھتا ہے۔ (مثلاً بتاتا رہتا ہے کہ اس کام کو عمل میں لا اور اس کام کو نکر) تو برابر اُسکا حکم ان اشیاء میں نافذ رہتا ہے۔ اور اُسکا فیصلہ ان اشیاء میں صحیح ہوتا ہے (باوجودیکہ بعض بعض حاسے خراب ہو گئے ہوں)

اُس نے کہا۔۔۔ یہ تو آپ ایسی بات کہتے ہیں جو دلیل ہی معلوم ہوتی ہے لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ اسکے علاوہ اور کسی طریقہ سے میرے لئے اس امر کو واضح فرمائیے۔

میں نے کہا.... کیا تم نہیں جانتے کہ حواس کے زایل ہو جانے کے بعد بھی دل باقی رہتا ہے۔

اُسنے کہا.... ہاں (باقی رہتا ہے) لیکن ایسا رہتا ہے کہ ان اشیاء کو بتا نہیں سکتا۔ جنہیں یہ حواس نہیں بتا سکتے تھے (مثلاً کان سُن سکتے ہیں لیکن کان بہرے ہو جانے کے بعد دل سُن نہیں سکتا)

میں نے کہا.... تو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ بچے کو جو ماں جنتی ہے تو ایک مضغہ گوشت ہوتا ہے۔ حواس اُسے کسی ایسی چیز کو بالکل نہیں بتا سکتے جو سُننے اور دیکھنے چکھنے اور چھونے اور سونگھنے کی چیزیں ہیں۔ (کیونکہ اُسکے حاسوں میں اُسوقت تک یہ قوت نہیں ہوتی)

اُس نے کہا.... ہاں جانتا ہوں۔

میں نے کہا.... تو پھر کس حاسے نے اُسے بتایا کہ جب وہ بھوکا ہو تو دودہ مانگے اور جب دودہ پیکر سیر ہو جائے تو رونے کے بعد ہنسنے لگے۔

اور شکاری پرندوں اور دانہ چگنے والے پرندوں کو کس حاسے نے بتایا کہ وہ اپنے بچوں کے سامنے گوشت اور دانے ڈالیں۔ تو شکاری پرندے گوشت پر گریں اور اور پرندے دانے پر گریں۔

اور مجھے آبی پرندوں کی بابت بتاؤ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جسوقت پانی میں ڈالا جاتا ہے تو تیرنے لگتا ہے (مثلاً بط اور مرغابی کے بچے) اور جب اُنہیں خشکی کے پرندوں کے بچے ڈال دئے جائیں تو ڈوب جاتے ہیں۔ حالانکہ حاسے ایک ہی سے ہیں۔ تو کیونکر آبی پرندے نے اپنے حاسوں سے فائدہ اٹھایا اور تیرنے پر حاسوں نے اُسے مدد دی۔ اور خشکی کا پرندہ پانی میں اپنے حاسوں سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔

اور کیا بات ہے کہ خشکی کے پرندوں کو اگر پانی میں تھوڑی دیر ڈبائے رکھو تو مرجاتے ہیں اور پانی کے پرندوں کو اگر تھوڑی دیر پانی سے روک دو تو مرجاتے ہیں۔ تو میرے نزدیک یہ حاسے تمہارے دعوے کو توڑتے ہیں۔ اور بغیر کسی ایسے حکیم مدبر کے جسنے پانی کے مخلوقات الگ پیدا کئے اور خشکی کے واسطے الگ۔ بات کیونکر ہو سکتی ہے (یعنی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی

بڑے مدبر حکیم نے قصداً ایسا بنایا ہے کہ کچھ پرندے پانی میں زندہ رہ سکیں اور کچھ صرف خشکی میں زندہ رہ سکیں اور اُنکے لئے ویسے ہی آلات وسامان تہیا کر دئے ورنہ چاہیے تھا کہ دونوں پرندوں سے یکساں ہی افعال سرزد ہوتے) یا مجھے یہی بتا دو کہ جس چیونٹی نے کبھی پانی کو دیکھا ہی نہو اور اُسے پانی میں ڈالدو تو تیرنے لگتی ہے اور ایک پچاس سالہ نہایت قوی اور عقلمند آدمی کو جس نے تیرنا نہ سیکھا ہو پانی میں ڈالدو تو ڈوب جاتا ہے۔ پس اگر یہی بات ہو کہ تمام چیزیں حواس سے معلوم ہوتی ہیں تو کیوں اُسکی عقل و ہوش و تجربات و نظر بالاشیاء نے باوجود اجتماع حواس و صحت حواس۔ یہ نہ بتایا کہ اپنے حاسوں سے تیرنا معلوم کرلے جیسا کہ چیونٹی نے معلوم کر لیا تھا ؟

کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ وہی دل جو عقل کا معدن ہے اُس آدمی کے بچے میں جیسے پیدا کیا اور علاوہ آدمی کے بچے کے اور حیوانات میں بھی جنکو تمنے ابھی سُنا ہو خود ہی لڑکے کو تو بتاتا ہے کہ دودھ مانگے۔ اور دانہ چگنے والے کو بتاتا ہے کہ دانہ چگے اور گوشت خوار پرندوں کو بتاتا ہے کہ گوشت کو نگلے۔ اسی لئے کہا ...... میں سوائے اسکے اور کچھ نہیں جانتا کہ دل صرف حاسوں کو ذریعے سے ادراک کرسکتا ہے۔ (یہ اس دہریہ کی ہٹ دھرمی ہے)

میں نے کہا ...... اگر تم حاسوں کی طرف (رجوع) [illegible] مائل ہو تو میں تمہارے اس میلان کو بعد اسکے کہ تمنے اسے چھوڑ دیا تھا (یعنی تمنے مان لیا تھا کہ [illegible] اس کچھ نہیں بتا سکتے جب تک دل نہ بتلائے) قبول کرتا ہوں۔ اور تمہیں انہیں حاسوں کے متعلق جواب دونگا تاکہ تمہیں ثابت ہوجائے کہ حاسے صرف ظاہری اشیاء کو جان اور پہچان سکتے ہیں۔ نہ پروردگار بزرگ و اقدس اعلیٰ کو۔ رہیں وہ چیزیں جو مخفی ہیں اور ظاہر نہیں ہیں انہیں یہ حاسے نہیں محسوس کرسکتے (مثلاً روح کہ اسکو نہ حاسہ شامہ محسوس کرسکتا ہے نہ باصرہ نہ ذائقہ نہ سامعہ نہ لامسہ)

اور یہ بات اس طرح ہے کہ خالق جو اس نے انکے لئے ایک دل بنا دیا ہے۔ جس سے بندوں پر حجت قایم کردی ہے۔ اور ان حاسوں کو صرف ظاہری چیزوں کا محسوس کرنے والا بنایا جن سے خالق سبحانہ تعالٰے کے وجود پر استدلال کیا جاسکے۔ پھر نظر نے اس مخلوق کو دیکھا جسکا بعض حصہ بعض سے ملصق و متصل ہے اور دل کو اپنی دیکھی ہوئی چیز کو بتایا اور جب آنکھ نے دل کو بتایا جو اسنے آسمانی سلطنت اور آسمان کے فضا میں بلند رہنے کو دیکھا کہ بغیر کسی عمود چشم دید کے قایم ہے اور نہ

کوئی ستون اُسے روکے ہوئے ہے نہ کبھی (اپنی حرکت میں) پیچھے رہجاتا ہے کہ ٹوٹ پھوٹ جائے اور نہ آگے بڑھجاتا ہے کہ ہمارے محاذات سے ہٹ جائے نہ نیچے جھکآتا ہے کہ ہمسے قریب ہوجائے نہ کبھی بلند ہوجاتا ہے کہ ہمسے بہ نسبت حال کے زیادہ دور ہوجائے (بلکہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے) طول مدت کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتا اور شب و روز کے آمد و رفت سے کہنہ نہیں ہوتا۔ نہ اسکا کوئی گوشہ ٹوٹ پڑتا ہے۔ نہ اُسکا کوئی کنارہ گر پڑتا ہے۔ اسی کے ساتھ اُن سبعہ سیارات کو بھی دیکھو کہ حرکت فلکی سے متحرک ہیں اور ایک برج سے دوسرے برج میں روز بروز اور ماہ بماہ۔ اور سال بسال منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ بعض تیز رفتار ہیں (جیسے چاند) بعض سست رفتار ہیں (جیسے زحل) بعض میانہ رفتار ہیں (جیسے آفتاب) پھر انکا جاتے جاتے پلٹ آنا اور مستقیم رفتار سے چلنے لگنا (جیسے خمسہ متحیرہ کی رفتار ہے) کبھی جنوب کی طرف جانا کبھی شمال کی طرف جانا۔ آفتاب کے روشن رہنے کے وقت پوشیدہ رہنا۔ غروب آفتاب کے وقت چمکنے لگنا۔ اور آفتاب و ماہتاب کا سرعت رفتار کے ساتھ ایک برج سے دوسرے برج میں جانا جو اپنے زمانے اور اوقات میں کبھی تغیر نہیں پیدا کرتے۔ اور اسے وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس امر کو سمجھ سکتے ہوں کہ کسی مقرری حساب اور کسی امر معلوم کیلئے حکمت کے ساتھ یہ بنائے گئے ہیں عقل والے اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ کسی انسان کی حکمت سے نہیں بنے اور نہ خیالات و اوہام کی جستجو سے قایم ہوئے نہ فکر و غور کے عمل سے۔ تو دل نے اس امر کو معلوم کر لیا کہ اس خلقت اور اس تدبیر اور اس عجیب چیز کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے۔ جو اس نہ بنہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے اور یہ کہ جس نے آفتاب و ستاروں کو ان آسمانوں میں پیدا کیا ہے وہی آسمان کا بھی خالق ہے۔ پھر آنکھ نے جو دیکھا کہ زمین ابھری ہوئی ہے اور دل کو اپنے مشاہدے کی خبر دی تو دل نے معلوم کر لیا کہ اس ابھی ہوئی زمین کا اپنے مقام سے ہٹنے یا فضا میں جھک جانے سے روکنے والا ایک وجود ہے وہ جانتا ہے کہ ایک پر بھی اگر اوپر کو پھینکا جائے تو اپنی جگہ پر گر پڑتا ہے۔ حالانکہ بہت ہی ہلکا ہوتا ہے) وہی ہے جس نے آسمان کو جو اس سے فوق میں ہے روکے ہوئے ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ اگر ایسا نہ ہوتا کہ کوئی اسکا قایم رکھنے والا ہو) تو زمین خود اپنے بوجھ۔ اور پہاڑوں۔ درختوں۔ دریاؤں۔ اور ریتوں کے بار سے دھنس جاتی۔ تو دل نے آنکھ کے بتلانے سے

یہ جان لیا کہ زمین کا مدبّر بھی وہی ہے جو آسمان کا مدبّر ہے۔

پھر کانوں نے جو سخت و تند اندھیوں اور نرم و لطیف ہواؤں کی آواز سُنی اور آنکھ نے دیکھا کہ وہ بڑے بڑے درختوں کو اُکھاڑ کر پھینکدیتی ہے یہ مضبوط مضبوط عمارتوں کو ڈھادیتی ہے۔ بڑے بڑے ریت کے ٹیلوں کو اُڑادیتی ہے۔ ایک جانب کو اس سے خالی کردیتی اور دوسری جانب اُسے لاڈالتی ہے حالانکہ کوئی ایسا بیجانے والا نہیں جسے آنکھ دیکھ سکے اور کان سُن سکے نہ اور کسی حاسہ سے محسوس ہو سکے نہ خود ہوا ہی ایسی مجسم چیز ہے جسے چھُو کر معلوم کرسکیں نہ مجدود ہے کہ دیکھ سکیں۔ پس آنکھ اور کان اور تمام حاسوں نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کہ دل کو یہ بات بتادی کہ اُسکا کوئی صانع (ضرور) ہے۔

یہ اس طرح ہوا کہ دل تو اُس عقل کے ذریعے سے غور کرتا ہے جو اُسکے اندر قرار دیگئی ہے کہ ہوا آپ سے آپ نہیں چل سکتی۔ اور نیز یہ کہ اگر خود بخود متحرک ہوتی تو کسی وقت نہ رکتی (کیونکہ علم طبعیات میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ فعل طبعی بلا کسی بڑی روک کے آپ سے آپ نہیں بدل سکتا) اور نہ یہ کرتی کہ ایک کو تو ڈھادے دوسرے کو چھوڑ دے۔ ایک درخت کو تو اُکھاڑ پھینکے دوسرے کو اُسکے حال پر رہنے دے (حالانکہ وہ بھی اُسی کے پہلو میں ہے) ایک سرزمین پر تو چلے دوسری سرزمین پر نہ چلے۔ پس جب دل نے ہوا کے معاملہ میں غور کیا تو اُسے معلوم ہوگیا کہ اسکا کوئی محرک ضرور ہے۔ جو اُسے اپنی مشیت کے موافق چلاتا اور اپنی مشیت کے موافق ٹھہراتا جسپر چاہتا ڈالتا اور جس سے چاہتا ہے اُسے پھیرتا ہے۔

پھر جب دل نے یہ بات معلوم کرلی۔ تو جان لیا کہ یہ بھی آسمان اور اُسکے آیات و علامات سے ملی ہوئی ہے۔ پس اُسے معلوم ہوگیا کہ وہ مدبر جو زمین و آسمان کے ٹھیرائے رہنے پر قادر ہے وہی ہوا کا خالق اور اپنی مشیت سے اسکا محرک اور اپنی مشیت سے اُسکا روکنے والا اور جسپر چاہے اُسکا مسلط کرنے والا ہے

اسی طرح آنکھ اور کان نے دل کو اس زلزلہ کے حال سے بھی خبر دی اور اُس نے انکے علاوہ اور حاسوں سے بھی محسوس کیا جبکہ اس زلزلہ نے اُن حاسوں کو متحرک کیا۔

پس جب ان حاسوں نے دل کو اتنی بڑی و بیز بھاری لمبی چوڑی زمین کے متحرک

ہونیسے مع اُن تمام پہاڑوں۔ دریاؤں۔ اور خلایق وغیرہ کے بوجھ کے بنایا اور نیز یہ کہ ایک ہی سمت زمین میں زلزلہ آتا ہے دوسری جانب زمین کی ساکن رہتی ہے۔ باوجودیکہ زمین ایک جسم واحد متصل ہے۔ نہ اُسمیں کہیں جوڑ ہے نہ کسی جگہ سے علیحدہ ہے (جس سے کہا جاسکے کہ اس جوڑ اور علیحدگی کی وجہ سے ایک حصہ زمین میں زلزلہ آیا دوسرے حصہ میں نہیں آیا) ایک طرف تو مکان کو ڈھا دیتا زمین کو دھسا دیتا ہے اور دوسری طرف بالکل سالم چھوڑ دیتا ہے۔ اُسوقت دل نے جانا کہ جس قدر زمین متحرک ہوئی اُسکا متحرک کرنے والا اور جو حصہ ٹھیری رہی اُسکا ساکن رکھنے والا وہی ہے جو ہوا کا محرک و مسکن تھا۔ اور وہی آسمان و زمین اور مابین آسمان و زمین کا بھی مدبر ہے۔

اور نیز یہ بھی جانا کہ اگر زمین ہی زلزلہ پیدا کرنیوالی ہوتی (اپنے تئیں ہلانے والی ہوتی) تو کبھی ایسا نہوتا کہ اپنے میں زلزلہ اور حرکت پیدا کرتی (کیونکہ اُسکی شان سے سکون ہی۔ اور اگر اُسکی شان سے حرکت ہوتی تو ہمیشہ متحرک ہی رہتی کیونکہ مقتضائے طبیعت کبھی نہیں بدلتا) لیکن اسکا محرک ہی ہے جسنے اسکی تدبیر کی اور اُسے خلق فرمایا۔ جس جزو کو اُسکے چاہا ہلا دیا اور جسے چاہا ساکن رکھا)۔

پھر آنکھ نے اُس بڑی علامت (وجود خالق) یعنی ابر کو دیکھا جو آسمان و زمین کے درمیان خدائی حکم کے تابع اور دھوئیں کے مانند ہے اسمیں ایسا جسم نہیں جو زمین اور پہاڑوں سے ٹکر کھائے۔ درختوں کے درمیاں سے ہو کر گذر جاتا ہے مگر نہ اُسے حرکت دیتا نہ اُسکی کسی شاخ کو توڑتا ہے اور نہ اُسکے کسی جزو سے چمٹ جاتا۔ قافلہ والوں کے درمیان میں آجاتا ہے اور اپنی تاریکی اور کثافت سے ایک دوسرے کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔ (اتنا تو ہلکا پھلکا) پھر اِس قدر کثیر پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتا ہے (یعنی اُسمیں اسقدر پانی پنجانے کی صلاحیت ہوتی ہے کہ جو کسی طرح بیان نہیں ہوسکتی۔ پھر اسمیں ٹکڑے ٹکڑے کردینے والے صاعقے چمکنے والی بجلیاں۔ کڑک۔ برف۔ اولے۔ اور بستہ شبنم ہوتی ہے جسے وہم و خیال بھی نہیں بیان کرسکتے۔ اور نہ اُسکے عجائب کی کنہ حقیقت کو دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ فضائے آسمان میں بلند ہوتا ہے علیحدہ علیحدہ رہتا ہے۔ پھر اکٹھا ہوجاتا ہے۔ متفرق

رہتا ہے۔ پھر ایک دوسرے سے مل جاتا ہے یا درمیان جس طرف اسکو ہوا لیجانا چاہتی ہے اُدھر اسکو پھیلا دیتی ہے۔ ہواؤں ہی کی وجہ سے کبھی نیچے آجاتا ہے کبھی بلند ہو جاتا ہے۔ مگر اُس کثیر پانی کو جو اُسکے اندر ہے لئے ہی رہتا ہے۔ اور جب اُسے گراتا ہے تو دریا کے دریا اُس سے بہ جاتے ہیں۔ بہت سے مقامات اور بہت سے شہروں پر سے ہو کر گزرتا ہے۔ مگر اسمیں ایک نقطہ برابر بھی نہیں گھٹتا یہانتک کہ جب لامتناہی کوسوں تک پہنچ جاتا ہے تو اُس پانی کو جو اُسکے اندر ہے قطرہ قطرہ۔ اور سیل سیل کر کے بہاتا ہے۔ جو متواتر برستے رہتے ہیں۔ یہانتک کہ حوضوں کو مملو کر دیتا ہے۔ بڑے بڑے رستے اُس سے پُر ہو جاتے ہیں اور نہریں پانی سے لبریز ہو کر ایسی بھر جاتی ہیں جیسے پہاڑ کے پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں اور ایسے کہ بہاؤ کی آواز و ہدیر سے کان بہرے ہوئے جاتے ہیں۔

پھر اُسی مینہ سے مُردہ زمینوں کو زندہ کر دیتا ہے اور اونکی خاکی رنگت سبز رنگت سے بدلجاتی ہے۔ گھاس اوگ آتی ہے۔ حالانکہ پہلے بالکل خشکی ہوتی ہے زنگار رنگ کے نباتات تازے تازے لہلہاتے خوشنما سبزوں کا لباس پہن لیتی ہے۔ جو انسان اور چوپاؤں کیلئے معاش ہے۔ پھر جب بادل اپنے مینہ کو برسا چکتا ہے اور منتشر ہو جاتا ہے اور ایسی جگہ چلا جاتا ہے کہ نہ دکھائی دیتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہاں چھپ جاتا ہے۔ جب آنکھ نے یہ دیکھکر دل تک پہنچایا تو دل نے جان لیا کہ اگر ابر بغیر کسی مدبر کے ہوتا اور جو کچھ میں نے بیان کیا خود اُس ابر کی طرف سے ہوتا تو (کبھی) اپنے پانی کے نصف کا بھی بار نہ اٹھا سکتا۔ اور اگر یہ ابر ہی مینہ برساتا ہوتا تو (کبھی) دو ہزار فرسخ یا اُس سے زیادہ پانی کو اُٹھائے ہوئے نہ جاتا بلکہ اُس سے قریب ہی کہیں برسا دیتا اور قطرہ قطرہ کر کے نہ برساتا بلکہ ایکبارگی برسا دیتا (کیونکہ اسمیں نیک و بد کی شناخت کا مادہ کہاں) تو پھر اُس سے عمارتیں گر پڑتیں نباتات خراب ہو جاتے۔ اور یہ بھی نہوتا کہ کسی ایک شہر میں تو جاتا اور دوسرے میں نہ جاتا۔

پس واضح اور روشن دلیلوں سے دل نے معلوم کیا کہ ان تمام امور کا مدبر ایک ہی ہے اور اگر دو یا تین ہوتے تو اتنی طولانی مدت (زمانہ و دہر) میں کبھی نہ کبھی تو اس تدبیر اور ان کاموں میں اختلاف پڑتا کسی میں تاخر ہو جاتا کسی میں تقدم ہو جاتا۔ بعض جو بلند ہیں

پست ہوجاتے بعض جو پست ہیں بلند ہوجاتے۔ کوئی طلوع کرتا کوئی غروب کرجاتا اور خلاف
حالت موجودہ کے) پھر یا تو اپنے وقت سے پیچھے رہجاتا۔ یا اپنے سابق سے مقدم ہوجاتا۔ لہذا
اُس سے دل نے معلوم کیا کہ تمام غایب وظاہر اشیاء کا مدبر وہی معبود ہے جو سب سے پہلے ہے
آسمان کا خالق اور اُسکے قایم رکھنے والا۔ زمین کا پیدا کرنے والا اور اُسکا بچھانے والا۔ اور نیز
اُن تمام چیزوں کا جنہیں ہمنے بیان کیا۔ اور اُنکے علاوہ اور اشیاء کا صانع ہے جو لاتعد ولاتحصیٰ ہیں
علیٰ ہذا القیاس آنکھ نے جب یہ رات دن۔ جو تازہ بتازہ نو بنو برابر آتے جاتے رہتے ہیں
باوجود برابر آمد و رفت کے کہنہ نہیں ہوتے۔ اور نہ کثرت اختلاف سے متغیر ہوتے اور نہ اپنی
حالت میں کچھ کمی پیدا کرتے ہیں۔ دن اُسی طرح اپنے نور و ضیا پر اور رات اپنی سیاہی وظلمت پر
ایک دوسرے کے اندر داخل ہوتا رہتا ہے (یعنی بظاہر نظر دن۔ رات کے اندر۔ اور رات
دن کے اندر داخل ہوتے رہتے ہیں) یہانتک کہ انمیں سے ہر ایک اپنی حدود معینہ معلومہ
درازی و کوتاہی پر ایک ہی انداز اور ایک ہی رفتار سے پہنچ جاتا ہے۔ باوجودیکہ جو کو رات
میں سکون رہتا ہے انکو سکون ہی رہتا ہے اور جو دن میں پراگندہ رہتے ہیں وہ پراگندہ
ہی رہتے ہیں۔ جو رات میں پراگندہ رہتے ہیں وہ پراگندہ ہی رہتے ہیں اور جو دن میں ساکن
رہتے ہیں وہ ساکن ہی رہتے ہیں (انکے سکون و حرکت کا رات یا دن پر کوئی اثر نہیں پڑتا
بلکہ وہ اپنی رفتار معین اور اندازہ مقررہ کے مطابق برابر اپنے آمد و شد میں مصروف رہتے ہیں)
نیز گرمی اور سردی اور انمیں سے ایک کا دوسرے کے بعد آنا جس سے گرمی کے بعد سردی
اور سردی کے بعد گرمی اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے آغاز پر ہوتی ہی رہتی ہے۔ آنکھ نے
مشاہدہ کیا (جنمیں سے ہر ایک ایسی ہے کہ اُس سے پروردگار عالم سبحانہ و تعالیٰ کا پتہ دل کو معلوم
ہوجاتا ہے)۔ تو دل نے اپنی قوت مدرکہ عاقلہ سے اس امر کو معلوم کیا کہ جس نے ان تمام
چیزوں میں تدبیر و اصلاح کی ہوگی وہ ضرور یکتا۔ غالب و رحیم ہوگا۔ جو ہمیشہ سے ہے اور
ہمیشہ رہیگا اور اگر زمین و آسمان کے اندر کئی معبود ہوتے تو ہر ایک اپنے پیدا کئے ہوئے
کی طرف متوجہ ہوتا۔ اور ایک دوسرے پر فوقیت چاہتا۔ پھر تو ایک دوسرے میں تنازع اور
فساد قایم ہوجاتا۔

علیٰ ہذا القیاس کانوں نے وہ کتابیں بھی سُنیں جنکو اُس مدبر نے اُن باتوں کی تصدیق کے لئے اوتارا تھا جنہیں دل نے اپنی قوت مدرکہ اور توفیق الٰہی سے معلوم کیا تھا۔ نیز اُن لوگوں کی باتوں کو سُنا جنہوں نے یہ بتایا تھا کہ اُس مدبر حکیم کے نہ جورو ہے اور نہ کوئی اُسکا شریک ہے تو جو کچھ انبیاء سے سُنا تھا دل کو بتایا۔ (اور دل نے اُسکی تصدیق کی)۔

اُس نے کہا...... آپ نے تو ایسی ایسی لطیف باتیں مجھ سے بیان کیں کہ سوائے آپ کے اور کسی نے مجھ سے نہ بیان کی تھیں۔ مگر مجھکو اپنے خیال کے چھوڑنے سے کوئی بات نہیں روکتی سوائے اسکے کہ آپ نے جو باتیں مجھ سے بیان فرمائی ہیں۔ اُسکی کوئی قوی دلیل دیجئے اور توضیح فرمائیے۔

میں نے کہا...... اچھا جبکہ تم جواب نہیں دیسکتے اور تمہاری گفتگو مختلف ہوگئی۔ تو (انشاء اللہ) عنقریب تمہارا ہی دل تمہیں وہ وہ باتیں بتائیگا جن سے ثابت ہوجائیگا کہ حواس بغیر دل کے کسی چیز کو محسوس نہیں کرسکتے۔

اچھا تمنے کبھی خواب میں یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھا پی رہے ہو اور اسکی لذت تمہارے دل کو پہنچتی ہے؟۔

کہا.... ہاں

میں نے کہا... تمنے یہ بھی دیکھا ہے کہ خواب میں ہنس رہے ہو۔ رو رہے ہو۔ ایسے ایسے ایسے شہروں کی سیر کر رہے ہو جنکو کبھی تمنے نہیں دیکھا تھا۔ یا جنکو دیکھا تھا۔ پھر خواب میں اُسکی تمام علامتوں کو پہچان لیا۔ معلوم کرلیا ہو۔؟

کہا..... ہاں ایسا تو بیشمار خواب دیکھا ہے۔

میں نے کہا..... اچھا تمنے اپنے قرابت مندوں میں سے کسی بھائی یا باپ یا اور کسی رشتہ دار کو بھی خواب میں دیکھا ہے جو اس سے پہلے مرچکا ہو۔ اور پھر جس طرح اُسے مرنے سے پہلے پہچانتے تھے اسی طرح اُسکو پہچان لیا ہو۔

کہا.... اکثر و بیشتر

میں نے کہا.... تو اب یہ بتاؤ کہ خواب میں تمہارے کونسے حاسے نے ان چیزوں کو

محسوس کر کے دل کو بتایا کہ وہ مردوں کو اور انکی گفتگو کرنے۔ کھانا کھانے۔ شہروں میں جانے اور ہنسنے۔ رونے وغیرہ کو ادراک کرے۔

کہا.... میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے کس حاسہ نے ان سب باتوں کو یا انہیں سے بعض کو محسوس کیا۔ اور پھر وہ محسوس ہی کیونکر کر سکتے ہیں حالانکہ (سونے کی حالت میں) بمنزلہ مردے کے ہیں۔ نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں:

میں نے کہا.... اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم نیند سے چونکے۔ تو کیا تمہیں وہ باتیں یاد نہیں آئیں جنہیں خواب میں دیکھا تھا۔ پھر یاد رکھکر اُسے اپنے بھائیوں (دوست اقارب) سے بیان کیا اور اسمیں سے ایک حرف بھی نہ بھولے؟

کہا.... ایسا ہی ہے جیسا آپ فرماتے ہیں۔ اور بسا اوقات میں نے خواب میں ایک چیز کو دیکھا۔ پھر شام ہونے پائی کہ اُسے بیداری کی حالت میں ویسا ہی دیکھا جیسا خواب میں دیکھا تھا:

میں نے کہا.... اچھا تو بتاؤ کہ تمہارے کس حاسہ نے اس کا علم تمہارے دل میں قایم کیا کہ جاگنے کے بعد بھی تمنے اُسے یاد رکھا۔

کہا.... اسمیں تو حاسہ کا کچھ بھی دخل نہیں ہوا۔

میں نے کہا.... تو کیا تم جان نہیں سکتے کہ جب تمہارے حاسے اس موقع پر بالکل معطل تھے تو ان چیزوں کو جس نے دیکھا اور خواب میں یاد کر لیا وہ تمہارا وہی دل ہے جسکے اندر عقل ہے۔ جسکے ذریعہ سے خدا تعالےٰ نے بندوں پر حجت تمام کی ہے؟

کہا.... میں نے جو خواب میں دیکھا وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ محض بمنزلہ سراب کے ہے جسے کوئی دیکھنے والا دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یقیناً یہ پانی ہے مگر جب وہاں تک پہنچتا ہے تو وہاں پانی کا بالکل نشان بھی نہیں پاتا۔ تو جو کچھ بھی میں نے خواب میں دیکھا وہ اسکی مثال ہے

میں نے کہا.... تمنے سراب کو اور اپنے تئیں خواب میں بیٹھا یا کھڑا طعام کھاتے ہوئے دیکھنے اور خوشی یا غم کو (جو خواب میں دیکھا تھا) کیسے یکساں بتا دیا۔

کہنے لگا.... اس سبب سے کہ جب میں سراب کے موقع پر پہنچا تو دیکھا کہ کچھ بھی نہ تھا اسیطرح

جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا جب ہوشیار ہوا تو کچھ بھی نہ تھا۔

میں نے کہا.... اگر تمہارے سامنے کوئی ایسی مثال پیش کروں جسکی لذت تمکو خواب میں ملی ہو۔ اور اس سے تمہارا دل بیچین ہوا ہو تو کیا تم یقین نہ کر لوگے ؟۔ کہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہی درست ہے۔

کہنے لگا.... ضرور

میں نے کہا.... یہ بتاؤ کہ کبھی خواب میں تمکو احتلام بھی ہوا ہے۔ اور کسی آشنا یا ناآشنا عورت سے اپنی خواہش پوری کی ہے ؟

کہا.... بہت دفعہ۔ بیشمار مرتبہ۔

میں نے کہا.... تو کیا تمکو اتنی ہی لذت نہیں ملی جتنی جاگنے کی حالت میں (جماع کرنے سے) ملتی ہے۔ یہانتک کہ جیسے اسی قدر (مادہ منی) خارج ہوا جتنا جاگنے کی حالت میں دفع ہوتا ہے ؟ یہ تو تمہارے سراب والی دلیل کو توڑتا ہے (کیونکہ سراب کا تو واقعی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جب پاس جا کر دیکھو ریت ہی ریت ہے پانی کا نام نہیں اور یہاں تو اس مجامعت منامی کا اثر موجود ہے کہ منی تک خارج ہوگئی)

کہا.... محتلم تو خواب میں صرف وہی دیکھتا ہے جسے اسکے حاسوں نے بیداری کی حالت میں بتایا تھا۔

میں نے کہا.... تم نے تو اور میری گفتگو کو قوی کر دیا۔ اور مان لیا کہ حاسوں کے باطل (و بے ادراک احساس) ہوجانے پر بھی دل تمام چیزوں کو سمجھتا اور پہچانتا ہے تو پھر تمنے کیسے کہدیا تھا کہ دل بیداری اور اجتماع حواس کی حالت میں تمام چیزوں کو معلوم نہیں کر سکتا ہے۔ (بلکہ حاسے معلوم کرتے ہیں) حواس کے باطل ہوجانے پر کس نے دل کو یہ چیزیں بتائیں حالانکہ نہ وہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ نہیں تو مناسب تھا کہ حواس کے اجتماع و بقا کی حالت میں دل کی معرفت کا انکار نہ کرتے جبکہ تمنے یہ اقرار کر لیا کہ دم حواس کے بطلان کے بعد بھی کسی عورت کو خواب میں دیکھتا اور اس سے صحبت کرتا۔ اور اس سے لذت حاصل کرتا ہے۔ پس ایک عقلمند آدمی کے لئے جو یہ کہتا ہو کہ حاسوں

کے معطل ہو جانے کے بعد بھی دل اشیاء کا ادراک کرتا ہے۔ سزاوار ہے کہ یہ بھی جانے کہ دل ہی حاسوں کا مدبر اُنکا بادشاہ راس ورئیس اور انکا حاکم ہے کیونکہ آدمی کیسا ہی جاہل ہو مگر اس بات سے ہرگز ناواقف نہیں ہو سکتا کہ ہاتھ اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ آنکھ کو نکالے یا زبان کو کاٹ ڈالے اور نیز کوئی سا حاسہ بھی اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ کسی جزو بدن کے ساتھ کوئی فعل بغیر دل کی اجازت اور بتانے اور تدبیر کے کر سکے کیونکہ خدا تعالےٰ نے دل کو بدن کا مدبر بنایا ہے اسی کے ذریعہ سے سنتا اور اسی کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ وہی اس بدن کا حاکم اور امیر ہے۔ اگر دل پیچھے ہٹنا چاہے تو بدن آگے نہیں بڑھ سکتا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ اگر دل آگے بڑھنا چاہے۔ اس کے ذریعہ سے حاسے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ اگر وہ حکم کرے تو اُسکا حکم مانتے ہیں۔ اگر کسی چیز سے منع کرے تو باز رہتے ہیں۔ اسی پر خوشی اور غم وارد ہوتے ہیں۔ اسی پر تکلیف وارد ہوتی ہے (یعنی وہی تکلیف کے اثر کو محسوس کرتا ہے) اگر حاسوں میں سے کوئی حاسہ بیکار ہو جائے۔ تو وہ اپنے حال پر رہتا ہے اور اگر دل میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو سارے حواس بیکار ہو جاتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں۔

کہنے لگا.... میں تو سمجھتا تھا کہ آپ اس مسئلہ سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ مگر آپنے تو ایسی ایسی باتیں بیان کیں کہ میں اُسکے رد کرنے پر قادر ہی نہیں ہوں۔

میں نے کہا.... اب میں تمکو اسی جگہ بیٹھے بیٹھے ان تمام باتوں کی تصدیق کراتا ہوں جو میں نے تمسے بیان کی ہیں۔ اور جو کچھ تمنے خواب میں دیکھا ہے۔

کہنے لگا اچھا آپ ایسا کریں۔ میں تو اس مسئلہ میں حیران رہگیا۔ (ہکا بکا ہو گیا ہوں)

میں نے کہا.... اچھا یہ بتاؤ کہ کبھی تم اپنے دل میں کسی تجارت یا پیشے یا تعمیر مکان یا کسی چیز کے بنانے کا تصور کرتے ہو اور جب اُسکا اندازہ اپنے خیال میں پختہ کر لیتے ہو تو اُس کام کا حکم دیتے ہو؟۔

کہا.... ہاں۔

میں نے کہا... تو کیا اس خیال میں اپنے کسی حاسے کو بھی دل کا شریک بنایا تھا

کہا.... نہیں

میں نے کہا.... کیا تم جانتے نہیں کہ تمہارا دل جو کچھ کہتا ہے وہی ٹھیک ہوتا ہے۔

کہا.... یقین تو وہی ہے (جو دل بتائے) اب آپ کچھ اور بیان فرمائیے جس سے
میرا شک دور ہو اور جو میرے دل سے شبہ کو نکال دے۔

میں نے کہا.... یہ بتاؤ کہ تمہارے ملک والے علم نجوم کو بھی جانتے ہیں۔

کہنے لگا.... آپ کو میرے اہل ملک کے علم نجوم جاننے کا حال نہیں معلوم ہے
کوئی بھی ایسا نہیں جو انسے زیادہ اس علم کو جانتا ہو۔

میں نے کہا۔ اچھا بتاؤ کہ انکو نجوم کا علم کیونکر حاصل ہوا۔ حالانکہ ان (نجوم)
کا علم نہ حاسوں سے محسوس ہوتا ہے نہ فکر و غور سے معلوم ہوتا ہے۔

کہا.... حکماء نے ایک حساب بنا لیا ہے اور اسی کو لوگ یکے بعد دیگرے معلوم
کرتے ہیں۔ جب کوئی شخص انسے کوئی بات دریافت کرتا ہے تو وہ آفتاب کا اندازہ
لگاتے ہیں۔ آفتاب و ماہتاب کی منزلوں کو دیکھتے ہیں۔ اور یہ کہ کونسا طالع ستارہ
نحس ہے اور کونسا مخفی ستارہ سعد ہے۔ پھر حساب کر لیتے ہیں اور اسمیں غلطی نہیں
ہوتی۔ لوگ اپنے بچوں کو اس (منجم) کے پاس لاتے ہیں اور وہ اسکا حساب لگاتا ہے
پھر جو جو باتیں اسمیں ہوتی ہیں۔ اور جو واقعات اسپر مرنے کے وقت تک پڑنے والے
ہوتے ہیں سب کی خبر دیدیتا ہے۔

میں نے کہا.... حساب (نجوم) کو آدمیوں کے بچوں سے کیا تعلق*؟

اس نے کہا.... اس سبب سے کہ تمام آدمی انہیں ستاروں کے مطابق پیدا
ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہو تو یہ حساب ہی درست نہو۔ اسی وجہ سے جب وہ ساعت دن
مہینا اور سال جسمیں وہ پیدا ہوا ہے شمار کر لیتا ہے تو اسکے حساب میں غلطی نہیں ہوتی۔

میں نے کہا.... اگر یہ علم سچا ہو تو واقعی ایک عجیب علم کو تو نے بیان کیا جس سے
باریک تر اور زیادہ قابل عظمت کوئی علم نہیں جس سے پیدا ہوا بچہ اور اسکے تمام علامات

* اس مقام پر حضرت عمداً عارفانہ تجاہل فرما رہے ہیں تاکہ آیندہ کی تقریر میں اس سے کام لیں کوئی غافل یہ نہ سمجھے کہ حضرت کو واقعی یہ بات

معلوم نہ تھی

ومنتہائے زندگی اور جو کچھ اُسکی حیات میں واقع ہونگے معلوم ہوتے ہوں۔ کیا یہ حساب ایسا نہیں کہ تمام دُنیا کے آدمی اِسے جانتے ہوئے پیدا ہوئے ہوں۔؟

اُس نے کہا.... مجھے تو اسمیں کوئی شبہ نہیں (بلکہ یقین ہے کہ لوگ اِس علم کو جانتے ہوئے پیدا نہیں ہوتے)

میں نے کہا..... اچھا آؤ ہم تم اپنی عقلوں سے غور کریں کہ اِس علم کو لوگوں نے کیونکر جانا۔ اور کیا یہ بات درست ہوتی ہے کہ بعض ہی آدمی اِس علم کے عالم ہوں جبکہ سب آدمی (اِن ہی) نجوم کے مطابق (یا اِن ہی کے سبب سے) پیدا ہوتے ہوں۔؟

اور نیز یہ کہ بعض ہی آدمیوں نے سہی اسکے سعد و نحس۔ ساعات و اوقات باریکیاں اور درجے۔ سست و تیز رفتار کو اور انکے وہ مقامات جو آسمان پر ہیں اور مقامات جو زمین کے نیچے ہیں اور ان باریک باتوں کے بتانے کو جنہیں تمنے بیان کیا با وجودیکہ کچھ زمین کے اوپر ہیں اور کچھ زمین کے نیچے ہیں کیونکر معلوم کیا۔ کیونکہ تمہیں یہ تو معلوم ہی ہے کہ ان بروج میں سے بعضے تو اوپر ہیں اور بعضے نیچے ہیں (چھ تو اوپر رہتے ہیں اور چھ نیچے اسوجہ سے کہ آسمان چونکہ مدّور ہے اور زمین کو محیط ہے لہٰذا نصف حصہ اُسکا اوپر کی جانب دکھائی دیتا ہے اور نصف ہی زمین کے نیچے رہتا ہے۔ جسقدر بالائی حصہ زمین کے سامنے سے جاتا رہتا ہے اوتنا ہی نیچے والا حصہ اوپر آتا رہتا ہے اِسی وجہ سے تمام شب بروج کو دیکھنے رہنے سے صرف چھ ہی برج نظر آسکتے ہیں۔ باقی جو دن میں اوپر آتے ہیں وہ آفتاب کی روشنی کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ مگر یہ کہ رصد خانے میں اُنکا بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ دن ہو)؛

اِسی طرح ساتوں ستارے (سبعہ سیارات) بھی بعضے فوق زمین رہتے ہیں اور بعضے تحت زمین۔ مگر آسمان ہی پر (یعنی اِس سے یہ نہ سمجھنا کہ زمین کے نیچے آسمان نہیں ہے اور ستارے آسمان کے علاوہ ہوا میں معلق رہتے ہیں بلکہ رہتے تو آسمان ہی پر ہیں مگر اُسکے اُس حصے پر جو زمین کے حایل ہونے کی وجہ سے ہمیں دکھائی نہیں دیتے)

میری تو عقل اسے تسلیم نہیں کرتی کہ روئے زمین کے آدمیوں میں سے کوئی بھی اپنے قیاس و

ہوا ہو (کہ تمام ظاہر و پوشیدہ ستاروں کی حقیقت معلوم کرلے اور انکا حساب نکالے)

اُسنے کہا..... میں تو اسے قابلِ انکار نہیں سمجھتا۔

میں نے کہا..... تمہارا یہ دعوےٰ ہے کہ تمام اہل زمین انہیں ستاروں کے حساب سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو میں جانتا ہوں کہ وہ حکیم جس نے اس حساب کو قایم کیا ہے انہیں اہل دُنیا میں سے کوئی ہوگا۔

اسمیں بھی شک نہیں (اگر تمہارا یہ بیان صحیح ہے کہ کسی حکیم نے اس علم کو بنایا ہے) کہ وہ بھی انہیں نجوم کے مطابق پیدا ہوا ہوگا جیسے اور تمام لوگ پیدا ہوتے ہیں؛

اُسنے کہا..... البتہ! آخر یہ حکیم بھی تو انسان ہی ہے۔ (لہذا ضروری ہے کہ جسطرح مطابق حساب نجوم کے اور لوگ پیدا ہوئے ہیں یہ بھی پیدا ہوا ہوگا)

میں نے کہا..... تو کیا تمہاری عقل اس بات کو نہیں بتاتی کہ یہ ستارے اُس حکیم کے پیدا ہونے سے پہلے کے ہونگے جسکی بابت تمنے کہا ہے کہ اُس نے اس علم کو وضع کیا ہے اور یہ بھی تمہارا خیال ہے کہ وہ بھی انہیں ستاروں کے مطابق پیدا ہوا۔

اُس نے کہا..... بیشک (ایسا ہی ہے کہ یہ ستارے اُسکے وجود سے مقدم ہیں)

میں نے کہا..... تو کیونکر اس حکیم کو اس علم (نجوم) کے بنانے کا طریقہ معلوم ہوا حالانکہ بغیر کسی ایسے معلم کے جو اس حکیم اور نیز ستاروں کے وجود سے بھی پہلے ہو نہیں ہوسکتا۔ اور اسی نے اس حساب کو قایم کیا ہوگا جسکی بابت تمہارا خیال ہے کہ ہر مولود کی وہی جڑ اور بنیاد ہے۔ اور جڑ ضرور ہے کہ مولود سے مقدم ہو اور جس حکیم کی بابت تمہارا دعوےٰ ہے کہ اُس نے اس علم کو قایم کیا وہ ضرور کسی ایسے معلم کی اقتدا کرتا ہوگا جو اُس سے بھی مقدم ہو جس نے اس حکیم کو بھی ان ستاروں میں سے کسی کے مطابق پیدا کیا ہوگا اور جس نے ان برجوں کو بنایا ہوگا اور اسی نے ان برجوں کو بنایا ہوگا۔ جسکے مطابق اور آدمی پیدا ہوتے ہیں۔

پس بنیاد قایم کرنے والا ضرور ہے کہ ان ستاروں سے بھی پہلے ہو۔

اچھا مان لو کہ اس حکیم کی عمر اس دُنیا سے دس گنی ہے۔ پھر بھی تو ان ستاروں کو اسی

طرح معلق دیکھتا ہوگا جیسے آج تم دیکھ رہے ہو (پھر تم میں اور اُس حکیم میں کیا فرق ہوا کیوں اُسے یہ حساب معلوم ہوا اور تمکو نہ معلوم ہوا) کیا وہ اِس بات پر قادر تھا کہ باوجود اِن ستاروں کے آسمان پر ہونے کے اُنکے قریب جائے (اور اُنکی حقیقت و کیفیت معلوم کرے) تاکہ اُنکے منازل۔ رفتار۔ نحس۔ سعد اور اُنکے دقایق کو معلوم کرے اور یہ کہ کس ستارے سے سورج یا چاند کو گہن لگتا ہے۔ کسکے مطابق بچے پیدا ہوتے ہیں۔ کونسا نیک ہے۔ کونسا بد ہے۔ کونسا تیز رفتار ہے کونسا سُست ہے۔ تاکہ اُسکے بعد دن کی نیک گھڑیاں اور بُری گھڑیاں معلوم ہوں۔ اور یہ کہ کونسا ستارہ نحس ہے۔ ہر ستارہ کتنی دیر زمین کے نیچے رہتا ہے۔ کس ساعت میں چھپتا ہے۔ کس وقت طلوع کرتا ہے۔ کتنی دیر تک طالع رہتا ہے کتنی دیر تک غایب رہتا ہے۔

اور پھر اہلِ دنیا میں سے کسی حکیم کے لئے یہ کیونکر ممکن ہوا کہ آسمان کی باتوں کو جان لے باوجودیکہ حس سے اُنکا علم نہیں ہوتا اور نہ غور و فکر اُسپر کام کرتی ہے۔ نہ وہ باتیں خیال میں آتی ہیں۔ اُسے آفتاب کے اندازہ کرنیکا طریقہ کیونکر معلوم ہوا۔ جس سے وہ جان سکے کہ آفتاب کس برج میں ہے۔ چاند کونسے برج میں ہے۔ یہ ساتوں سعد و نحس ستارے آسمان کے کس حصہ پر ہیں۔ طالع کیا ہے۔ باطن (غایب) کیا چیز ہے۔؟ حالانکہ یہ سب ستارے آسمان پر ہیں اور وہ حکیم زمین پر۔ جب آفتاب کی روشنی سے یہ ستارے چھپ جاتے ہیں تو انہیں دیکھ نہیں سکتا مگر یہ کہ تم کہو کہ یہ حکیم جسنے علم نجوم کے قواعد بنائے ہیں آسمان پر چڑھ گیا ہوگا۔ حالانکہ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ یہ عالم (حکیم) اِس علم پر قادر نہوا ہوگا۔ مگر اُس شخص کے ذریعہ سے جو آسمان ہی پر ہو۔ کیونکہ یہ علم زمین والوں کا علم نہیں ہے۔

اُس نے کہا۔۔۔ مجھے تو آجتک یہ خبر ملی نہیں کہ اہلِ زمین میں سے کوئی شخص آسمان پر چڑھا ہو۔

میں نے کہا۔۔۔ تو شاید اُس حکیم نے ایسا کیا ہو۔ مگر تمکو خبر نہ ملی ہو۔*

کہنے لگا۔۔۔ اگر مجھکو یہ خبر ملتی بھی تو میں تسلیم ہی کب کرتا۔

میں نے کہا۔۔۔ میں بھی یہی کہتا ہوں جو تم کہتے ہو۔ خیر مان لو کہ وہ آسمان پر ہی

* صفحہ ۱۹ تا ۱۹۷ بحار جلد ۱۴ ص ۱۲۰

چڑھ گیا۔ تو کیا اُسے کوئی چارہ کار اِس سے ہو سکتا تھا کہ ہر برج کے ساتھ ساتھ اور ہر ہر ستارے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا ہو۔ جہاں سے وہ طلوع کرتے اور جہاں غروب کرتے ہیں پھر دوسرے ستارہ کے پاس آیا ہو۔ اور ایسا ہی کیا ہو۔ یہانتک کہ آخری ستارے تک پہنچا ہو کیونکہ بعض ستارے تو تیس برس میں دورہ تمام کرتے ہیں۔ بعضے اِس سے کم میں (تو ضرور ہوا کہ وہ حکیم اتنے اتنے دنوں تک ہر ہر ستارے کے ساتھ ساتھ رہا ہو تاکہ اُنکی مدت رفتار و طلوع و غروب سعد و نحس کو معلوم کر سکے) اور کیا اُسکو کوئی چارہ کار اِس سے ہو سکتا تھا کہ آسمان کے چاروں طرف پھرے تاکہ اُسکو سعد و نحس بطی و سریع ستاروں کے مطالع معلوم ہو سکیں۔ اور وہ اُنکا حساب مرتب کر سکے۔

یہ۔ ن لو کہ وہ اسپر قادر بھی ہو گیا (کہ آسمان پر بھی چڑھ گیا۔ ہر ہر ستارے کے ساتھ اُنکے مدت سیر تک ساتھی رہا۔ ہر ایک مطلع و مغرب بھی معلوم کر لیا) یہانتک کہ آسمان کی تمام خبریں معلوم کرکے فارغ ہو گیا۔ تو کیا اُسکا سارا حساب آسمان کا ٹھیک ہو سکتا ہے جب تک کہ زمین کے اور اُسکے ماتحت کے نیچے کے ستاروں کا بھی حساب لگائے۔ اور اتنے ہی دنوں میں اسے بھی نہ معلوم کرے جتنے دنوں میں آسمان کی چیزوں کو اُس نے معلوم کیا ہے۔ کیونکہ ان سیارات کی رفتار زیر زمین کچھ اور ہے اور بالائے زمین کچھ اور ہے۔ تو وہ ہرگز اُنکے حساب و دقایق و ساعات کے بخوبی معلوم کرنے پر قادر نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ اُن ستاروں کی حالتوں کو بھی نہ معلوم کرے جو زمین کے نیچے ہیں۔ کیونکہ اُسے یہ تو ضروری ہے کہ وہ جانے کہ رات کی کس ساعت میں کوئی طلوع کرنے والا ستارہ طلوع کرتا ہے اور کتنی دیر زیر زمین توقف کرتا ہے۔ دن کی کس ساعت میں چھپنے والا ستارہ چھپتا ہے (اور یہ ضرورت اسلئے پڑی) کہ وہ ان ستاروں کو (جو زیر زمین ہیں) آنکھ سے نہیں دیکھتا۔ اور نہ اُسکے طالع و غایب کو۔ (لہذا لازم ہوا کہ جتنے دنوں اُس نے آسمان کے بالائی حصہ پر زمانہ صرف کیا ہے اُتنے ہی دنوں زمین کے اوپر اور زمین کے نیچے بھی زمانہ صرف کرے)

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اِس علم کا جاننے والا ایک ہی ہو تاکہ حساب سے فائدہ اُٹھایا جا سکے (ورنہ اگر کئی ہونگے تو ضرور ہے کہ اُنکے حساب میں فرق پڑیگا) (اور یہ بات کوئی شخص معلوم

کر نہیں سکتا) مگر یہ کہ تم کہو کہ صاحب وہ حکیم تو زمین کی ظلمتوں اور دریاؤں کے اندر بھی ہو آیا ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کے ساتھ ساتھ انکی رفتار میں اُتنے ہی دنوں رہ بھی آیا جب تک وہ آسمان پر چلتے رہے۔ یہانتک کہ اُسکو غایب ستاروں اور زمین کے نیچے والوں ستاروں کا حال اسی طرح معلوم ہو گیا جس طرح اتنی مدت صرف کر کے اُس نے اوپر کے ستاروں کا حال معلوم کیا تھا :

اُس نے کہا..... میں نے یہ کب کہا تھا کہ کوئی شخص آسمان پر چڑھ سکتا ہے یہانتک کہ میں یہ بھی کہدوں کہ وہ زمین اور دریاؤں کی تاریکیوں میں بھی داخل ہوا ہوگا :

ہیں نے کہا..... تو پھر یہ علم کس طرح اُن حکیموں کو دستیاب ہوا جنکی بابت تمنے دعوے کیا ہے کہ اُنھوں نے اِس حساب کو وضع کیا ہے۔ اور تمام آدمی اسی کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ اور کس طرح انکو یہ علم حاصل ہوا حالانکہ اِس علم نجوم اور حسابات سیارات کا وجود اُنسے مقدم ہے (تو اپنے وجود سے پہلے کی چیزوں کے حالات اصلی و اقعی طور پر اوّل سے آخر تک اُنکو کیونکر معلوم ہو گئے)

کہنے لگا..... میرے* نزدیک تو اب یہ کہنا درست نہیں معلوم ہوتا کہ ان آسمانی ستاروں کے علم کو زمین کے رہنے والوں نے وضع کیا ہو۔

میں نے کہا..... تو اب تمہیں ضرور یہ کہنا چاہیے کہ اِس علم کو کسی ایسے حکیم نے بنایا ہے جو آسمان و زمین کے حالات کو بخوبی جانتا اور اُنکا مدبر ہے۔

کہنے لگا..... اگر یہی کہدوں تو پھر اُس معبود کا اقرار ہی کر لینا پڑیگا جسکی نسبت آپکا خیال ہے کہ وہ آسمان پر ہے۔ (یعنی مدبر آسمان و زمین ہے)

میں نے کہا..... کیا تم مجھ سے یہ نہیں کہہ چکے ہو کہ نجوم کے قواعد بالکل صحیح ہیں اور تمام آدمی اُنہیں کے ذریعہ سے (یا مطابق) پیدا ہوئے ہیں

اُس نے کہا..... شبہ تو اور امر میں ہے (اسمیں شبہ نہیں ہے یعنی یہ تو ٹھیک ہے کہ قواعد نجوم بالکل صحیح ہیں مگر شبہ اسمیں ہے کہ انکا کوئی خالق ہے۔ یا نہیں۔

میں نے کہا..... تم مجھ سے یہ بھی کہہ چکے ہو کہ اہل زمین میں سے کوئی شخص ہرگز اس امر

* اسمٰعیل نے ۱۲

پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ان ستاروں اور آفتاب و ماہتاب کے ساتھ مغرب میں غروب کرتا۔ اور مشرق میں طلوع کرتا رہا ہو تاکہ اُنکی رفتار کو معلوم کر سکے۔

کہنے لگا..... آسمان پر چڑھ جانا اور بات ہے۔

میں نے کہا..... تو پھر تمکو بغیر اس بات کے کہے ہو۔ تم چارہ نہیں ہے کہ اس علم کا معلم کوئی آسمانی ہے۔

کہنے لگا..... اگر یہ کہدوں کہ اس علم کا کوئی معلم نہیں تو بالکل خلافِ حق بات کہی اور اگر یہ دعوے کروں کہ اہل زمین میں سے کسی نے آسمان اور زمین کے نیچے کی چیزوں کا علم پیدا کیا۔ تو بھی محال ہے کیونکہ اہل زمین ان ستاروں اور برجوں کے حال سے واقفیت پیدا کرنے پر آنکھ سے دیکھکر اور اُنسے قریب ہو کر ہرگز قادر نہیں ہیں۔ تو وہ بالکل اسکے حاصل کرنیکے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہماری رائے میں اہل زمین کو بغیر حاسوں کی مدد کے علم نہیں ہو سکتا اور ان ستاروں کا علم جیسے میں نے بیان کیا ہے حاسوں سے ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ آسمان میں معلق ہیں۔ حاسے تو صرف انکے طلوع و غروب کو دیکھ سکتے ہیں لیکن اُنکے حساب و دقایق و نحس و سعد و سست رفتار و تیز رفتار۔ اور اُنکا پوشیدہ ہو جانا اور پھر رجعت کرنا۔ یہ بھلا حاسوں سے کہاں معلوم ہو سکتا ہے اور قیاس و اندازہ سے کیونکر اُنکا پتہ چل سکتا ہے۔

میں نے کہا..... اچھا اگر تم اس علم و حساب کو پڑھنا اور سیکھنا چاہو تو اہل زمین سے سیکھنا تمہیں زیادہ پسند ہوگا یا اہل آسمان سے۔

اُسنے کہا..... اہل آسمان سے ز اسکا سیکھنا زیادہ پسند ہوگا کیونکہ یہ ستارے اسی میں معلق ہیں جہاں اہل زمین جا نہیں سکتے۔ (لہذا اگر کوئی آسمانی علم ملجائے تو اُس سے سیکھنا زیادہ پسند ہوگا)

میں نے کہا..... اچھا تو سمجھو۔ اور خوب غور کرو اور اپنے دل کو خالص کرو..... کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ جب تمام اہل دُنیا انہیں ستاروں کے ذریعہ سے (یا مطابق) سعادت و نحوست میں پیدا ہوئے ہیں تو یہ ستارے اُن آدمیوں سے پہلے کے ہونگے۔

اُس نے کہا..... یہ تو کہنا مجھے کچھ دشوار نہیں ہے۔

میں نے کہا تو تمہارا یہ کہنا کہ آدمی ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے باطل ہوا جبکہ یہ بات مان لی گئی کہ ستارے ان آدمیوں سے پہلے موجود تھے تو آدمی ضرور انکے بعد پیدا ہوئے ہونگے۔ اور جبکہ ستارے ان آدمیوں سے وجود میں مقدم ہوئے تو زمین بھی ضرور انسے پہلے موجود رہی ہوگی کہنے لگا.... (حضرت) میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ زمین بھی انسے قبل موجود تھی۔ (ہاں یہ تو زبان سے نکل گیا کہ ستارے ان سے مقدم ہیں۔)

میں نے کہا.... تو کیا تم یہ نہیں جان سکتے کہ اگر زمین پہلے سے موجود نہوتی جسے اللہ نے اپنی مخلوقات کے واسطے فرش اور بچھونا بنایا ہے تو انسان اور غیر انسان جو مخلوقات میں سے ہیں کسی شے پر قایم نہ رہ سکتے۔ اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ ہوا میں قایم رہتے۔ کیونکہ اسکے واسطے پروں کی ضرورت ہی (اور ان کے پر نہیں جن سے ہوا میں قایم رہ سکیں)۔

اُس نے کہا.... پر! فایدہ ہی کیا دیتے اگر اُن کے لئے زندگی بسر کرنے کا ذریعہ نہوتا۔

میں نے کہا۔ تو کیا اب بھی تمکو اسمیں شبہ ہے کہ آدمی بعد زمین اور بروج کے پیدا ہوئے ہیں

اُسنے کہا.... نہیں بلکہ اسکا مجھے یقین ہے (یعنی اب یقین ہوگیا)۔

میں نے کہا.... ابھی اور بھی تمسے ایسی باتیں بیان کروں گا جس سے تمہاری بصیرت زیادہ ہو؛

اُسنے کہا.... اتنی ہی بات سے میرا شبہ دُور ہوگیا؛

میں نے کہا.... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جسپر یہ آفتاب و ماہتاب اور ستارے گردش کرتے ہیں۔ آسمان ہے۔

اُس نے کہا.... ضرور معلوم ہے۔

میں نے کہا.... تو کیا یہ ان ستاروں کی اصل و بنیاد نہیں ہے۔

اُس نے کہا.... بیشک ہے۔

میں نے کہا.... تو میری رائے میں یہ ستارے جنکی نسبت تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ انسانوں کی ولادت کے اوقات ہیں (یا باعث ہیں) اس آسمان کے بعد پیدا ہوئے

ﻋﮧ اس کلام سے کسی قدر اقرار نکلا کہ زمین کو بھی انسانوں سے پہلے ہونا لازم ہے۔ ۱۲ منہ؛

ہوں گے۔ کیونکہ آخر بروج اسی کے اندر دورہ کرتے ہیں۔ کبھی نیچے چلے جاتے ہیں۔ کبھی اوپر آجاتے ہیں۔

اُسنے کہا... آپنے تو ایک ایسی واضح بات فرمائی جو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جس آسمان کے اندر یہ ستارے دورہ کرتے ہیں وہ ضرور انکی جز ہوگا جو انہیں کے لئے بنایا گیا ہوگا کیونکہ یہ ستارے اسی میں گردش کرتے ہیں۔

میں نے کہا... تو اب تمنے تسلیم کر لیا کہ ان ستاروں کا خالق جن کے سعد و نحس کے مطابق انسان پیدا ہوتے ہیں وہی ہے جس نے زمین کو پیدا کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس زمین کو نہ پیدا کرتا تو کوئی مخلوق ہی نہ ہوتی۔

کہنے لگا... بغیر اس بات کے ماننے مجھے کچھ چارہ نہیں۔

میں نے کہا... تو کیا تمہاری عقل یہ نہیں بتاتی کہ آسمان کے بھی پیدا کرنے پر بھی وہی قادر ہو سکتا ہے جس نے زمین۔ مخلوقات۔ آفتاب۔ ماہتاب اور ستاروں کو پیدا کیا اور نیز یہ کہ اگر آسمان اور جو کچھ اُسکے اندر ہے نہوتا تو زمین کے مخلوقات بھی فنا ہو جاتے (کیونکہ آسمانی چیزوں کو زمین کی چیزوں سے بہت کچھ تعلق ہے۔ مثلاً ایک آفتاب ہی ہی کہ اگر یہ نہوتا تو کبھی پھلوں میں پختگی نہ آتی۔ ہوا کی سمیت نہ دفع ہوتی۔ وغیرہ وغیرہ)

اُس نے کہا۔ میں اب گواہی دیتا ہوں کہ بیشک پیدا کرنے والا (ان سبکا) ایک ہی ہے اسلئے کہ آپنے میرے سامنے ایسی دلیل بیان کی جو میری عقل میں آگئی اور اس سے میری دلیل قطع ہوگئی۔ میرے نزدیک یہ بھی بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ علم نجوم کا معلم اور اس حساب کا وضع کرنیوالا کوئی شخص اہل زمین سے ہو اسلئے کہ یہ ستارے آسمان میں ہیں۔ بااین ہمہ زمین کے تحت کے حالات بھی نہیں معلوم کر سکتا مگر وہی جو ان ستاروں کے حالات آسمان پر ہونے کی حیثیت سے معلوم کر سکے (یعنی وہی شخص ان ستاروں کے نیچے رہنے کی حیثیت سے انکے حالات معلوم کر سکتا ہے جو ان ستاروں کے اوپر رہنے کی حیثیت سے حالات معلوم کر سکتا ہے)۔

لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اہل زمین کو آسمان کی چیزوں کا علم حاصل ہی کیونکر

ہوا - یہانتک کہ ان سب لوگوں کا حساب یکساں باریکی و درستی میں متفق ہوگیا - اگر میں ان قواعد کو جسقدر جانتا ہوں نہ جانتا ہوتا تو میں تو اسکا سرے ہی سے انکار کر دیتا اور آپسے کہدیتا کہ یہ قواعد شروع ہی سے باطل ہیں - اسمیں مجھکو زیادہ آسانی تھی (مگر اب مشکل ہے کیونکہ جن قواعد کو میں جانتا ہوں وہ بہت درست ہیں - پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں یہ کیونکر معلوم ہوئے)

میں نے کہا .... اچھا مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ اگر میں اس بات کو تمہاری اس اہلیلج (ہلیلہ) کے ذریعہ سے جو تمہارے ہاتھ میں ہے اور اُس فن طب کے ذریعہ جو تمہارا اور تمہارے آبا و اجداد کا پیشہ ہے اس طرح ثابت کر دوں کہ اس ہلیلہ اور اور ایسی دواؤنکی مثال آسمانی مثالوں سے منطبق ہو جائے تو تم حق کا اقرار کر لوگے اور اپنے دل سے انصاف کروگے !!

اُسنے کہا .... آپ ایسا کریں -

میں نے کہا .... (اچھا بتاؤ) کیا آدمیوں پر کوئی ایسی حالت (اور ساعت) بھی گذری ہے جبکہ وہ علم اور اُسکے منافع کو مثل اسی ہلیلہ وغیرہ کے نہ جانتے رہے ہوں -

اُسنے کہا .... البتہ (یعنی ضرور کوئی ایسا بھی زمانہ رہا ہوگا جسمیں لوگ ان دواؤں کے فوائد نہ جانتے رہے ہونگے -)

میں نے کہا .... تو پھر انہیں ان باتوں کا کیونکر علم ہوا ؟

اُس نے کہا .... تجربہ سے اور عرصہ تک اندازہ کرتے رہنے سے -

میں نے کہا .... لوگوں کے خیال ہی میں یہ بات کیونکر آئی کہ اسکا تجربہ کرنا چاہئے اور اُنکو یہ گمان ہی کیونکر ہوا کہ یہ دوائیں بدن کے لئے مفید ہونگی حالانکہ سوائے ضرر (ظاہری) کے اُنکو اسمیں اور کچھ نظر نہیں آتا - (مثلاً یہی کہ اکثر پتیاں اور دوائیں سخت کڑوی ہوتی ہیں جنکے زبان پر رکھنے سے سخت تکلیف اور کراہت ہوتی ہے) اور اُنہوں نے کیونکر ایسی چیزوں کی تلاش کا ارادہ کیا جنکو وہ جانتے ہی نہ تھے (کیونکہ طلب مجہول مطلق محال ہے) اور وہ ایسی تھیں جنکو حاسے بتا نہیں سکتے -

اُسنے کہا . تجربوں سے - (وہی پہلا جواب - حالانکہ نہایت کمزور جواب ہے مگر معصوم باوجود اسکے اس سے چشم پوشی فرما کر اور طریقہ سے گفتگو شروع فرماتے ہیں)

میں نے کہا۔ (اچھا) مجھے بتاؤ کہ اِس علم طب کو کس نے بنایا (کس نے قایم کیا) اور اِن متفرق جڑی بوٹیوں کو جنہیں سے کوئی تو مشرق میں ہے کوئی مغرب میں کس نے بیان کیا؟ کیا کوئی چارہ اِس سے ہو سکتا ہے (کہ کہو) کہ جس نے اسے قایم کیا اور جس نے ان جڑی بوٹیوں کو بنایا وہ کوئی حکیم آدمی انہیں شہروں کے رہنے والوں میں سے ہوگا۔

اُسنے کہا۔ ضروری ہے۔ کہ ایسا ہو۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ جس نے اِس علم کو بنایا ہے وہ کوئی حکیم آدمی ہو۔ اور اُسپر اور حکیموں نے اتفاق کر لیا ہو۔ اُنہیں غور کیا ہو۔ اپنی عقلوں سے اُسمیں فکر کی ہو۔

میں نے کہا۔ ... تم انصاف کرنا چاہتے ہو۔ اور جو وعدہ کیا ہے اُسے پورا کرنا چاہتے ہو (اچھا) اب یہ بتاؤ کہ اِس حکیم نے (جسے تمنے تسلیم کر لیا ہے) اُسنے کیونکر معلوم کیا۔ اور یہ بھی مان لو کہ اُسنے اپنے شہر کی دواؤں کو اور مثلاً فارس کے زعفران کو معلوم کر لیا۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ اُس نے (اسطرح) تمام روئے زمین کی نباتات کو تلاش کر کے ایک ایک درخت کا ذایقہ چکھا ہو یہانتک کہ اُسکو یہ تمام چیزیں معلوم ہو گئی ہوں؟ اور کیا تمہاری عقل بتاتی ہے کہ چند حکیم آدمی ملک فارس اور اسکی نباتات کی (درخت درخت کر کے) تجسس پر قادر ہوئے ہوں۔ یہانتک کہ اپنے حاسے سے اسے معلوم کیا ہو۔ اور اُس درخت کو پا لیا ہو جسمیں اِن دواؤں میں سے کسی دوا کی خلط موجود ہے۔ جسے اُنکے حاسوں نے نہیں ادراک کیا تھا۔

مان لو کہ بعد تفتیش و تجسس کے اُس نے اس درخت کو بھی جان لیا اور فارس کے تمام درختوں اور نباتات کی تتبع لی مگر اُسے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ (مثلاً) یہ پتی یا جڑ یا پھل) دوا نہیں بن سکتی۔ جب تک اُسمیں ہندوستان کا ہلیلہ اور روم کی مصطگی اور تبت کا مشک اور چین کی دارچینی اور ترک کے بیداستر کے خصیے اور مصر کی افیون اور یمن کا ایلوا۔ اور آرمینیہ کا بورق۔ وغیرہ مختلف دوائیاں جو اطراف روئے زمین میں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ ملائی جائیں؟ اور اُسے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ اِن دواؤں میں سے کوئی دوا (باوجودیکہ یہ سب مختلف دوائیں ہیں) جب تک ایک دوسری سے ملائی نہ جائے نفع نہیں دے سکتی۔ اور ہر حال میں بلا اجتماع مفید نہیں ہو سکتی۔؟

یا اُسے اِن دواؤں کے پیدا ہونے کے مقامات کیونکر معلوم ہوگئے حالانکہ مختلف رنگونکی ہوتی
ہیں۔ اور مختلف بوٹیاں ہیں جو مختلف شہروں میں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض کی تو جڑیں لیجاتی
ہیں بعض کی چھال کسی کے پھل کسی کا افشردہ۔ کسی کا زلال کسی کا گوند کسی کا روغن۔
کوئی نچوڑ کر رکالی جاتی ہے۔ کوئی صرف نچوڑ لیجاتی ہے پکائی نہیں جاتی جنکے مختلف زبانوں
میں جُدا جُدا نام ہیں اور کوئی ایک بغیر دوسری دوا کے قابل استعمال نہیں ہوتی اور بغیر
ملے ہوئے دوا ہی نہیں بنتی۔ اور بعض دوائیں درندوں اور جانوروں کے پتے ہیں (انکے
خواص کیونکر معلوم ہوئے) (اسپر یہ اضافہ کہ) ان شہروں کے آدمی باہم عداوتیں بھی رکھتے
ہیں مختلف الخیال مختلف الرائے ہیں۔ دشمنی کے ساتھ ایک دوسرے پر غلبہ چاہتے رہتے ہیں
لڑتے بھڑتے بھی رہتے ہیں قتل و غارت و قید بھی کرتے رہتے ہیں (پھر ایسی سخت دشوار حالت
میں کسی غیر ملک کے باشندے کو دوسرے ملک کی بوٹیوں اور دواؤں کی خاصتیں کیونکر معلوم
ہوگئیں) کیا تم جان سکتے ہو کہ یہ حکیم تمام ان شہروں میں پھرا۔ اُس نے تمام زبانوں کو معلوم
کیا۔ ہر طرف گیا۔ اُن تمام بوٹیوں کو مشرق و مغرب میں بیخوف۔ تندرستی کی حالت میں۔
نڈر ہو کر۔ پھر کر تلاش کیا۔ کبھی بیمار نہیں ہوا۔ بالکل صحیح و سالم رہا۔ اُسکو ہلاکت نہیں ہوئی زندہ
رہا موت ہی نہ آئی۔ برابر راہ پاتا ہی گیا۔ کہیں بھٹکا ہی نہیں۔ ٹھیک چلتا رہا۔ کہیں ادھر
اُدھر نہوا۔ یاد ہی رکھتا رہا۔ کبھی بھولا ہی نہیں۔ خوش و خورم ہی رہا۔ کبھی ملال ہوا ہی نہیں۔
یہانتک کہ ان دواؤں کے اوقات اور انکی پیدائش کے مقامات باوجود اختلاف
اوصاف و اختلاف رنگ اور اختلاف نام کے دریافت کر لیئے۔ پھر اُسکی مثال اُسی طرح کی
قایم کرلی۔ پھر ہر ایک درخت کا حال مع اُسکی پیدائش۔ اور اُسکی پتیوں اور پھلوں۔ اور
خوشبوؤں اور ذائقوں کے بیان کر دیا۔؟ (کیا یہ کہیں ایک انسان کا کام ہے اور کیا کوئی
اس طرح پر زندگی بسر کرکے تمام دواؤں کی حالتیں معلوم کر سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ ایک
ایک دوا میں بیس بیس خواص ہیں۔ کیسے کوئی شخص تجربہ سے معلوم کر سکتا ہے)
کیا اس حکیم کو کچھ چارہ کار اس سے تھا کہ دُنیا کے تمام درختوں۔ بقولابت اور جڑوں کو
درخت درخت اور پتیاں پتیاں پھر پھر کے رفتہ رفتہ معلوم کرے؟

اچھا مان لو کہ اُس نے جس درخت کو دریافت کرنا چاہتا تھا دریافت بھی کر لیا مگر اُسکی
حاسوں نے اُسے کیونکر یہ بتا دیا کہ یہ فلاں دوا کے قابل ہے (حالانکہ حاسے اُسکی خاصیتوں کو
محسوس نہیں کر سکتے) حالانکہ درخت بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعضے میٹھے بعضے کھٹے بعضے
کڑوے بعضے نمکیں (پھر کیونکر اُس نے انہیں سے ہر ایک کے خواص جُداگانہ محسوس کر لئے)
اگر تم یہ کہو کہ وہ حکیم ان شہروں میں جاکر دریافت کرتا رہا ہوگا اور پوچھکر عمل کرتا ہوگا۔
تو جس چیز کو وہ دیکھ ہی نہیں رہا ہے اور اُسکے حاسے اُسے بتا ہی نہیں رہے ہیں اُسکو
دریافت ہی کیونکر کر سکتا تھا۔ یا اُسے یہی کیونکر معلوم ہو گیا کہ فلاں شخص سے اس درخت
کا حال دریافت کرنا چاہیے۔ حالانکہ اُسکی زبان اور۔ اُسکی زبان) اور چیزیں بہتیری۔
(نام سب کے جُداگانہ کیفیت سب کی الگ صورت سب کی الگ۔ پھر اُس نے کیونکر
اُسکی زبان سمجھی۔ کیونکر اُن دواؤں کے نام معلوم کیے کیونکر خواص اُن کا ادراک کیا)
اچھا مان لو کہ اُس نے ایسا کیا لیکن اِن دواؤں کے نفع و ضرر کو انکے سکون پیدا
کرنے اور بیماریوں میں ڈالنے کو انکے بارد و حار کو۔ تلخی۔ و حرافت کو۔ نرم و تندت کو کیونکر
دریافت کیا۔؟

اگر یہ کہو کہ اپنے ظن و گمان سے معلوم کیا۔ تو یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اپنی طبیعت
اور حاسوں سے معلوم ہو سکے۔ اور اگر کہو کہ تجربہ سے۔ تو اُسے چاہیے تھا کہ پہلے ہی
مرتبہ میں جبکہ اُس نے اِن دواؤں کو پیا اور انکے نفع و ضرر کے نہ جاننے کی حالت میں
انکا استعمال کیا مر جاتا۔ کیونکہ اکثر اِن میں سے زہر قاتل ہیں۔

اور اگر یہ کہو کہ وہ ہر ہر شہر میں پھرا۔ ہر ہر گروہ میں جاکر رہا۔ اُنکی زبانوں کو سیکھا۔
اُنہیں پر اُن دواؤں کا تجربہ کیا۔ کہیں اُسکی جان لی کہیں اُسکی جان لی۔ تو بھی وہ ایک دوا کی
خاصیت کو (کافی طور پر) معلوم نہیں کر سکتا تھا جب تک بہت سے آدمیوں کی جان
نہ لے لے۔ پھر تو ان شہروں والے جنپر دواؤں کا تجربہ کر کرکے انکی جان لی ہے۔ کبھی
اُسکا کہنا مانتے کہ وہ انکی جان لے۔ اور کبھی نہ اُسکو تجربہ کرنے دیتے۔

اچھا یہ بھی تسلیم کر لو کہ لوگوں نے اُسکو چھوڑ بھی دیا اور اُسکے حکم کو مان لیا اور اُسے منع

نہ کیا۔ مگر اُن (دواؤں) کے مخلوط کرنے کا اُسے کیونکر موقع ملا۔ اور کیونکر اُسکی مقدار و وزن کو معلوم کیا (کہ بنفشہ مثلاً چار ماشہ ہونا چاہئے اور تخم خطمی چھ ماشہ اور بغیر اس وزن کے نسخہ کی ترکیب درست نہوگی) اور کس طرح اُسکے ماشے بنائے کیونکر اُسکی رتیاں ٹھیک کیں ؟؛

اچھا یہ بھی تسلیم کر لو کہ ان سب باتوں کو اُس نے جستجو کر کے معلوم کر لیا۔ مگر بعض دوائیں ایسی بھی ہیں کہ اگر مقدار معین سے بڑھ جائیں تو ہلاک کر دیں اور اگر کم ہو جائیں تو اُنکا اثر ہی نہ ہے (یہ اسکو کیونکر معلوم ہو گیا)

اچھا تسلیم کر لو کہ اُس نے ان تمام امور کو طے کر لیا مشرق و مغرب تک بھی ہو آیا۔ اور اُسکو اتنی طولانی زندگی بھی ملی جس سے اُس نے درخت درخت اور ملک ملک پھر کر ہر چیز کی تفتیش کر لی۔ مگر اُسے اُن دواؤں کی تفتیش وا دراک اثر کا کیونکر موقع ملا جو اس سلسلہ سے خارج ہیں۔ مثلاً درندوں کے پتے اور پرندوں کے پتے۔ دریائی جانوروں کے زہرے۔ اور جب تمہارا یہ دعویٰ ہوا کہ اُس حکیم نے تمام روئے زمین کی جڑی بوٹیوں کو ہر ہر درخت اور ہر ہر پھل کو دیکھکر معلوم کیا یہانتک کہ سب کو جمع کر لیا تو بعض اُنمیں سے ایسی بھی دوائیں ہیں جو بغیر پتوں کے درست نہیں ہوتیں پھر کیا اُسکو کوئی چارہ اس سے ہو سکتا تھا کہ تمام دُنیا کے پرندوں درندوں اور جانوروں کو ایک ایک کر کے تلاش کرے۔ انکو ذبح کرے۔ اُنکے پتوں کا تجربہ کرے جس طرح اُس نے تمہارے زعم بموجب تجربوں سے عقاقیر کا حال دریافت کیا تھا۔ اور جب ایسا کرتا تو آج جانور ہی کیونکر باقی رہتے۔ انکی نسلیں کیونکر بڑھتیں۔ وہ تو درخت کی طرح بھی نہیں ہیں کہ جب ایک درخت کو کاٹ دیتے ہیں تو دوسرا اوگ آتا ہے۔ (یہاں تو تناسل پر مدار ہے۔ پھر اگر تمام دُنیا کے جانوروں کو ذبح کر کر کے تجربہ کرتا تو کتنے ہی قسم کے حیوانات کا سلسلہ تناسل ہی ختم ہو گیا ہوتا)

اچھا یہ بھی تسلیم کر لو کہ اُس نے تمام دُنیا کے پرندوں کا حال دریافت کر لیا۔ مگر اُس نے دریائی حیوانات کا حال کیونکر معلوم کیا۔ اُسے تو لازم تھا کہ ہر ہر دریا میں جا کر ہر ہر جانوروں کا تفتیش حال کرتا تاکہ جس طرح اُس نے عقاقیر دُنیا کو تجسس و تلاش سے معلوم کیا اُسیطرح ان جانوروں کے حالات پر بھی احاطہ حاصل کرتا۔ اور انہیں بڑے بڑے سمندروں میں

تلاش کرتا۔ (تو کیا اُس نے ایسا ہی کیا؟)۔
کیونکہ اگر تمکو ان چیزوں میں سے کوئی چیز معلوم نہو تو نہ سہی لیکن اس بات سے ہرگز ناواقف نہیں ہوسکتے کہ دریائی جانور سب کے سب پانی کے اندر ہی رہتے ہیں۔ (لہذا ضروری ہوا کہ اُس حکیم نے تمام دریاؤں کے اندر گھس گھس کر اور ایک ایک ہی جانوروں کو پکڑ پکڑ کر حالات معلوم کئے ہوں اور حد تجربہ تک پہنچا ہو۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف قیاس و عقل ہے)
کیا تمہاری عقل اور تمہارے حاسے اس بات کو بتاتے ہیں کہ یہ سب چیزیں تفتیش و تجربے سے معلوم ہوسکتی ہیں؟۔
اُسنے کہا... آپ نے تو میرا رستہ تنگ کر دیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ آپ کو کیا جواب دوں؛
میں نے کہا.... میں نے جسقدر بیان کیا ہے اُسکے علاوہ اور اُس سے زیادہ واضح امر بیان کرتا ہوں۔
تم تو جانتے ہو کہ یہ عقاقیر اور طیور و سباع کے پتے جنسے نسخے مرتب کئے جاتے ہیں دوائے کامل نہیں بن سکتی جب تک ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع نہوں۔
اُسنے کہا۔ ایسا ہی ہے۔
میں نے کہا..... تو اب مجھے بتاؤ کہ اس حکیم کے حاسوں نے ان دواؤں کے وزن مثقالی اور قیراطی۔ (مثلاً دو ماشہ چار ماشہ۔ دو جو۔ چار جو کے بقدر) فلاں فلاں دوا ہونی چاہئے کیونکر قایم کئے۔ تم تو اسکو خوب جانتے ہو کیونکہ تمہارا پیشہ ہی طبابت ہے۔ کسی مرکب دوا میں تو ایک رنگ کی پتی یا پھل کے چار سو مثقال (ہر مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے) ڈالتے ہو اور دوسرے رنگ کی دوائیں سے چند ہی مثقال۔ اور چند ہی قیراط (ایک قیراط دو جو کے وزن کا ہوتا ہے) کبھی اس سے بھی کچھ زاید۔ کبھی اس سے کچھ کم۔ یہانتک کہ ایک مقدار معین پر وہ دوا مرتب ہو جاتی ہے۔ جیسا سی دوا کی کوئی خاص مقدار دستوں کے مریض کو پلاتے ہو تو اُس کے دست بند ہو جاتے ہیں۔ اور جب قولنج والے کو اُس مقدار سے زیادہ پلا دیتے ہو تو اُسکو دست آنے لگتے ہیں۔!!

پھر اب اُسکے حاسوں نے ان باتوں کو کیونکر ادراک کر لیا (کہ ایسا کرنے سے یہ اثر ہوگا) یا اُسکے حاسوں نے یہ کہاں سے جان لیا کہ جو دوا درد سر کے واسطے پلائی جائیگی اُسکا اثر پاؤں تک پہنچیگا حالانکہ اُسکے اثر کا پاؤں تک اُتر آنا بہ نسبت اوپر کی طرف چڑھنے کے آسان ہے اور جو دوا پاؤں کے درد کے لئے استعمال کرائی جائیگی وہ دماغ کی طرف صعود نکریگی حالانکہ اُسکو اپنی رفتار میں سر کی طرف جانا قریب تھا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر وہ دوا جو کسی مریض کو کسی عضو خاص کی مناسبت سے پلائی جاتی ہے۔ وہ رگوں کے ذریعہ سے وہیں پہنچتی ہے۔ جہاں کیلئے اُسکو استعمال کرایا گیا ہے حالانکہ (پہلے پہل) تمام دوائیں معدے میں جاتی ہیں۔ پھر وہاں سے تقسیم ہوتی ہیں (تو کسطرح اُس حکیم کو معلوم ہوگیا کہ اس دوا کا اثر صرف دماغ پر پڑیگا۔ پاؤں۔ ہاتھوں۔ پیٹ اور کمر پر نہ پڑیگا اور اس دوا کا اثر صرف پاؤں ہی پر پڑیگا۔ ہاتھوں پر۔ سر پر نہ پڑیگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ سب اُنہوں اُسکے حاسے ہی نے تعلیم دئے)۔

یہ کیوں نہیں ہوتا کہ جو دوا اوپر کی طرف صعود کرتی ہے وہ نیچے چلی جائے اور جو نیچے کیطرف جانے والی ہے (اور وہاں اپنا اثر کرنے والی ہے) اوپر کی طرف صعود کر جائے؟۔ اُسکے حاسوں نے کیونکر جان لیا کہ فلاں دوا کان کے لئے صرف نافع ہے آنکھ کو اُس سے نفع نہیں پہنچے گا۔ اور فلاں دوا سے آنکھ کو فائدہ ہوگا کان کے درد کو اس سے کچھ نفع نہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس تمام اعضا کے امراض اُسی دوا کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خاصکر اُسی کے لئے مناسب ہیں پس عقلوں اور حکمت اور حاسوں نے اسے کیونکر ادراک کر لیا حالانکہ وہ جوف بدن کے اندر نظروں سے مخفی ہے۔ رگیں۔ گوشت کے اندر ہیں اور اُنکے اوپر جلد ہے۔ نہ اُسکو کان (قوت سامعہ) محسوس کرسکتا ہے۔ نہ آنکھ (باصرہ) نہ ناک (شامہ) نہ ہاتھ (لامسہ) نہ زبان (ذائقہ)۔ (پھر دوا کے اندر چلے جانے کے بعد اُسکی کیفیت اثر کا کیونکر ادراک ہو سکا)؟۔

اُسنے کہا......آپ نے تو وہ باتیں کہیں جنہیں میں جانتا ہوں۔ لیکن ہم لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس حکیم نے ان دواؤں کو قایم کیا۔ اور انہیں ترکیب دی۔ وہ یہ کرتا تھا کہ جب کسی کو اُن مرکبات میں سے مثلاً پلاتا اور وہ مرجاتا تو اُسکا پیٹ چاک کرکے رگوں کو دیکھتا۔ اُن دواؤں کے جانے کے رستوں کو دیکھتا۔ اُن موقعوں کو دیکھتا جہاں یہ دوائیں اب پہنچتی ہیں۔

میں نے کہا.... اچھا بتاؤ!! کیا تمکو معلوم نہیں کہ تمام دوائیں جب رگوں میں چلی
جاتی ہیں تو خون کے ساتھ مخلوط ہو کر ایک ہو جاتی ہیں۔؟

اُسنے کہا.... ہاں کیوں نہیں جانتا۔

میں نے کہا.... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب آدمی مرجاتا ہے (اُسکا دم نکل جاتا ہے)
تو خون اُسکا ٹھنڈا ہو کر منجمد ہو جاتا ہے؟

اُسنے کہا۔ ضرور

میں نے کہا۔ تو پھر اس حکیم نے جو دوا اُس مریض کو پلائی تھی اُسے گاڑھا خون بنجانے
کے بعد (یعنی جبکہ خون میں مخلوط ہو کر وہ دوا بھی مرنے کے بعد منجمد ہو گئی) کیونکر دریافت کیا
حالانکہ اب وہ ایسی متمائز بھی نہیں رہی جس سے خون کے رنگ سے الگ کر کے اُسکے رنگ کو
معلوم کیا جائے۔

کہنے لگا.... آپ نے تو مجھکو نہایت سخت مشکل میں ڈالدیا کہ ایسی مشکل میں کبھی نہ پڑا تھا۔
اور ایسی چیزیں بیان کیں جنکے رد کرنے پر میں قادر نہیں ہوں۔

میں نے کہا.... تو اب بتاؤ کہ لوگوں نے اِن دواؤں کو جنہیں انکی منفعت ہی کہاں سے
جانا۔ یہانتک کہ انکو باہم مخلوط کیا۔ انکی جڑی بوٹیوں کو مختلف شہروں میں تلاش کیا۔ انکے
مقامات معلوم کئے۔ انکے معاون سے مختلف مقامات میں اطلاع حاصل کی۔ یہ بھی جان لیا کہ
اسکی جڑ مفید ہے۔ اتنا وزن ہونا چاہیے۔ اتنے ماشے ہونے چاہئیں اتنے جَو ہونے چاہئیں فلاں
پتھر اسمیں ڈالنا چاہئے۔ فلاں فلاں درندے کے پتے ڈالنے چاہئیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اُسنے کہا۔ میں تو آپ کے سوالات کے مشکل ہونیکی وجہ سے جواب دینے سے عاجز ہو گیا۔ اور
آپنے مجھکو ایسے امر کی طرف ملجا و مضطر کر دیا ہے جسکا ادراک علم حواس اور تمثیل و قیاس سے
ہو ہی نہیں سکتا۔

ضرور ہے کہ اِن نسخوں کو کسی واضع نے وضع کیا ہوگا۔ کیونکہ خود ان نسخوں (دواؤں) نے
تو اپنے تئیں وضع کیا نہیں۔ اور نہ بغیر اسکے کہ کسی نے بعد معرفت حاصل کرنے کے انکو مرتب کیا ہے
مرتب ہوئیں

تو آپ ہی بتائے کہ بندوں (آدمیوں) نے ان دواؤں کو جنھیں فواید ہیں کیونکر معلوم کیا۔ یہانتک کہ انکو ترکیب دی۔ کیونکر مختلف شہروں میں پھر کر ان کے عقاقیر (جڑی بوٹیوں) کو تلاش کیا۔

میں نے کہا..... مجتسے میں ایک مثال بیان کرتا ہوں اور تمہارے سامنے ایک دلیل قایم کرتا ہوں جس سے تم سمجھ سکوگے کہ ان (نسخوں) دواؤں کا واضع کون ہے۔ کس نے ان مختلف عقاقیر کو بنایا۔ کس نے اس جسم کو پیدا کیا۔ کس نے وہ رگیں بنائیں جنکے اندر دوا داخل ہوکر مرض تک پہنچتی ہے۔

اُس نے کہا..... اگر آپ یہ بیان فرمائیں گے تو میں ضرور اُسے تسلیم کرلوں گا۔

میں نے کہا..... تم سے میں ایک ایسے شخص کی بابت دریافت کرتا ہوں جس نے کوئی بڑا سا باغ لگایا ہو۔ اور اُسکے گرد اگرد مضبوط چار دیواری بھی قایم کی ہو اور جو چیزیں اُسکی ضرر رساں ہیں اُنسے اُسے بچایا بھی ہو (غرض اُس باغ کی نسبت اُس نے پورا اہتمام انتظام کیا ہو) کیا اُسکو کسی قسم کے درخت کی جگہ نامعلوم بھی رہے گی؟ (ہرگز نہیں۔ کیونکہ اُسنے خود ہی باغ لگایا ہے۔ خود ہی اُسکا اہتمام کیا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ فلاں درخت کس مقام پر ہے) پھر جب اُس باغ کے درخت تیار ہوگئے اُسکے پھل بھی پختہ ہوئے اُسمیں کے بقولات بھی لہلہانے لگے۔ تو کہیں تم بھی وہیں جا پہنچے۔ اور مالک باغ سے تمنے کسی قسم کی پھلی یا ترکاری کی خواہش کی اور اُسکا نام بھی بتادیا۔ تو تم جانتے ہو کہ وہ اچھی طرح اس بات پر قادر ہوگا۔ کہ برابر سیدھا اُسی درخت تک چلا جائے جسکا پھل اور جسکی ترکاری تمنے اُس سے مانگی ہے۔ خواہ وہ درخت باغ کے کسی قریب کے حصّہ میں ہو یا دور کے حصّہ میں۔ نہ تو وہ بے نیل مرام واپس چلا آئیگا۔ اور نہ کسی اور درخت یا بقول کی طرف توجہ کرے گا جو اُسکی راہ میں واقع ہوں۔ (بلکہ ٹھیک اُسی درخت مطلوب تک پہنچ جائیگا)

اُسنے کہا..... بیشک

میں نے کہا..... اور اگر مالک باغ تمسے کہے (جس وقت کہ تمنے اُس سے پھل مانگا تھا) کہ تم ہی اس باغ کے اندر چلے جاؤ اور اپنی ضرورت کی چیز لے لو۔ کیونکہ میں اسپر قادر نہیں ہوں

تو کیا تمہارا خیال ہے کہ تم وہاں تک سیدھے چلے جاؤ گے۔ نہ دائیں طرف موڑو گے نہ بائیں طرف یہاں تک کہ ٹھیک اُس درخت تک پہنچ جاؤ گے اور اُسمیں سے پھل توڑ لو گے؟۔

کہنے لگا.... کیونکر ایسا کر سکتا ہوں۔ حالانکہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ درخت باغ کے کس حصہ میں ہے۔

میں نے کہا.... تم تو جانتے ہو کہ اُس درخت تک تم پہنچ نہیں سکتے بغیر اسکے کہ نہایت تکلیف اور دوڑ دھوپ کر تمام باغ میں پھرو۔ پھر اپنے کسی حاسے کی قوت سے اُسکو محسوس کرو ایک ایک درخت ایک ایک پھل کر کے تلاش کرو۔ پھر اپنے مطلوب درخت کو کسی حاسے کی طاقت سے پا جاؤ۔ اور اگر پھر بھی نظر نہ آئے تو خالی ہاتھ واپس آؤ:۔

اُس نے کہا.... مجھ سے تو ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ مجھے تو یہی نہیں معلوم کہ وہ درخت کس جگہ لگا یا گیا ہے۔ کہاں اوگا ہے۔ کہاں اسمیں پھل لگے ہیں۔

میں نے کہا.... جب تمہارے حاسے اسکے معلوم کرنے سے عاجز ہے تب تو چاہیئے کہ تمہاری عقل اس امر کو بتالے کہ جسنے اتنے بڑے باغ کو لگایا ہے۔ جو مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اسمیں ان اشجار اور بقول کو بویا ہے۔ اسی نے اس حکیم کو بھی بتایا ہوگا جسکی بابت تمہارا خیال ہے کہ اس نے علم طب کو ان جڑی بوٹیوں۔ اور اُن کے مقامات کے مناسب جو مشرق و مغرب میں ہیں وضع کیا ہے۔

اور اسی طرح تم اپنی عقل سے یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ اسی نے ان دواؤں کے نام بھی بتائے ہونگے۔ انکے شہروں کے نام بھی بتائے ہونگے اور اُن کے مقامات کو بھی اسی طرح جانتا ہوگا جیسے اُس باغ کا مالک جانتا تھا جس سے کتنے پھل مانگے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی درست نہیں ہے (اور قریب عقل نہیں ہے) کہ جسنے اس باغ کو لگایا اور اسے بتایا۔ وہ کوئی اور ہو اور جس نے اس باغ کے درختوں کے فائدے اور نقصانات اور اوزان (رتی ماشے) بتائے کوئی اور ہو۔

اُسنے کہا.... واقعی یہ تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسا آپ فرماتے ہیں۔

میں نے کہا.... اگر اس جسم اور اسکے اعصاب و گوشت و امعاء و عروق کا پیدا کرنیوالا

جنکے اندر ہوکر یہ دوائیں سرتک اور پاؤں وغیرہ تک پہنچتی ہیں اِس باغ (باغ عالم) کے خالق اور ان عقاقیر کے بونے والے کے علاوہ کوئی اور ہوتا (یعنی انسان مثلاً تو کسی اور کا پیدا کیا ہوا ہوتا اور اشجار و نباتات کسی اور کے پیدا کئے ہوئے ہوتے) تو کیا وہ (یعنی خالق جسم انسان جیسے دوا کی ضرورت ہے) ان دواؤں کے وزن۔ رتی۔ ماشے سے واقف ہوتا۔ اور کیا تمہاری رائے میں وہ اِس بات کو جان سکتا کہ کونسی پتی کس مرض کے لئے مفید ہے اور کس رگ میں کونسی دوا اثر کرتی ہے۔

اُسنے کہا۔ کیونکر جان سکتا۔ یا کسطرح اسپر قادر ہوتا حالانکہ یہ بات کسی حاسے کے ذریعہ سے تو معلوم ہو سکتی نہیں (کہ اِس مرض کی یہ دوا ہے اور اِس رگ میں یہ دوا اثر کریگی) بالکل بھی اِس امر کو نہیں جان سکتا مگر وہی جسنے یہ باغ لگایا ہے اور جو ہر ہر درخت اور ہر ہر ترکاری اور انکے فواید کو جانتا ہے۔

میں نے کہا.... تو اِسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ ان دونوں (جسم انسان اور نباتات وعقاقیر) کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہو؟ کیونکہ اگر دو ہوتے۔ ایک نے تو دواؤں کو پیدا کیا ہوتا اور دوسرے نے بدن انسان اور اُسکی بیماریوں کو۔ تو عقاقیر کے پیدا کرنے والے کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ جسم کے کس مرض کیلئے کون سی دوا مفید ہے۔ اور نہ جسم کا پیدا کرنیوالا یہ جان سکتا کہ ان عقاقیر میں کونسی اِس مرض کے لئے فائدہ مند ہے۔ اور جبکہ مرض اور دوا دونوں کا خالق ایک ہی ہو تو وہ دوا کو اُسی رگ میں ڈال سکیگا جسے اُس نے خود بنایا ہے۔ اور اُس بیماری تک پہنچا سکیگا۔ جسے وہ جانتا ہے۔ اُسکو ان دواؤں کے مزاج بھی معلوم ہونگے کہ گرم ہے۔ یا سرد۔ نرم ہے یا سخت۔ کس نسخے میں کے رتی دوا پڑنی چاہیئے۔ کونسی دوا دماغ کی طرف صعود کریگی۔ کونسی دوا پاؤں کی طرف آئیگی۔ کونسی دوا نکے علاوہ اور کہاں کہاں پھیل کر اثر کرے گی۔

اُس نے کہا۔ بیشک اگر بدن کا خالق اور ہو اور دواؤں کا پیدا کرنے والا کوئی اور ہو تو انہیں سے کسی ایک کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا جو آپنے بیان کیا (نہ جسم کے پیدا کرنیوالے کو عقاقیر کی حقیقت معلوم ہو گی اور نہ عقاقیر کے پیدا کرنے والے کو جسم اور اُسکے امراض کا

حال معلوم ہوگا کہ کسکے لئے کیا مفید ہے)

میں نے کہا.... تو جسنے اس حکیم کو جسکی نسبت تمہارا خیال ہے کہ اول اوّل اُس نے ان دواؤں کو ترکیب دیا ہے) ہدایت کی۔ اور مشرق و مغرب کی متفرق جڑی بوٹیوں کو بنایا۔ اور اس علم طب کو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے قایم کیا۔ وہی اس باغ کا بھی مالک ہے جو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اسی نے اس جسم کو بھی بنایا ہے۔ اسی نے اس حکیم کو رجو واقعی کوئی نبی ہوگا جیسے لقمان علیہ السلام یا جناب ادریس(۲) بھی ہر درخت کی خاصیت اُسکے شہر۔ اُسکے مناسب گوں۔ پھلوں۔ روغن۔ پتیوں۔ لکڑیوں اور چھال سکے حال سے مطلع کیا ہے۔ اسی طرح اُنکے اوزان ماشے۔ رتی۔ کو بتایا ہے۔ اسی نے یہ بھی بتایا ہے کہ کس مرض کے لئے کونسی دوا مفید ہے۔ علیٰ ہذا القیاس وہی درندوں۔ پرندوں اور چوپاؤں کا بھی خالق ہے۔ جنکے پتوں میں فوائد ہیں اور وہ نسخوں میں داخل کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر اُسکا خالق ان کے پیدا کرنے والے کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو ہرگز نہ جان سکتا کہ کونسے پتے ہیں کیا فائدہ ہے کسمیں کیا نقصان ہے۔ کونسا مرارہ (پتہ) عقاقیر میں داخل کیا جاسکتا ہے (کونسا نہیں) اور چونکہ پیدا کرنے والا ایک ہی تھا۔ اسلئے اُسنے اُنکے فواید (مرارہائے سباع کے فواید) کو بھی بتا دیا۔ اور اُسکا نام بھی لے دیا۔ تاکہ وہ حکیم (نبی) اُسے معلوم کرلے۔ اور جسمیں نفع نہو اُسے چھوڑ دے۔ اسی وجہ سے حکیم کو معلوم ہوا کہ کونسا درندہ کونسا جانور کونسا پرندہ کیا کیا فائدے رکھتا ہے اور کسمیں فائدہ نہیں ہے۔ اگر خود ان اشیاء کا خالق ان باتوں کو نہ بتاتا تو حکیم کو بالکل بھی نہ معلوم ہوسکتا۔ پس معلوم ہوا کہ جس حکیم کو تم حکیم کہتے تھے وہ دراصل نبی یا رسول تھا اور جس نے اُسے تعلیم کی وہی خالق عالم ہے جل جلالہٗ و عم نوالہ)

اُس نے کہا۔ آپ درست فرماتے ہیں۔ ان حالات و صفات کے سامنے تو حاسے اور تجربے سب بیکار ہیں (یعنی واقعی یہ ایسی باتیں کہ انہیں حاسے اور تجربہ کو کوئی دخل نہیں ہے) بغیر اصل خالق کے بتائے ہوئے کچھ بھی ان دواؤں کا راز نہیں کھل سکتا

میں نے کہا.... جب تمہارے دل نے اسے درست و صحیح مان لیا۔ تو آؤ ہم تم دونوں ملکر (سبحان اللہ امام کے یہ اخلاق ہیں۔ کس خوبی اور نرمی سے آپ اُسے ہدایت فرما رہے ہیں)

ف - (۲) جناب ادریس علیہ السلام ... ۱۲ - علیہ السلام ...

اپنی اپنی عقل سے غور کریں اور اپنے اپنے حاسے سے سمجھیں۔ کہ آیا یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ اس باغ کے لگانے والے۔ ان درختوں کے بونے والے۔ ان چوپاؤں۔ پرندوں اور آدمیوں کے پیدا کرنے والے کو جس نے ان تمام اشیاء کو ان ہی کے فائدہ کے لئے (انسانوں کے فائدے کیلئے) پیدا کیا ہے مناسب ہے۔ کہ ان مخلوقات اور ان نباتات کو کسی اور کی زمین پر پیدا کرے۔ کسی غیر کی زمین پر لگائے۔ کہ جب وہ چاہے تو روک سکے۔ (اس سے آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح تم نے مان لیا کہ جسم انسان کا اور جڑی بوٹیوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی اسی طرح یہ بھی تمکو ماننا لازم ہے کہ زمین بھی اسی کی ہے جسکے پیدا کئے ہوئے جسم اور عقاقیر ہیں)

اُس نے کہا.... کہ جس زمین پر یہ بڑا باغ (نباتات عقاقیر۔ اشجار مختلفہ کا) لگایا گیا ہے اور جسمیں یہ اشجار نصب کئے گئے ہیں۔ اسی کی ملکیت میں ہونی چاہئے جس نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اسی کے قبضہ میں ہونی لازم ہے۔

میں نے کہا.... تو میرے خیال میں یہ زمین بھی اس باغ والے ہی کی ہوگی؟ کیونکہ ان تمام اشیاء کو باہم ایک دوسرے سے ارتباط و اتصال ہے)

اُس نے کہا.... بیشک

میں نے کہا.... اچھا مجھے بتاؤ اور انصاف سے کہو (اب آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح تم نے یہ مان لیا کہ انسان کا خالق اور دواؤں کا خالق ایک ہی ہے۔ اور اسی نے یہ زمین بھی پیدا کی۔ یہ بھی ماننا لازم ہے کہ پانی بھی اسی نے پیدا کیا۔ غرض آپ یہ ثابت کرکے چھوڑینگے کہ تمام عالم کا خالق ایک ہی ہے۔)

کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ یہ باغ (باغ عالم) اور اسمیں جسقدر عظیم الشان انسان۔ چوپاؤں پرندوں۔ اشجار۔ عقاقیر اور ثمار وغیرہ کی خلقت ہے بالکل قایم اور درست حالت پر نہیں رہ سکتے جب تک پانی سے سیراب نہوتے رہیں۔ جس سے انکی زندگی ہے۔

اُس نے کہا.... بیشک معلوم ہے۔

میں نے کہا.... تو پھر کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ اس باغ (باغ دنیا) اور اُسکی پیداوار کا خالق تو کوئی اور ہے اور پانی کا خالق کوئی اور ہے جسے اس بات کی طاقت ہے کہ جب چاہے

زمین بھی اسی کی ہے جس نے انسان اور دواؤں کو پیدا کیا

باغ میں پانی بھی اسی کا ہے

اُسے روکدے اور جب چاہے جاری کرے۔ اگر ایسا ہو تو باغ والے کا کام ہی خراب ہو جائے۔
اُس نے کہا.... یہ تو کسی طرح درست نہیں کہ اُس باغ اور اس مخلوقات کثیرہ کا خالق اور ان درختوں کا لگانے والا سوائے مدبر اول کے کوئی اور ہو اور یہ بھی درست نہیں کہ یہ پانی اُس کے سوا کسی اور کا ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ وہی اسکا بھی خالق ہے۔ یہ تمام پانی جسکی زمین تمام جسکے پہاڑوں سے جاری ہوتے ہیں اُسی نے اس باغ کو بھی لگایا ہے اور اُن چیزوں کو بھی پیدا کیا ہے جو اسکے اندر ہیں۔ کیونکہ اگر یہ پانی اس باغ کے مالک (جو دراصل خدا تعالیٰ ہے) کا نہ ہوتا تو باغ اور جو کچھ اسکے اندر ہے تباہ و فنا ہو جاتا۔ بلکہ ان درختوں کے لگانے اور پیدا کرنے سے پہلے اُس نے پانی کو پیدا کیا (ہوگا) کہ جس سے تمام چیزیں درست اور باقاعدہ ہیں۔
میں نے کہا.... (ملحوظ رہے کہ جناب صادق علیہ السلام جس امر کا اُس ہندی سے اقرار لینا چاہتے ہیں کس حسن سے اقرار لیتے ہیں۔ انکاری صورت میں اقراری پہلو کسقدر محبوب و مرغوب طریقہ ہے) اگر اس پانی کا جو کہ اس باغ کے اندر بہہ کر آتا ہے۔ کوئی خزانہ نہ ہوتا جو باغ کی سیرابی سے زاید پانی کو اپنے پاس محفوظ رکھے تاکہ ضرورت کیوقت اسمیں جاری کرے تو کیا جان سکتے ہو کہ تمام مخلوقات اسی طرح فنا ہو جاتی جس طرح بغیر پانی کے پہلے فنا ہوتی رہی۔
اُس نے کہا.... ضرور فنا ہو جاتی۔ لیکن کیا معلوم اسکا کوئی روکنے والا ہو وے ہی نہیں اور اسی طرح ہمیشہ سے سلسلہ جاری ہو (یعنی ہو سکتا ہے کہ انتظام نیچر ہی ایسا ہو اور دراصل کوئی خدا ہی نہ ہو جو اسمیں یہ انتظام کرتا ہو)
میں نے کہا.... تم تو مجھ سے اقرار کر چکے ہو کہ اگر دریا اور اسکا خزانہ نہ ہوتا تو باغ فنا ہو جاتا
اُس نے کہا.... بیشک۔
میں نے کہا.... اچھا تو میں تمہیں ایسی بات بتاتا ہوں جس سے تمکو یقین ہو جائے کہ دریا کا خالق بھی وہی ہے جس نے باغ اور اُسکے موجودات کو پیدا کیا۔ اور یہ کہ اس نے اسی باغ کی نہروں کے واسطے مخزن قرار دیا ہے۔ علاوہ اسکے جو آدمیوں کیلئے اسمیں فایدے مقرر کئے ہیں
اُس نے کہا.... تو آپ مجھے پورا یقین دلائیں جیسا کہ اسکے علاوہ اور باتوں کا آپنے مجھے یقین دلایا ہے۔

میں سنے کہا.... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ دُنیا کی ضرورتوں سے بچا ہوا پانی سمندروں میں چلا جاتا ہے۔

اُسنے کہا... کیوں نہیں معلوم ہے۔

میں نے کہا.... تو کیا تمنے زیادہ مینہ برسنے کے زمانہ میں اُسمیں (سمندروں میں) کبھی اُس حد سے زیادتی ہوتے ہوئے دیکھی ہے جس حد پر ہمیشہ سے ہے۔ یا گرمی کی زیادتی اور قحط کی شدت اور کم بارش ہونے کے زمانے میں گھٹتے ہوئے دیکھا ہے۔؟

اُسنے کہا.... نہیں۔

میں نے کہا.... تو کیا تمہاری عقل تمہیں یہ نہیں بتاتی کہ اِس پانی اور اِس باغ کا خالق (اور نیز جو کچھ اسکے اندر ہے) ایک ہی ہے۔ اُسی نے اسکی ایک حد مقرر کر دی ہے کہ نہ زیادتی کی وجہ سے زیادہ ہو اور نہ کمی کی وجہ سے کم ہو۔

میرے اِس بیان کی دلیل یہ ہے۔ کہ اِن سمندروں سے پہاڑوں جیسی موجیں اٹھتی ہیں جو سہل و جبل ہر مقام پر مشرف ہی۔ پس اگر اُسکی موجیں روکی نہ جائیں اور جہاں انکے ٹھیرائے جانے کا حکم دیا گیا ہے ٹھیرائی نہ جاتیں تو تمام دنیا پر محیط ہو جاتیں حالانکہ اب تم دیکھتے ہو کہ پانی جب اُن مقامات پر بھی پہنچ جاتا ہے جہاں اُسکے ٹھیرنے کا حکم ہے تو موجیں ٹھہر جاتی ہیں۔ اور جوش اور ادبھار اُسکا کم ہو جاتا ہے۔

اُس نے کہا.... واقعی ایسا ہے جیسا آپ نے ارشاد فرمایا۔ خود میں نے بھی اِن تمام چیزوں کو اسی طرح دیکھا ہے جیسا آپ نے بیان کیا۔ اِس وقت آپ نے مجھ سے ایسی ایسی دلیلیں بیان کیں جنکو میں انکار نہیں کر سکتا۔

میں نے کہا.... اسکے علاوہ میں تمسے وہ بات بیان کرونگا جس سے تم اچھی طرح سمجھ جاؤ کہ سلسلہ مخلوقات کیسا ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ اور یہ کہ یہ کام ایک ہی مدبر حکیم و عالم و تدبیر کا ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عام طور پر تمام باغ نہر اور چشموں ہی سے سیراب نہیں ہوتے ہیں۔ بہت سے ایسے عقاقیر و بقول جو باغ (دنیا جہان) کے اندر موجود ہیں اور نیز اُن چوپاؤں

وحشیوں اور جنگلی پرندوں کی زندگی جنکے لئے کوئی چشمہ نہیں۔ کوئی نہر نہیں ابر سے ہوتی ہے
ابر ہی اُنکو سیراب کرتا ہے۔

اُس نے کہا... ضرور ایسا ہی ہوتا ہے۔

میں نے کہا.... کیا تمہاری عقل اور تمہارے حاسے جنکی بابت تمہارا دعوی ہے
کہ تمام اشیاء اُنہیں سے محسوس ہوتی ہیں۔ یہ نہیں بتلاتے کہ یہ بادل جو اُن شہروں اور اُن مقامات
پر پانی لئے ہوئے پھرتا ہے۔ جہاں چشمے اور نہروں کا پانی نہیں پہنچتا اور پھر وہاں عقاقیر و بقول
و اشجار پیدا ہوتے ہیں۔ اِس باغ کے مالک کے علاوہ کسی اور کا ہوتا تو اُسے ممکن تھا کہ جب
چاہتا اُس باغ میں پانی پہنچانے سے روک دیتا۔ اور صاحب باغ اپنی مخلوقات (درخت و
نباتات) کے متعلق ہر وقت دھوکے اور خوف میں رہتا ہر وقت ڈرتا رہتا کہ کہیں ایسا نہو
کہ پانی کا مالک میرے باغ کے درختوں کو پانی نہ دے جس سے اُنکی زندگی ہے۔

اُس نے کہا.... آپنے جو فرمایا یہ تو واضح ہے (واقعی) یہ سلسلہ ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے
(یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقةً جس نے باغ عالم کو پیدا کیا اُسی نے یہ چشمے اور نہریں بھی جاری
کیں۔ ابر وغیرہ بھی اُسی نے بنایا ہے۔ تاکہ کسی وقت اسکا خدشہ نہو کہ میرے باغ کو نقصان
پہنچ سکے گا۔ کیونکہ اگر باغ کسی اور کا ہوتا اور پانی کسی اور کا تو ہمیشہ اِس تردد میں وقت گذرتا
جیسا کہ دُنیا میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جو کسی دوسرے کے کوئیں یا تالاب سے اپنا کھیت یا باغ
سینچتا ہے۔ اُسکو خیال رہتا ہے کہ ممکن ہے مالک چاہ و تالاب کسی وقت منع کر دے کہ تم میرے
کنوئیں سے پانی نہ لو۔ اِسی وجہ سے ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ میرا علیحدہ کنواں ہو علیحدہ
تالاب ہو تاکہ دوسرے کو اسمیں مداخلت کا موقع نہ مل سکے)۔

یہ بات بھی درست نہیں کہ جس نے اِس باغ کو اِس زمین کو اِن مخلوقات (اشجار و
نباتات وغیرہ) کو اور اُنکے لئے پانی کے خزانوں کو پیدا کیا۔ اور جس نے مختلف قسم کے پھل اِن
زمینوں میں پیدا کئے۔ کوئی اور ہو اور آسمان و ابر کا خالق کوئی اور (بلکہ وہ ایک ہی ہونا چاہئے)
کہ جس وقت اپنے باغ کو سیراب کرنا چاہے اور باغ۔ اشجار و حیوانات و بقول وغیرہ کو زندہ رکھنا
چاہے۔ جاری کر سکے۔ (اور اُس سے اُنکو قایم و زندہ رکھ سکے) لیکن میں اسقدر چاہتا ہوں

ف۔ ابر بھی ثابت کرتا ہے کہ خالق شمس اور ابر بھی اُنہیں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ج ۲۰۴

کہ کوئی دلیل اسکی ایسی بیان کیجئے جس سے میرا یقین اور زیادہ ہو جائے اور میرے دل سے شک دور ہو۔

میں نے کہا.... انشاء اللہ میں تمہاری اسی ہلیلہ کے ذریعہ سے اور نیز اسکے اس تعلق سے جو اسے اس باغ (اس باغ عالم) سے حاصل ہے۔ اور جو چیزیں اسکی اسباب آسمانی سے متصل ہیں ثابت کرونگا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ تدبیر کسی علیم و حکیم کی تدبیر ہے۔

اس نے کہا..... آپ اس ہلیلہ کے ذریعہ سے کیونکر کوئی ایسی بات بیان کر سکتے ہیں جو میرے شبہ کو دور کرے۔؟

میں نے کہا.... اسکے مصنوعیت کے استحکام اور ترکیب تالیفی کے اثر اور اسکے شاخ و بن کے اتصالات اور بعض کا بعض کی طرف محتاج ہونا تمہیں دکھلاؤں گا۔ جنکا اتصال و تعلق سماوی چیزوں سے (ابر و باران سے) ثابت ہو جائے۔

اس نے کہا.... اگر آپ یہ ثابت کر دینگے تو پھر مجھکو کوئی شبہ نہ رہے گا۔

میں نے کہا.... کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہلیلہ زمین میں اگتا ہے۔ اسکی جڑیں ملی ہوئی ہیں۔ ایک مضبوط جڑ سے۔ اور اس جڑ کو تعلق تنہ درخت سے ہے۔ تنہ کا تعلق شاخو سے ہے۔ شاخوں کا تعلق چوٹیوں سے ہے۔ چوٹیوں میں غنچے اور پتیاں موتی کی طرح گوندھے ہوئے ہیں۔ اور ان سب کا سر تا سر لباس پتے ہیں۔ اور ان سب کا تعلق اس سایہ سے مسلط ہے جو ان (پھل پھول اور پتوں) کو زمانے کی گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اس نے کہا.... ہلیلہ کی بابت تو مجھے ثابت ہو گیا کہ اسکی چھال۔ جڑیں۔ پتیاں اور اسکے زمین میں اگنے کی جگہ سب ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور میں گواہی بھی دیتا ہوں کہ انکا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ علاوہ اسکے کوئی دوسرا ان سب کی خلقت میں اس کا شریک نہیں ہے کیونکہ صنعت انکی مستحکم ہے۔ خلقت کا سلسلہ ایک طرح پر قایم ہے۔ تدبیر و تقدیر سب میں استحکام و ائتلاف ہے۔

میں نے کہا.... اگر میں تمہیں (آنکھوں سے) دکھا دوں کہ تمام حالتوں میں یہ تدبیر آیت حکمت و استحکام کے ساتھ ترکیب دی گئی ہیں۔ انکی صناعی نہایت معتدل ہے۔ ایک ہے

ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے (یعنی ہر ایک کا سلسلہ دوسرے سے لگا ہوا ہے مثلاً پتوں کا شاخ سے شاخ کا تنہ سے تنہ کا جڑ سے۔ جڑ کا باریک جڑوں سے۔ انکا زمین اور پانی اور ہوا سے۔ پانی کا ابر سے۔ ابر کا بخارات سے بخارات کا برودت سے جو اسے بستہ کرے وغیرہ) اور اس زمین سے متصل ہے جسمیں سے یہ ہلیلہ پیدا ہوا ہے تو کیا تم انکے خالق کے وجود کا اقرار کرو گے؟ (یعنی خدائے واحد کا)۔

اُس نے کہا۔ تب تو مجھکو اُسکی وحدانیت میں کچھ شبہ ہی نہ رہے گا۔

میں نے کہا.... سمجھو اور اچھی طرح سمجھو۔ جو کچھ میں تمسے بیان کروں۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے اِس ہلیلہ کا تعلق مٹی سے ہے اور مٹی کا تعلق حرارت و برودت سے ہے۔ حرارت و برودت کا تعلق ہوا سے ہے۔ ہوا کا تعلق ریح (تند ہوا) سے اور ریح کا تعلق ابر سے ہے۔ ابر کا تعلق مینہ سے ہے۔ مینہ کا تعلق فصلوں سے ہے۔ فصلوں کا تعلق چاند سورج سے ہے۔ چاند سورج کا تعلق گردش آسمان سے ہے۔ اور خود آسمان کا تعلق مابین آسمان و زمین سے ہے اور یہ خود ایک عجیب صنعت ظاہرہ و حکمت بالغہ و تالیف متقن و تدبیر محکم متصل پر مشتمل ہے۔ یہ سب کا سب مابین آسمان و زمین ہے جنمیں سے ایک بغیر دوسرے کے قایم نہیں رہ سکتا۔ اور نہ کوئی اپنے وقت معین سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور اگر اپنے وقت سے متاخر ہو جاے تو تمام مخلوقات زمین و نباتات فنا ہو جائیں۔

اُس نے کہا.... بیشک یہ تو ظاہر علامتیں اور واضح دلیلیں (وجود پروردگار کی) پر ہیں جنمیں اثر تدبیر نہایت استحکام خلقت و ترکیب و استحکام صنعت کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ لیکن کیا معلوم شاید جسکا ذکر آپنے چھوڑ دیا اُسکو کوئی تعلق و اتصال نہو۔

میں نے کہا.... وہ کیا۔

اُس نے کہا.... انسان... (یعنی اتنی چیزوں میں آپ نے انسان کا نام لیا کہ اسمیں کیونکر سلسلہ مسبب و اسباب قایم ہے۔

میں نے کہا.... کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ان تمام چیزوں کو انسان سے تعلق ہے انسان ہی کے واسطے مدبر (اللہ تعالےٰ) نے انکو مسخر کیا ہے۔ کیونکہ میں نے تمہیں بتایا ہے

کہ اگر کوئی چیز انمیں سے اپنے وقت سے ہٹ جائے تو تمام مخلوقات اور جو کچھ اس باغ کے اندر ہے تباہ و برباد ہوجائے۔ یہ (تمہارا) ہلیلہ بھی تشریف لیجائے جسمیں تمہارے خیال کے بموجب آدمیوں کے لئے بہت سے فواید ہیں۔

اُس نے کہا..... کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ جسطرح اور باتوں کو آپ نے مشرح بیان فرمایا ہے اس طرح اسکو بھی مشرح بیان فرمائیں۔

میں نے کہا..... ہاں ابھی تمہارے ہلیلہ سے تمہارے سامنے ثابت کردونگا کہ تم گواہی دیدوگے کہ یہ تمام چیزیں بنی آدم ہی کے لئے مسخر کی گئی ہیں۔ (یعنی تمام مخلوقات عالم آدمی ہی کے لئے بنائی گئی ہیں)۔

اُس نے کہا..... یہ کیونکر؟

میں نے کہا..... (دیکھو) خدا تعالے نے آسمان کو ایک بلند چھت (کے طور پر) بنایا ہے۔ اگر ایسا نہوتا تو اُسکے (اسقدر) نزدیک رہنے سے مخلوقات کو رنج و غم رہتا۔ آفتاب اپنے قرب کی وجہ سے اُنکو جلا دیتا۔ اُس نے انہیں لوگوں کے واسطے شہاب اور ستارے پیدا کئے جن سے خشکی اور تری میں ہدایت حاصل کیجاوے۔ (یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ سفر کرنے والے رات کو انہیں ستاروں کے ذریعہ سے مشرق و مغرب جنوب شمال کا پتہ معلوم کرتے ہیں اور اُس سے اپنے مقصود تک پہنچتے ہیں) اور ایسے بھی ستارے پیدا کئے جنسے اصل حساب (علم النجوم) معلوم ہوتا ہے۔ جو حاسوں کے باطل ہونے اور کسی معلم کے موجود ہونے پر دلالت کرتے ہیں (جیسا کہ سابق میں مفصلاً بیان ہوا) جس نے بندوں کو انکا علم دیا حالانکہ یہ امور عقل سے بھی نہیں معلوم ہوسکتے تھے۔ چہ جائیکہ حواس سے۔ اور خیالات انپر واقع نہیں ہوسکتے تھے عقلیں بغیر اُسکے بتائے وہاں تک پہنچ نہیں سکتی تھیں۔ اسلئے کہ وہی عزیز جبار ہے جس نے انہیں باتدبیر و حکمت پیدا کیا ہے۔ انہیں ایک چراغ (آفتاب) اور روشن چاند بنایا ہے۔ جو آسمان کے (دریا کے) اندر تیرتے رہتے ہیں۔ یہ تیزی کے ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ کبھی تو ان دونوں کو طلوع کرتا ہے اور کبھی غروب کرتا ہے۔ اسی پر دن مہینے۔ سال قایم کئے ہیں۔ جو جاڑے۔ گرمی۔ ربیع و خریف کا سبب ہیں۔ اور کاموں کے

مختلف زمانے ہیں۔ انکی اصل رات اور دن ہیں جنمیں سے اگر ایک بھی اہل دُنیا پر ہمیشہ رہتا (یعنی صرف رات ہی رات رہتی دن نہوتا۔ یا دن ہی دن ہوتا رات نہوتی) تو آدمیونکی زندگیاں کبھی قایم نہ رہتیں۔ لہذا ان چیزوں کے خالق و مدبر نے دن کو روشن قرار دیا اور رات کو آرام کا محل۔ انکے اندر حرارت و برودت نازل فرمائی (دن میں حرارت رات میں برودت) جو باہم متضاد چیزیں ہیں۔ اگر یہی دونوں میں سے کوئی ایک قایم رہتی۔ تو نہ درخت اگتے۔ نہ پھل پیدا ہوتے۔ اور پھر تمام مخلوقات مر کے رہجاتی۔ کیونکہ انکا تعلق اسی تیز چلنے والی ہوا سے ہے جو چاروں طرف پھیلائی ہوئی ہے۔ جب ٹھنڈی ہوتی ہے تو سانسوں کو خنکی دیتی ہے۔ جب گرم ہوتی ہے۔ تو انکے اجسام میں نمو پیدا کرتی ہے۔ اور انکے اجسام اور معاش کی چیزوں سے ضرر و نقصان کو دفع کرتی ہے۔ جب مرطوب ہوتی ہے تو انکی طبیعتوں میں رطوبت پیدا کرتی ہے۔ جب خشک ہوا چلتی ہے تو انکی رطوبات کو جذب کرتی ہے۔ اسی سبب سے پراگندہ چیز سمٹ آتی ہے اور چھایا ہوا ابر فضائے آسمان میں پھیل جاتا ہے۔ جس طرح اسکا مدبر (اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے۔ پھر اُسے (ابر کو) قطعہ قطعہ کر دیتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ اسمیں سے بقدر معین معاش معلوم۔ اور رزق مقسوم کے لئے مدت معینہ تک مینہ برستا ہے اور اگر اپنے وقت و زمانہ معین پر نہ برسے تو تمام مخلوق فنا اور باغ عالم خشک ہو جائے۔ لہذا اللہ تعالےٰ نے مینہ کو اُسکے خاص زمانے اور وقت پر اس زمین پر نازل کیا جسمیں بنی آدم کو خلق فرمایا ہے۔ اور اُسے (اُنکا) فرش اور گہوارہ بنایا ہے۔ اور اس بات سے روکا ہے کہ کہیں انہیں لئے دئے اولٹ نہ جائے اُسپر پہاڑوں کی میخیں گاڑیں اور اسمیں سے چشمے نکالے جو زمین پر بہتے اور نباتات کو اوگاتے ہیں جنکے بغیر تو مخلوقات زندہ رہ سکتی تھی نہ یہ باغ جہان ہی قایم رہ سکتا تھا۔ اور نہ انسانوں ہی کی اصلاح حال ہو سکتا تھا۔ اُسکے ساتھ ہی سمندر (اور بڑے بڑے دریا) بھی پیدا کئے جنمیں لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر چلتے ہیں۔ اور جنکے اندر سے آرایش کی چیزیں (موتی مونگے وغیرہ) نکالتے ہیں جنکو پہنتے ہیں۔ اور گوشت تازہ وغیرہ نکالتے ہیں جنہیں کھاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خشکی اور تری۔ آسمان اور زمین اور انکی درمیانی چیزوں کا پیدا

کرنے والا ایک ہی ہے جو زندہ وقایم۔ مدبر و حکیم ہے۔ اور یہ کہ اگر اُسکے علاوہ کوئی اور بھی ہوتا
تو ان چیزوں میں اختلاف پڑتا۔ (حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نظام عالم ایکساں چلا آرہا ہے۔ اور
ابتک وہی موجود ہے اور یونہی چلا جائیگا اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ
ان سب کا خالق و منتظم بھی ایک ہی ہے)

علیٰ ہذا القیاس آسمان۔ اُس زمین کی نظیر ہے جسمیں سے مخلوقات۔ دانے۔ انگور۔ نباتات
تازہ۔ زیتون۔ کھجوروں کے درخت ہرے ہرے باغات۔ میوے۔ سبزہ زار۔ ایک روشن
و مبین تالیف و ترکیب کی تدبیر سے کلیوں اور پھلوں کی صورت میں بنی آدم کی زندگانی اور
اُنکے بدلوں اور اُنکے چوپاؤں کی بقائے حیات کے لئے جنکے بالوں۔ اونوں اور لمبی لمبی جٹوں
سے سامان خانہ اور اسباب ایک وقت معین تک کے لئے بنایا جاتا ہے۔ اور اُنسے فائدہ اٹھایا
جاتا ہے۔ اُنکی پیٹھوں پر سوار ہوتے ہیں۔ پیدا کئے گئے۔ اور یہ ان آدمیوں کی زندگی بسر
کرنے کے لئے ایسے اسباب ہیں جنکے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ اور ایسے امور صالح ہیں
جنکے بغیر اُنکا قیام نہیں ہوسکتا۔

علیٰ ہذا القیاس (اگر اور باتوں سے ناواقف رہو تو رہو مگر اس سے ناواقف نہ رہنا کہ زمین
پر دو قسم کی چیزیں ہیں۔ ایک وہ جو پیدا ہوتی ہیں۔ دوسری وہ جو اُگتی ہیں (یعنی ایک تو
وہ ہیں جنمیں سلسلہ ولادت قایم ہے جیسے حیوانات۔ دوسری وہ جو زمین سے اُگتی ہیں جیسے
نباتات و اشجار) ایک انہیں کھانے والا ہے (حیوانات) اور دوسرا انہیں سے خوراک ہے
(نباتات)۔

(نیز) جس بات سے تمہاری عقل تمہیں بتا سکے کہ وہی (خدا تعالے) آدمیوں کا بھی
خالق ہے۔ وہ آدمی کی ساخت اور اُسکے جسم کا کھانے کی خواہش کیلئے تیار رہنا۔ اور معدہ
کا ہونا۔ جو کھائی ہوئی چیزوں کو پیس سکے۔ اور رگوں کے رستے بنے ہوئے جنسے چھنی چھنائی
غذا جاسکے۔ اور فضول کے دفع کے واسطے آنتوں کا ہونا ہے۔ (جو بتا رہا ہے کہ جس نے ان
نباتات و بقولات کو پیدا کیا ہے اُس نے ان کے کھانے کیواسطے انسانوں کو بھی پیدا کیا ہے
کیونکہ اُنکی ساخت ہی اس طور کی واقع ہوئی ہے) اور اگر خوردنی چیزوں کا خالق کوئی اور

اور ہوتا (اور حیوانات و انسان کا خالق کوئی اور) تو ان اجسام کو اس طرح کا نہ بناتا جنہیں خواہش غذا رکھی گئی ہے اور نہ اسکو اسپر قدرت ہوتی (کیونکہ جب نباتات و اشجار کسی دوسرے کے ہوتے تو بھلا وہ کیوں اپنی پیدا کی ہوئی چیزیں دوسرے کی مخلوقات کو کھانے دیتا۔ اور اگر زبردستی وہ کھلاتا تو پھر خوب ہی دونوں خداؤں میں دنگا فساد ہوتا۔ وہ کہتا میرا پیدا کیا ہوا دانہ اپنے پیدا کئے ہوئے آدمیوں کو کیوں کھلا دیا۔ میری بنائی ہوئی گھاس اپنے حیوانات سے کیوں چرا دی۔ اور خوب ہی لاٹھم لاٹھا ہوتا)

اس نے کہا۔۔۔۔ آپ نے تو اسطرح بیان فرما دیا ہے جس سے میں جان گیا ہوں کہ یہ تدبیریں کسی ایک مدبر حکیم، لطیف، قدیر و علیم کی ہیں۔ اب میں ایمان لاتا ہوں کہ خالق ایک ہی ہے۔ میں اسکی تسبیح کرتا ہوں۔ اسکی حمد کرتا ہوں مگر مجھے مار ڈالنے والے زہروں میں شک رہ گیا کہ آیا انہیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے (یا کسی اور نے) کیونکہ یہ صرف نقصان دہ ہیں فائدہ تو دیتے نہیں (جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید انکو خدائے واحد نے نہ پیدا کیا ہو کیونکہ اسکی ذات سے سراسر فائدہ ہی فائدہ پہنچنا چاہیئے۔ ممکن ہے خدا کے علاوہ کوئی اور ان زہروں کا خالق ہو)

میں نے کہا۔۔۔ کیا تم پر یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ یہ زہر بھی سوائے خدا تعالٰے کے اور کسی کے بنائے ہوئے نہیں؟۔

اس نے کہا۔۔۔ ہاں ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ تمام مخلوقات اسی کے بندے ہیں۔ اُسے یہ زیبا نہیں تھا کہ ان کے نقصان پہنچانے والی چیزیں بھی وہ پیدا کرے۔

میں نے کہا۔۔۔ میں تمہیں ایک ایسی چیز دکھاؤں کا جس سے تم سمجھ جاؤ گے اور اسے تمہارے ہلیلہ اور تمہارے علم طب کی راہ سے تمہیں بتاؤنگا۔

اس نے کہا۔۔۔ بتائیے۔

میں نے کہا۔۔۔ کیا تمہارے علم میں کوئی ایسی بھی نبات ہے جسمیں خلق کو کچھ ضرر نہ پہنچتا ہو۔؟

اس نے کہا۔۔۔ ہاں۔

میں نے کہا...... وہ کیا؟

اُس نے کہا.... یہی کھانے (اور غذائیں)

میں نے کہا.... تو کیا یہ غذائیں (جنکو تمنے غیر مضر بتایا ہے) رنگ کو بدل نہیں دیتیں بیماریاں نہیں پیدا کرتیں؟ کیا انہیں غذاؤں سے جذام۔ برص۔ سل۔ زرداب وغیرہ بیماریاں نہیں پیدا ہوتیں؟

اُس نے کہا.... ہاں ایسا تو ہوتا ہے

میں نے کہا.... اچھا۔ تمہاری یہ بات تو ٹوٹ گئی۔

کہا.... ہاں!

میں نے کہا.... (اچھا) تم کوئی بوٹی بھی جانتے ہو جسمیں کوئی فائدہ ہی نہو۔

کہا.... ہاں۔

میں نے کہا.... (غالباً یہاں[1] یہ عبارت رہی ہو "فما ھو" یعنی وہ کیا؟)

اُس نے کہا......

میں نے کہا.... تو کیا وہ اُن دواؤں میں نہیں ڈالی جاتی جنسے جذام و برص و وغیرہ کی بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔ درد کو کھوتی ہے۔ بیماری کو بھی دفع کرتی ہے تم تو خود اسے خوب جانتے ہوگے کیونکہ عرصے تک معالجہ کرتے رہے ہو۔

اُس نے کہا.... بیشک ایسا ہی ہے۔

میں نے کہا.... تو مجھے وہ دوا بتاؤ جو تمام زہروں کے دفع کرنے میں بڑا اثر رکھتی ہو۔ کیا یہ صفت تریاق میں نہیں؟۔

اُسنے کہا.... ہاں وہ ان سب دواوں کی راس دریئس ہے۔ سانپ کے کاٹنے کیڑے۔ مکوڑوں کے ڈنک مارنے کے موقع پر۔ اور سمی چیزوں کے کھا لینے کے وقت پہلے اِسی تریاق ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میں نے کہا.... کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ترکیب تریاق کی ادویہ مرتفعہ (غالباً اسی سے

---

[1] اس موقع کی عبارت اصل کتاب مترجم سنہ میں نہ ملی۔ اسلئے یہ جگہ چھوڑ دی گئی ہے؂

تصعید کردہ شدہ دوائیں مراد ہیں) اور ادویہ محرقہ (جو جلا کر ڈالی جاتی ہیں) ہیں یہ بات ضرور ہے کہ اُسے بڑے زہریلے سانپوں کے گوشت کے ساتھ پکاتے ہیں۔

اُس نے کہا...... ہاں ایسا ہی ہے۔ تریاق تو نافع اور سم قاتل کی دافع بغیر اس کے ہوتی ہی نہیں.... میری تو یہ بات بھی ٹوٹ گئی۔ اب تو میں گواہی دیتا ہوں کہ۔
لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ (کوئی معبود برحق سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں وہی اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں) اور (گواہی دیتا ہوں) کہ اُسی نے قاتل زہروں دشمن کیڑوں۔ اور تمام نباتات و اشجار کو پیدا کیا ہے۔ وہی اُنکا بونے والا ہے۔ وہی اُنکا اُگانے والا ہے۔ وہی اجسام کا پیدا کرنے والا۔ وہی ہواؤں کا چلانے والا۔ اور ابر کا مسخر کرنے والا ہے۔ اور (گواہی دیتا ہوں) کہ وہی اُن بیماریوں کا بھی پیدا کرنے والا ہے جو انسان کے بدن میں اُٹھتی ہیں۔ جیسے وہ زہریلے مادّے جو کہ اُسکے اعضا۔ اور ہڈیوں اور امراض کے مستقر (رگوں وغیرہ) میں جاری ہوتے ہیں۔ اور (وہی) اُن دواؤں کا خالق ہے جو اُنکی اصلاح کرتی ہیں وہی روح کا پہچاننے والا۔ مجرائی خون کا جاننے والا ہے (وہی جانتا ہے کہ) کتنا کتنا حصہ خون کا رگوں میں تقسیم ہوا ہے۔ کیونکر اُسکو اعضا اور اعصاب جسم سے اتصال و تعلق ہے۔ وہی اِس بات کو جانتا ہے کہ حرارت و برودت میں کونسی شے اُسکی مصلح ہے۔ وہی ہر عضو کو مع اُسکی اندرونی حالت کے جانتا ہے۔ بیشک وہی ہے جس نے اِن ستاروں اور اُنکے حسابات کو قایم کیا ہے۔ وہی اُنکو جانتا ہے۔ وہی انہیں سے سعد و نحس اور اُن موالید کا بتانے والا ہے جو ان ستاروں کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں اور (یہ بھی گواہی دیتا ہوں) کہ تدبیر ایک ہی ہے۔ کچھ بھی اختلاف نہیں ہے۔ جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے اور جو کچھ انکے اندر ہے۔ سب کو ایک دوسرے سے تعلق ہے۔!

اچھا اب آپ یہ بتائیے (کہ آپ نے اُسے یہ کیونکر کہا کہ وہی اوّل ہے وہی آخر ہے وہی لطیف و خبیر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں نے کہا..... وہی اوّل ہے۔ کسی قسم کی کیفیت (حرارت برودت سختی نرمی وغیرہ) اُسمیں نہیں پائی جاتی۔ اور آخر ہے جسکی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اُسکا کوئی مثل نہیں

اُس نے اشیاء کو خلق فرمایا مگر نہ کسی چیز سے (بلکہ بلا مادہ) اور نہ کسی کیفیت سے (بلکہ) بے ہاتھ
پاؤں ہلائے۔ بغیر تکلیف اٹھائے۔ بے سوچے اور غور کئے۔ اور بغیر کسی کیفیت کے (پیدا کیا)
جب کہ وہ خود ایسا ہے کہ اُسکی کوئی کیفیت نہیں۔ بلکہ کیفیت دراصل مخلوق کی کیفیت ہے
(کیونکہ جسقدر کیفیات ہیں۔ مثل گرمی سردی۔ سختی نرمی۔ مٹھاس کھٹاس۔ نمکین کڑواہٹ
سرخی سبزی زردی وغیرہ وغیرہ سب مخلوقات کی کیفیتیں ہیں۔ نہ خالق کی) کیونکہ وہی سب سے
اول ہے۔ جسکی کوئی ابتدا نہیں۔ نہ اُسکا کوئی مانند ہے۔ نہ مخالف نہ مثل۔ آنکھ سے دکھائی نہیں
دیتا۔ چھونے سے محسوس نہیں ہوتا۔ پس اپنی مخلوقات کے ذریعہ سے پہچانا جاتا ہے (یعنی ان
مخلوقات و مصنوعات عالم کو دیکھکر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ضرور انکا خالق ہوگا) تبارک و تعالیٰ
اُس نے کہا.... اب مجھ سے اُسکی قوت کو بیان کیجیے (یعنی خدا کو قوی کیوں کہتے ہیں
میں نے کہا.... ہمارے معبود کو قوی اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ اُس نے بڑی بڑی
مخلوقات قوی کو مثل زمین کے اور جو اُسپر پہاڑ۔ سمندر۔ ریت۔ درخت ہیں اور جو مخلوق متحرک
اُسپر ہے مثلاً انسان۔ حیوانات۔ ہواؤں کے جھونکے۔ ابر مسخر۔ جو بہت سا پانی لئے ہوئے
فضا میں رہتا ہے۔ آفتاب۔ چاند۔ اور انکی عظمت اور انکی روشنی کی عظمت جسکی حد و انتہا
تک نظر نہیں پہنچتی۔ اور چلنے والے ستارے۔ گردش آسمان۔ و بازت آسمان۔ یہ بڑا ہی عظیم الشان
جسم فلک الافلاک۔ سما مسقف جو ہمارے سر کے اوپر ہوا میں قایم ہے۔ اور علاوہ ان کے
پھیلی ہوئی زمین اور جو اُسپر گرانبار خلقت ہے۔ اور باوجود اسقدر بوجھ کے پھر ٹھیری ہوئی
ہے۔ ذرا نہیں ہلتی۔ ہاں کبھی ایک گوشہ اُسکا ہل جاتا ہے (زلزلہ میں) مگر دوسرا گوشہ ویسا ہی
قایم رہتا ہے۔ اور کبھی ایک حصہ دھس جاتا ہے اور دوسرا اُسی طرح ثابت رہتا ہے۔ پیدا کئے
ہیں۔ اسنے ہمیں اپنی قدرت دکھلاتا ہے۔ اور اپنے ان افعال اپنی معرفت کی رہنمائی کرتا ہے
اسلئے اُسکو قوی کہا گیا۔ نہ اُس قوت جملہ کیوجہ سے جو مخلوقات سے معلوم ہوتی ہے (کیونکہ
یہ قوت تو جسم پر موقوف ہے اور خدا تعالیٰ جل اسمہ کے جسم ہی نہیں) اور اگر اُسکی قوت
مخلوقات کی قوت کے مشابہ ہوتی تو اُسکی تشبیہ ہوسکتی اور پھر اُسمیں زیادتی کا بھی احتمال
ہوتا۔ اور جس میں زیادتی کا احتمال ہوتا وہ ناقص ہے (کیونکہ ناقص ہی چیز زیادہ ہوسکتی ہے

اور جو چیز ناقص (کم) ہے وہ تام (پوری) نہیں ہے۔ بلکہ عاجز و ضعیف ہے۔ حالانکہ اللہ عزوجل کسی چیز سے تشبیہ نہیں دیا جاسکتا۔ کہ ایسا ہے یا ویسا ہے (اور نہ اسمیں عجز و ضعف و نقصان تجویز کیا جاسکتا ہے) بس ہمنے تو اسکو اسی وجہ سے قوی کہا ہے کہ اس نے ایسی قوت دار مخلوقات پیدا کئے اور اسی طرح جو ہم اسکو عظیم اور کبیر کہتے ہیں (تو اسی وجہ سے کہ ایسی باعظمت اور بڑی چیزیں پیدا فرمائیں) وہ خدائے تبارک تعالیٰ اِن ناموں سے تشبیہ نہیں دیا جاتا۔ (یعنی اس سے یہ نہ سمجھنا کہ جیسے کسی بڑے درخت کو شجر عظیم کہتے ہیں اسکی لمبائی یا ٹیڑھائی کی وجہ سے اسی طرح خدا تعالیٰ بڑا لمبا تڑنگا موٹا تازہ ہوگا۔ یا جیسے کسی پہلوان کو اسکی قوت کی وجہ سے قوی کہتے ہیں اسی طرح خدا تعالے میں بھی قوت ہوگی جس سے اسکو قوی کہا گیا ہے)۔

اس نے کہا۔۔۔ اچھا خود اس نے اپنے تئیں سمیع و بصیر و عالم کہا ہے۔ اسمیں آپ کی کیا رائے ہے۔ (یعنی کیا اسکے کان ہیں جس سے سنتا ہے۔ یا آنکھ ہے جس سے دیکھتا ہے یا دماغ ہے جس سے جانتا ہے۔ جسکی وجہ سے اسکو سمیع و بصیر و عالم کہا ہے یا اس نے خود اپنی کتاب میں اپنے تئیں سمیع و بصیر و عالم کہا ہے)۔

میں نے کہا۔۔۔۔ اس خدائے تبارک و تعالے کے یہ نام اس وجہ سے قرار پائے کہ اسکے سامنے کوئی چیز مخفی نہیں ہے جسے آنکھیں دیکھ سکتی ہوں۔ خواہ چھوٹا جسم ہو۔ یا بڑا۔ باریک ہو۔ یا موٹا۔ ہم اسے اس وجہ سے بصیر نہیں کہتے کہ وہ بھی مخلوقات کی طرح آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

اسکو سمیع اس وجہ سے کہا گیا۔ کہ کوئی سے تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ انہیں چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر یہ کہ وہ چھٹا ہوتا ہے۔ اور نہ ان سے کم اور زیادہ کی سرگوشی مگر یہ کہ وہ انکے ساتھ ہوتا ہے۔ (یعنی جب تین آدمی بیٹھکر باتیں رموز کی کرتے ہوں تو بھی پروردگار اسکو جان لیتا ہے۔ چار آدمی آہستہ باتیں کریں اسے بھی معلوم کر لیتا ہے غرض کتنے ہی آدمی کم ہوں یا زیادہ۔ کتنا ہی آہستہ کلام کریں سب وہ معلوم کرتا ہے۔ اسی طرح پروردگار عالم بغیر کان اور بغیر قوت سامعہ کے معلوم کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے اسکو سمیع کہا گیا ہے)۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ راز کی باتوں کو سنتا ہے چیونٹی کی چال کی آواز چکنے پتھر پر۔ اور

ہوا میں پرندوں کے پر کی آواز سُن لیتا ہے۔ اُسپر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی چیز جیسے لوگوں کے کان اور آنکھیں محسوس کر سکتی ہیں اور نہ وہ جنہیں محسوس نہیں کر سکتیں خواہ موٹی ہو یا پتلی۔ بڑی ہو خواہ چھوٹی۔ ہم اُسے ان معنوں سے سننے والا (سمیع) نہیں کہتے جو سماعت مخلوقات سے سمجھ میں آتی ہے (یعنی کان کے ذریعہ سے)۔

اسی طرح اُسکو علیم بھی اسوجہ سے کہا گیا کہ وہ کسی چیز سے ناواقف نہیں ہے۔ نہ زمین کی نہ آسمان کی کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں۔ موجود ہو۔ خواہ نہو۔ اور یہ کہ اگر ہوتی تو کیونکر ہوتی (ہر حالت سے ہر شے کو جانتا ہے) ہم اس معنی سے اُسکو علیم نہیں کہتے کہ اسمیں قوت غریزیہ ہے جسکے ذریعہ سے اُسکو علم ہوتا ہے۔ جیسا کہ مخلوقات میں ایک قوت غریزیہ ہے جسکے ذریعہ سے اُنکو علم ہوتا ہے۔ یہی اُسکا مطلب علیم سے ہے۔ (یعنی خدا تعالےٰ نے خود جو اپنے تئیں علیم کہا ہے اسی معنی سے ہے نہ اُس معنی سے جو مخلوقات میں پائے جاتے ہیں) پس معز زُ نے ※ وہ جسمیں صفات علیحدہ سے نہیں پائے جاتے (بلکہ وہ خود عین صفت ہے) اور جس نے اپنے تئیں افعال مخلوقات سے منزہ فرمایا ہے" یہ معنی ہیں (علیم وسمیع ولبصیر کے) اگر یہ نہو ایا تو خود اُسکے اور اُسکی مخلوقات کے درمیان کچھ فرق ہی نہ رہے۔ وہی پاک ہے اور اُسکے نام مقدس ہیں۔

اُسنے کہا.... یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ میں اسے سمجھ گیا مگر میری غرض یہ ہے کہ آپ مجھے اُس طور پر بتائیں جس سے میں کسی موقع پر جواب دے سکوں تو آپ مجھے تعلیم فرمائیں تاکہ میں اُسے خوب یاد کر لوں کہ وہی تعلیم کسی سرکش۔ مخالف اور صاحب شبہ سایل۔ یا کسی طلبگار حق کے لئے دلیل ہو سکے۔ اور جو ہمارے موافق ہوں اُنکے لئے زیادتی ایمان کا ذریعہ بن سکے تو آپ مجھے یہ بتائے کہ اُس نے اپنے تئیں لطیف۔ کیوں کہا ہے۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ یہ صفت لسبب اُن افعال لطیفہ کے ہے جو اُس سے ظہور میں آئے ہیں۔ لیکن میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اپنے بیان سے اُسکی تشریح فرما دینگے۔

※ اسمیں اشارہ ہے ان لوگوں کے کلام کے ردکیطرف جو کہتے ہیں کہ پروردگار عالم قوت سامعہ سے سنتا ہے۔ قوت باصرہ سے دیکھتا ہے قوت لامسہ سے چھوتا ہے۔ قوت شامہ سے سونگھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ اگر ایسا ہو کہ صفات پروردگار عالم اُسکی عین ذات ہوں بلکہ وہ خود کوئی اور چیز ہو اور صفات اُسکے اُسکی ذات سے علیحدہ ہوں تو پروردگار عالم کا غیر کیطرف محتاج ہونا لازم آئیگا جو قطعاً محال ہے اور نیز تعدد قدما لازم ہے جو یقیناً باطل ہے جیسا کہ دیباچہ میں گزارش کیا گیا۔ اور اگر صفات خدا تعالیٰ قدیم نہوں تو اُن لوگوں کے فرض پر خدا تعالیٰ

میں سے کہا۔۔۔۔ ہمنے اُسکو لطیف اِس وجہ سے کہا ہی کہ اُسنے لطافت اور باریکیوں کے ساتھ مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ اور نیز اسوجہ سے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر شے لطیف کو جانتا ہے۔ خواہ مچھر ہو یا چونٹی یا اُس سے بھی صغیر الجسم ہو جسے نہ آنکھ دیکھ سکے اور نہ اُسکے چھوٹے ہونے کی وجہ سے عقل ہی اُسکے کان اور آنکھ کو معلوم کر سکے جنکی چھوٹائی کی وجہ سے یہ نہ معلوم ہوسکے کہ نر کون ہے مادہ کون ہے۔ نیا بچہ کون ہے اور پُرانا باپ کون ہے۔ (مگر خداے تعالے جل قدسہٗ ان سب باتوں کو معلوم کرتا ہے اِس وجہ سے اُسکو لطیف کہا گیا)

پس جبکہ ہمنے اُسکی باریکی باوجود ان حیوانات کے صغیر الجثہ ہوتے کے دیکھی۔ اور دیکھا کہ اسمیں عقل کا بھی ایک مقام ہے جفتی ہونے کے لئے اسمیں شہوت بھی ہے۔ موت سے بھاگتا بھی ہے۔ اپنے بچّہ پر مہربان بھی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو پہچانتا بھی ہے۔ اور جو دریاؤں کے اندر ہیں یا آسمان پر ہیں۔ جنگلوں میں ہیں یا میدانوں میں اور جو ہمارے ساتھ ہمارے گھروں میں رہتے ہیں۔

ایک دوسرے کو اپنی گفتگو بھی سمجھا لیتے ہیں۔ اپنی اولاد کو بھی پہچانتے ہیں۔ اُنکے پاس کھانے کی چیزیں اور پانی بھی اوٹھا اوٹھا کر لاتے ہیں۔

تو ہمنے جان لیا کہ اُنکا خالق بھی لطیف ہے۔ اِس لطیف خلقت کے پیدا کرنے کی وجہ سے جس طرح ہمنے اُسکو قوی کہا ہے۔ قوت دار چیزوں کے پیدا کرنے کی وجہ سے۔

اُس نے کہا۔ آپ نے جو کچھ بیان کیا واضح ہے۔ لیکن انسانوں کو کیونکر جایز ہوا کہ جو خداے تعالے کے نام ہیں وہی اپنے بھی رکھ لیں۔ (یعنی انسانوں کو بھی قوی کہتے ہیں خدا کو بھی قوی کہتے ہیں۔ انسان کو بھی سمیع و بصیر کہتے ہیں خداے تعالی کو بھی سمیع و بصیر کہتے ہیں۔ پھر آدمی میں اور خدا میں کیا فرق رہا)۔

میں نے کہا۔۔۔۔ خداے جل شانہ و تقدست اسمائہٗ نے آدمیوں کے لئے ناموں کو جایز کر دیا ہے اور اُنہیں یہ بخشدیا ہے (دیکھو) کہ کوئی شخص کسی ایک چیز کو "واحد" کہتا ہے اور خدا کو بھی واحد کہتا ہے۔ کسی کو قوی کہتا ہے اور اللہ تعالے بھی "قوی" ہے۔ کسی کو کہتا ہے فلاں شخص "صانع" کاریگر ہے۔ اور اللہ تعالے بھی "صانع" ہے (کیونکہ اُس نے طرح طرح کے

مصنوعات پیدا کئے) کسی کو کہتا ہی ھو(الرزاق) اور خدا کو بھی کہتا ہے اللہ رازق کسی کو کہتا ہے ھو سمیع ھو بصیر حالانکہ اللہ تعالیٰ بھی سمیع و بصیر ہے وغیرہ وغیرہ۔

پس جو شخص انسان کو واحد کہتا ہی وہ تو اسکا نام ہے اور اسکی شبیہ بھی موجود ہی اور خدا تعالیٰ کو جو واحد کہتے ہیں۔ تو واحد اسکا نام ہے۔ مگر کوئی شئے اسکے مشابہ و مانند نہیں اور نہ معنی واحد ہے اور یہ جو نام ہیں انکو تو صرف مسمیٰ (شخص) دلالت کرنے کیواسطے ہم لوگوں نے بنایا ہے کیونکہ ہم انسان کو واحد (اکیلا) دیکھتے ہیں۔ اور اسی وقت اسکو واحد کہتے ہیں جبکہ وہ اکیلا ہو۔ تم تو جانتے ہو! کہ انسان فی نفسہ تو واحد المعنی نہیں ہے۔ کیونکہ اسکے اعضا مختلف ہیں۔ اسکے اجزائے بدن برابر نہیں ہیں۔ اسمیں خون ہے جو علاوہ گوشت کے ہے اسمیں ہڈیاں ہیں جو علاوہ پٹھوں کے ہیں۔ اسکے بال ہیں جو علاوہ ناخن کے ہیں۔ اسکی سیاہی۔ علاوہ اسکی سفیدی کے ہے۔ (یعنی انسان میں اسقدر چیزیں پائی جاتی ہیں پھر وہ کیونکر واحد المعنی ہوسکتا ہے) اسی طرح اور تمام مخلوقات ہے۔ انسان صرف نام میں ہی واحد ہے۔ نام اور معنی اور ساخت ان تینوں میں واحد نہیں ہے۔

پس خدا تعالیٰ کو جو واحد کہتے ہیں تو اسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ ایسا واحد (یکتا) ہے جسکے سوائے کوئی واحد نہیں کیونکہ اسمیں مختلف چیزیں نہیں پائی جاتیں (جس طرح انسان میں پائی جاتی ہیں کہ اسمیں گوشت بھی ہے پوست بھی ہے استخوان بھی ہے خون بھی سودا بھی ہے صفرا بھی ہے بلغم بھی وغیرہ)

اور (اسی طرح) وہ مبارک و بلند مرتبہ اللہ سمیع ہے بصیر ہے۔ قوی ہے۔ عزیز ہے حکیم ہے علیم ہے۔ فتعالی اللہ احسن الخالقین (یعنی کہ اسمیں ان صفتوں کے مادے علیحدہ علیحدہ موجود نہیں ہیں۔ بلکہ خود اسکی ذات منزہ و مقدس ایسی ہے جو عین علم عین بصارت عین سماعت عین قوت ہی لہٰذا اسکو علیم و سمیع وغیرہ کہا گیا ہے)

انس نے کہا.... اب اسکے قول رؤف رحیم اور اسکی رضا۔ محبت۔ غضب اور سخط (ناراضی) کو بتائے (کہ کس معنی سے اسکو رؤف و رحیم۔ راضی و محب و ساخط وغیرہ کہتے ہیں) میں نے کہا.... ہم لوگوں میں جو رحمت (رحم) پیدا ہوتی ہے وہ بمعنی شفقت و بخشش

ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ثواب دیتا ہے!۔ بندوں کی رحمت کے دو معنی ہیں۔ ایک وہ جو دل میں رافت ورقت پیدا کرتی ہے۔ جب کسی قابل رحم شخص کو تکلیف واحتیاج یا اور کسی قسم کی بلا میں مبتلا دیکھا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو قابل رحم شخص پر رافت ہو لطف کرنے اور اسکی نازل شدہ بلا پر رحم کھاتے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ (یعنی ایک رحم تو وہ کیفیت ہے جو دل میں کسی قابل رحم شخص کو دیکھکر پیدا ہوتا ہے دوسرے وہ اثر جو اس کیفیت پر مترتب ہوتا ہے۔ مثلاً اسکی تکلیف کو دور کر دینا مظلوم کی امداد کرنی بھوکے کو کھانا دینا ننگے کو کپڑا پہنا دینا وغیرہ۔ پس پہلا رحم تو دلی جذب اور کشش ہے اور دوسرا رحم اسکا اثر ہے)

کبھی کوئی کہتا ہے دیکھو فلاں شخص کے رحم کو (یعنی دیکھو اس نے فلاں شخص پر رحم کیا) اور اسکا مطلب یہی رحم سے وہی فعل ہوتا ہے جو اس رافت ومہربانی کی وجہ سے پیدا ہوئی جو انسان کے دل میں ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کی طرف جو اس صفت کو نسبت دیتے ہیں (اور کہتے ہیں خدا نے رحم کیا یا خدا تعالےٰ رحیم ہے) تو وہ انہیں کاموں کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہم سے حادث ہوتا ہے (مثلاً ہم نے کسی مظلوم کی مدد کر دی یا کسی کو دھندے سے بچا لیا تو کہتے ہیں دیکھو خدا نے کیسا اُس شخص پر رحم کیا کہ ایک آدمی اُسکی مدد کے لئے بھیجدیا)

لیکن رحمت اُس معنی سے جو دل میں ہے۔ تو وہ خدا تعالےٰ میں نہیں پائی جاتی (کیونکہ اسکے پاس دل نہیں ہے اور نہ وہ اعضا وجوارح والا ہے) جیسا کہ اُسنے اپنے تئیں آپ بیان فرمایا ہے۔ پس وہ رحیم تو ہے۔ مگر نہ اُس رحمت سے جو رقت قلب کے معنی میں ہے۔

لیکن غضب! تو ہم لوگوں میں جب پیدا ہوتا ہے تو ہماری طبیعتوں میں ایک تغیر حادث ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی اس حالت میں ہمارے جوڑ بند کانپنے لگتے ہیں رنگ بدل جاتا ہے (مثلاً غصہ میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے) پھر اُسکے بعد ہم کسی کو سزا دیتے ہیں (جبپر ہمیں غصہ آیا تھا) اس وجہ سے اسکو غضب کہتے ہیں۔ یہ تو عام لوگوں میں معروف ومشہور ہے۔ اور در اصل) غضب (غصہ) دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو وہ کیفیت ہے

جو دل میں پیدا ہوتی ہے اور یہ کیفیت جو دل میں پیدا ہوتی ہے وہ خدائے تعالیٰ جل جلالہ میں نہیں پائی جاتی۔ علیٰ ہذا القیاس اسکی رضا۔ و ناراضی و رحمت بھی ہے وہی جلیل ہے اور وہی عزیز۔ نہ اسکا کوئی شبیہ ہے۔ نہ مثل۔

اس نے کہا.... مجھکو اسکے ارادہ سے خبر دیجیے (کہ اسکو مرید کس معنی سے کہتے ہیں)

میں نے کہا.... بندوں کا ارادہ تو اس ضمیر کے معنی میں ہے (جو دل میں آتا ہے اور جس کے بعد کوئی کام ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا ارادہ اسکا کسی کام کو کردینے کے معنی میں ہے۔ کہ جب کسی چیز کو کہتا ہے ہوجا تو وہ ہو جاتی ہے۔ نہ اسکو تعب ہوتا ہے اور نہ کوئی کیفیت اسپر مرتب ہوتی ہے۔ (جسطرح انسان کو ارادہ کرنے کے بعد کسی کام کے کرنے میں ایک کیفیت جسمانی وروحانی پیدا ہوتی ہے اور تھکن وغیرہ اس سے حادث ہوتی ہے وہ بات خدا تعالیٰ میں نہیں ہوتی۔ کیونکہ اسکو کوئی کام ہاتھ پاؤں سے کرنا نہیں پڑتا۔ کیونکہ اسکے ہاتھ پاؤں مثل آدمیوں کے نہیں بلکہ اسکا ارادہ تو صرف یہ ہے کہ اس نے کسی چیز کو کہدیا کن ہوجا بس ہوگئی۔ یہی اسکا ارادہ ہے اور یہی اسکا فعل)۔

اس نے کہا.... آپنے خوب بیان فرما دیا۔ اور اپنے مطلب کو پہنچ گئے۔ پس اسقدر ایک عقلمند کے لئے کافی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں گمراہی سے ہدایت کی اور اس سے بچا لیا کہ اسکو کسی اسکی مخلوق سے تشبیہ دیں (یا اور مشابہ سمجھیں) یا اسکی عظمت و قدرت و لطیف صنعت و جبروت میں کوئی شبہ پیدا کریں (سبحانہٗ) وہ مثل و شبیہ و ضد سے بری ہے۔ اس سے زیادہ بزرگ ہے کہ اسکا کوئی شریک یا مانند ہو۔

جل عن الاشباہ والاضداد وتکبر عن الشرکاء والانداد

الحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً وھو علیٰ کل شی قدیر و بالحمد جدیر

ج ابو شاکر دیصانی (جو دہریہ تھا) ابو عبد اللہ (جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور حضرت سے عرض کی یا جعفر بن محمد دُلّنی علی معبودی اے جعفر بن محمد مجھے میرے معبود کو بتاؤ۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا بچہ ہاتھ میں انڈا لئے ہوئے کھیلتا

آگیا آپ نے فرمایا! لڑکے! یہ انڈا مجھے دینا۔ اس نے وہ انڈا آپ کو دیدیا۔ آپ نے فرمایا اے دیصانی!
یہ ایک قلعہ مکنون ہے اسکے اوپر تو موٹی سی جلد ہے۔ اور موٹی جلد کے نیچے ایک باریک جلد ہے
اور باریک جلد کے نیچے۔ پگھلا ہوا سونا (زردی) ہے اور پگھلی ہوئی چاندی (سفیدی) ہے
نہ تو پگھلا ہوا سونا پگھلی ہوئی چاندی سے مخلوط ہوتا ہے اور نہ پگھلی ہوئی چاندی پگھلے ہوئے
سونے سے مخلوط ہوتی ہے (حالانکہ دونوں ہی پگھلے ہوئے ہیں چاہئے تھا کہ ہلانے جلانے
سے ایک دوسرے میں مخلوط ہوجاتے مگر نہیں ہوتے) پھر اپنی حالت پر قایم رہتا ہے نہ اسکے
اندر سے کوئی مصلح شخص نکلتا ہے جو خبر دے کہ میں نے اسمیں یہ اصلاح کی اور نہ اسکے اندر
کوئی خراب کرنے والی چیز داخل ہوتی ہے جو خبر دے کہ میں نے اسمیں خرابی پیدا کی نہ معلوم
یہ نر کے لئے بنایا گیا ہے یا مادہ کیلئے (پھر) اس سے رنگ برنگی مور پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تمہاری
رائے میں اسکا کوئی مدبر (وخالق وحکیم) ہے (آخر کسنے اسکے اندر یہ صورتگری کی کیونکہ اسکے
اندر بچہ ہوگیا کس نے یہ رنگ روپ اسمیں پیدا کئے۔ کس نے یہ پرزے اسکے ٹھیک کئے۔
کوئی اندر اسکے داخل تو ہوا ہی نہیں۔ پھر کس نے یہ رنگ ہزاراں کیں۔ کس نے اسکے پنجے
چونچ۔ بازو۔ آنکھیں۔ کان۔ ناک آنتیں۔ پوٹے۔ مفاصل۔ وغیرہ بنا دئے) راوی کہتا ہے کہ
ابوشاکر تھوڑی دیر سر جھکائے سوچتا رہا۔ پھر یکبارگی کہنے لگا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ
وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ وانک امام وحجۃ
من اللہ علی خلقہ وانا تائب مما کنت فیہ ——————

دیصان ..... دقاق نے اسدی سے اس نے حسین بن مامون قرشی سے اس نے عمر بن عبد العزیز
سے اس نے ہشام بن حکم سے روایت کی ہے کہ ابوشاکر دیصانی نے مجھ سے کہا۔ میرا ایک
سوال ہے میں چاہتا ہوں اپنے صاحب (امام جعفر صادق علیہ السلام) سے میرے لئے اجازت
لو۔ کیونکہ میں نے یہ سوال بہت سے عالموں سے کیا مگر کسی نے پورا جواب دیا۔ میں نے کہا
کیا تم وہ مسئلہ مجھے سنا سکتے ہو؟ شاید میرے پاس کوئی اسکا جواب ہو جسے تم پسند کرلو۔ کہنے لگا میں
تو پسند کرتا ہوں مگر ابو عبداللہ ہی سے اسکو پوچھوں۔ تب میں نے اسکے حاضر ہونے کی حضرت
سے اجازت مانگی۔ جب حضور میں حاضر ہوا تو کہا۔ کیا آپ مجھے سوال کی اجازت دیتے ہیں؟

آپ نے فرمایا جو تمہارے جی میں آئے پوچھو!۔ اُس نے کہا اس بات پر کیا دلیل ہے کہ تمہارا کوئی بنانیوالا ہے (کیونکر معلوم ہوا کہ تمکو کسی خدا نے بنایا ہے) آپ نے فرمایا۔ میں نے جو اپنے تئیں دیکھا تو دو باتوں سے خالی نہ پایا۔ یا یہ کہ میں نے ہی اپنے تئیں بنایا ہے (اور اگر میں نے خود اپنے تئیں بنایا ہے) تو دو باتوں میں ایک بات ضرور ہوگی۔ یا تو میں نے اپنے تئیں اُسوقت بنایا ہوگا جبکہ میں خود موجود رہا ہونگا۔ یا اُسوقت بنایا ہوگا جبکہ میں معدوم رہا ہونگا۔ پس اگر میں نے اُسوقت اپنے نفس کو (اپنے تئیں) بنایا جبکہ میں موجود تھا (تو موجود کو بنانا کیسا) تو اپنے موجود ہونیکے سبب اپنے تئیں بنانے سے میں مستغنی ہوا کیونکہ بنی ہوئی چیز کو بنانا اُسکے کوئی معنی نہیں بلکہ اسکا تحصیل حاصل نام ہے۔ اور وہ محال ہے) اور اگر میں نے اپنے تئیں اُسوقت بنایا جبکہ میں معدوم تھا۔ تو تم جانتے ہی ہو کہ جو چیز خود معدوم ہو وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتی۔ لہذا تیسری بات ثابت ہوگئی۔ یعنی یہ کہ میرا کوئی اور بنانیوالا (پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہی تمام جہان کا پالنے والا ہے۔ یہ سنکر ابوشاکر اُٹھ گیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ (یہ سوال وجواب اسکے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے)

وجود پروردگار عالم پر جو دلیل حضرت نے ارشاد فرمائی ہے۔ یہ دلیل لمّی ہے۔ اور نہایت مستحکم دلیل ہے۔ کیونکہ ہر چیز جو دنیا میں موجود ہے۔ اُسکا بنا ہوا اور مرکب ہونا بدیہی امر ہے جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اور جب ہر چیز مرکب ہے تو آخر کوئی ترکیب دینے والا بھی ہوگا جس نے اُسے مرکب کیا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں یا تو اُس شے نے اپنے تئیں آپ مرکب موجود کیا ہے۔ یا کسی دوسرے نے اُسکو ترکیب دیا ہے۔ اگر اُس نے اپنے تئیں آپ ترکیب دی ہے۔ تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا اپنے تئیں ترکیب دیتے وقت آپ موجود تھی یا معدوم تھی۔ اگر موجود تھی تو ترکیب ہی کیا دیا کیونکہ جو چیز خود بعینہ ترکیبیہ موجود ہے اُسکو ترکیب دینا کیا معنی۔ کیا تحصیل حاصل ہوسکتی ہے؟۔ اور اگر بحالت عدم اپنے تئیں ترکیب دی ہے تو یہ محال ہے۔ اسلئے کہ جو چیز معدوم ہوتی ہے وہ کسی شے میں اپنا اثر نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اثر کرنا موجود ہونیکی فرع ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ہر مرکب کو کسی اور نے ترکیب دیا ہے اور وہی خدا تعالےٰ ہے۔ لہذا وجود پروردگار کا ثابت ہوگیا۔ وہو المدّعیٰ ؂

جع ..... جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کہ وجود صانع کی کیا دلیل ہے آپ نے فرمایا۔ البعرۃ تدل علی البعیر و الروثۃ تدل علی الحمیر و آثار القدم تدل علی المسیر فھیکل علوی بھذہ اللطافۃ و مرکز سفلی بھذہ الکثافۃ کیف لا یدلان علی اللطیف الخبیر۔ مینگنی تو بتاتی ہے کہ ادھر سے اونٹ گیا ہے۔ لید بتاتی ہے کہ ادھر سے گدھے گئے ہیں۔ پاؤں کے نشان بتاتے ہیں کہ ادھر سے کوئی آدمی چلکر گیا ہے۔ تو کیا یہ جسم بزرگ علوی (آسمان) با وجود اس لطافت کے اور یہ مرکز سفلی (زمین) با وجود اس کثافت (ثقل) کے (خدائے) لطیف و خبیر کے وجود پر دلالت نہیں کرتے؟

(نہیں) حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے مصنوعات سے اُسکے وجود پر دلیل لائی جاتی ہے اور عقلوں کے ذریعہ سے اُسکی معرفت کا اعتقاد کیا جاتا ہے اور فکر و غور سے اُسکی حجت ثابت کیجاتی ہے۔ وہ دلائلوں سے پہچانا گیا ہے۔ اور بینات کے ذریعہ سے مشہور ہے۔

جع۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ وجود خدا کی کیا دلیل ہے آپنے فرمایا تین چیزیں۔ حالات کا تغیر۔ اعضا کا ضعف۔ ہمت اور ارادے کا ٹوٹنا (یعنی تغیر حالات دلالت کرتے ہیں کہ متغیرات حادث ہیں اور ہر حادث چیز کا پیدا کرنیوالا کوئی نہ کوئی ہونا چاہیے۔ دوسرے اعضا کا ضعف کہ یہ بھی دلیل حدوث ہے۔ تیسرے اراد کا ٹوٹنا جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ہمسے بھی بڑا کوئی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے جو ہمارے پختہ ارادوں کو توڑ دیتا ہے۔ ورنہ کیسے کیسے مضبوط ارادے ہم کرتے ہیں پھر اگر کوئی انکا توڑنے والا نہیں تو کیوں وہ ارادے پورے نہیں ہوتے)؟

لید ۔ لی ۔ ن ۔ جناب امام رضا علیہ السلام کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کی یا ابن رسول اللہ۔ عالم کے حدوث پر کیا دلیل ہے۔ آپنے فرمایا "تم پہلے موجود نہ تھے پھر موجود ہوئے" اور تم خود جانتے ہو کہ آپ اپنے تئیں تمنے نہیں بنایا اور نہ تم کو کسی ایسے نے بنایا ہے جو تمہارے ہی مانند ہو" (لہذا معلوم ہوا کہ کسی اور بزرگ و جلیل نے جو ہماری تمہاری بساط ہے بالاتر ہے اُس نے تمکو اور اشیا ء عالم کو پیدا کیا ہے۔ کیونکہ سب ہی تو

عدم سے وجود میں آگئے ہیں۔ پھر کون ہے جو انہیں وجود میں لایا۔ وہی تو پروردگار عالم ہے۔

یـ۱ـ ن۔ محمد بن عبد اللہ خراسانی خادم امام رضا علیہ السلام کہتا ہے کہ ایک زندیق (دہریہ) جناب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں آیا جبکہ آپ کے پاس بہت سے آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا (اے شخص) جو کچھ تم لوگ کہتے ہو اگر وہی ٹھیک ہوا (یعنی عالم کا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے) تو کیا ہم تم دونوں برابر ہی نہ رہیں گے؟ اور جو نماز۔ روزے۔ زکوٰۃ اور اقرار توحید ہم کرتے ہیں اُنسے ہمیں کچھ نقصان نہ پہنچیگا۔ (زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ نماز۔ روزے ایک فعل عبث ہونگے مگر چونکہ کوئی پرسش کرنیوالا نہوگا ہمیں کچھ اسکی بھی پروا نہوگی کہ کیا عبث کیا اور کیا با فائدہ ہم لہذا ہم تم اس صورت میں دونو برابر ہی رہیں گے) یہ سُنکر وہ زندیق چپ ہو رہا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر وہ ہوا جو ہم لوگ کہتے ہیں (یعنی اگر خدا تعالے موجود ہے جیسا کہ ہم لوگوں کا قول ہے اور ہم اُسکے وجود و توحید کا اقرار کرتے ہیں) اور وہی ٹھیک بھی ہے جو ہم کہتے ہیں (تو بتاؤ) کہ کیا تم تباہ نہوئے۔ اور ہم بچ نہ گئے۔ (کیونکہ تمنے تو اُسکے وجود کو مانا ہی نہ تھا اسلئے نہ اُسکا اقرار کیا نہ اُسکی عبادت کی اور اب معلوم ہوا کہ وہ موجود ہے تو بتاؤ کہ تمہارا کیا حشر ہوگا۔ رہے ہم۔ سو ہم نے تو اُسکی عبادت بھی کی تھی اُسکی توحید و قدرت کے مقر بھی تھے۔ ہمارے ساتھ تو ضرور نیک برتاؤ کرے گا۔ لہذا تم تباہ ہوئے ہمنے نجات پائی)

کہنے لگا۔ خدا آپ پر رحم کرے (خدا آپ کا بھلا کرے) اب مجھے یہ بتائیے کہ آخر وہ کیونکر ہے اور کہاں ہے (یعنی اگر خدا تعالے موجود ہے تو کس طرح کا ہے اور کس جگہ ہے) آپنے فرمایا تجھپر افسوس ہے۔ اے جو تو نے خیال کیا ہے وہ غلط ہے۔ اُسی نے تو جگہ اور مکان بنائے ہیں۔ وہ تو اُسوقت بھی تھا جبکہ کوئی جگہ موجود نہ تھی۔ اُسی نے تو کیفیتوں کو پیدا کیا ہے وہ تو اُس وقت بھی موجود تھا جبکہ کوئی کیفیت موجود نہ تھی (پھر اُسمیں کیفیت کیونکر ہوگی اور اُسکی کوئی جگہ کہاں ہوگی) وہ کسی کیفیت یا کسی مکان کے ذریعہ سے نہیں پہچانا جاتا اور نہ کسی حاسہ سے۔ اور نہ اُسکا قیاس کسی چیز پر ہو سکتا ہے اُس شخص نے کہا پھر تو وہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ کیونکہ جب کسی حاسہ ہی سے محسوس نہیں ہوتا (تو اُسکا وجود ہی

کب ہوسکتا ہے؟ آپ (ابوالحسن علیہ السلام) نے فرمایا۔ افسوس جب تمہارے حواسے اُس کے
ادراک سے عاجز ہوئے تو تم اُسکی خدائی ہی کا انکار کرنے لگے۔ اور ہمارے حواسے جو اُسکے ادراک
سے عاجز ہوئے تو ہمیں اور یقین اسکا ہوا کہ وہی ہمارا رب ہے اور وہی ایک ایسی چیز ہے جو
تمام چیزوں کے برخلاف ہے۔
اُس شخص نے کہا۔ اچھا تو مجھے بتائیے کہ کب تھا۔ (یعنی کب سے موجود ہے) آپ نے فرمایا تم
مجھے پہلے یہ بتاؤ کہ کب تھا تو میں تمہیں بتا دوں کہ وہ کب سے ہے۔
اُس شخص نے کہا.... تو اسپر دلیل کیا ہے (کہ وہ ہمیشہ سے ہے)
آپ نے فرمایا جب میں نے اپنے جسم کو دیکھا تو ایسا پایا کہ مجھکو اسمیں کچھ کمی زیادتی
کرنی طول میں یا عرض میں یا عمق میں ممکن نہیں ہے۔ اور نہ اسمیں سے نکال لینا کیا دور
کرسکتا ہوں اور نہ (بطور خود) کوئی فائدہ مند چیز اُس تک لاسکتا ہوں۔ اس سے میں نے
جانا کہ اس عمارت (جسم) کا کوئی معمار بھی ہے۔ تو اُسکا اقرار کرلیا (اور اُسے مان لیا)
علاوہ اس کے جو اسی کی قدرت سے گردش فلکی۔ اور پیدائش ابر ہواؤں کا چلنا۔
آفتاب ماہتاب اور ستاروں کی حرکت وغیرہ وغیرہ آیات عجیبہ متقنہ دیکھتا ہوں تو ان سے
مجھے یقین ہوتا ہے کہ ان سب کا کوئی نہ کوئی مقدر اور پیدا کرنیوالا ہے۔
اُس شخص نے کہا.... تو پھر چھپا ہوا کیوں بیٹھا ہے۔ (آنکھوں سے دکھائی کیوں نہیں دیتا)
آپ نے فرمایا.... مخلوقات پر جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ انکے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے
(یعنی آدمی جو اُسکو نہیں دیکھ سکتے تو صرف اس وجہ سے کہ انکی دل کی آنکھیں گناہوں کی
وجہ سے اندھی ہوگئی ہیں ورنہ جو لوگ صاحبانِ ایمان وتقدے ہیں اُنکی دل کی آنکھیں جلوہ
نورِ الہی کو ہر وقت مشاہدہ کرتی رہتی ہیں) ورنہ خود تو اُسپر کوئی چیز بھی رات اور دن کی
گھڑیوں میں پوشیدہ نہیں۔
اُس نے کہا.... تو اُسکو آنکھیں کیوں نہیں دیکھ سکتیں۔
آپ نے فرمایا.... وہ اس سے بالاتر بھی ہے کہ اُسکو کوئی آنکھ دیکھ سکے یا کوئی
خیال اُسکو محیط ہوسکے یا کوئی عقل اُسکو سمجھ سکے۔

اُس نے کہا..... اچھا تو آپ اُسکی تعریف (اُسکے اجزائے اصلیہ) مجھ سے بیان کیجئے۔
آپ نے فرمایا..... اُسکی کوئی حد نہیں (حد سے مراد یہاں حد منطقی ہے جسکو اہل منطق جنس و فصل سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز کے لئے ایک جنس قریب ہوتی ہے اور ایک فصل قریب اور وہی اُسکے اجزائے اصلیہ ہوتے ہیں انہیں سے مرکب شدہ چیز کا نام حد ہے اور جسکی یہ حد ہے اوسکو محدود اور نوع حقیقی کہتے ہیں)
اُسنے کہا..... یہ کیوں۔
آپ نے فرمایا..... اس لئے کہ ہر محدود کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ اور جب وہ محل تحدید ہوا تو اُسمیں احتمال زیادتی ہوگا اور جب احتمال زیادتی ہوا تو احتمال کمی بھی ہوگا۔ (حالانکہ اُسکی ذات میں کمی اور زیادتی کا احتمال ناممکن و غلط ہے) لہذا نہ وہ محدود ہے نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے نہ اُسکے اجزا علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں (یعنی نہ اُسمیں اجزا ہیں جنکو الگ الگ کرکے سمجھا جاوے) اور نہ وہ وہم و خیال میں آتا ہے۔
اُسنے کہا..... تو آپ لوگ جو اُسکو لطیف و سمیع و بصیر و علیم و حکیم کہتے ہیں اسکے کیا معنی ہیں۔ کیا بغیر کان کے بھی کوئی سمیع (سننے والا) ہو سکتا ہے۔ بے آنکھ کے بھی کوئی بصیر (دیکھنے والا) ہو سکتا ہے۔ بغیر ہاتھوں سے کام لئے بھی کوئی لطیف ہو سکتا ہے۔ بغیر صناعی کے بھی کوئی حکیم ہو سکتا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ ہم انسانوں میں جسکو لطیف کہا جاتا ہے وہ کاریگری کے مطابق ہوتا ہے کیا تمنے دیکھا نہیں کہ جو کوئی لطیف چیز بناتا ہے۔ اُسکو کہتے ہیں۔ ما الطف فلاناً۔ فلاں شخص نے کیا اچھی کاریگری کی" پھر (جب آدمیوں کو انکی صناعی کی وجہ سے لطیف کہتے ہیں تو) خالق جلیل کو کیوں نہ لطیف کہیں۔ اسلئے کہ اُس نے تو نہایت ہی جلیل و لطیف خلقت پیدا کی ہے۔ حیوانات کے اندر انکی روحوں کو ترکیب دی۔ اور ہر قسم کے جاندار الگ الگ باہم صورتوں میں فرق رکھنے والے پیدا کئے۔ کہ ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہوتا تو ہر ایک ہی کی ترکیب صورت میں خالق لطیف و خبیر نے باریکی صرف کی ہے (اس وجہ سے اُسکو لطیف کہتے ہیں گو اُسنے ہاتھوں سے نہیں بنایا ہے بلکہ محض اپنے حکم سے پیدا کیا ہے)

پھر ہمنے درختوں اور اُسکے پاکیزہ خوردنی اور ناخوردنی پھلوں کو دیکھا تو اُسوقت ہمنے کہا کہ ہمارا خالق لطیف ہے مگر نہ اُس معنی سے لطیف جو مخلوقات کو اُنکی صنعت میں باریکی کرنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور ہم نے کہا کہ وہ سمیع ہے کیونکہ اُسپر کوئی سی آواز اپنی مخلوقات کی عرش سے لیکر تحت سریٰ تک کی پوشیدہ نہیں ہے خواہ چیونٹی ہو یا اُس سے کوئی چیز بڑی ہو خشکی میں ہو یا دریا میں۔ اور نہ اُسپر زبانیں (اور لغات) مشتبہ ہوتے ہیں۔ اُسوقت ہمنے کہا کہ سمیع (سننے والا) ہے مگر کان کے ذریعہ سے نہیں۔ اور نیز ہمنے کہا کہ وہ بصیر ہے مگر آنکھ سے نہیں دیکھتا۔ (کیونکہ اُسکے آنکھ نہیں ہے) پر اس وجہ سے بصیر ہے کہ سیاہ چیونٹی کے نشان کو بھی اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر دیکھ لیتا ہے۔ اور تاریک شب میں چیونٹی کی چال کو معلوم کر لیتا ہے۔ وہ اُسکے منافع اور مضار کو بھی جانتا ہے۔ اُسکے اثر جفتی۔ اور اُسکے بچے اور نسل کو بھی جانتا ہے۔ اُسوقت ہمنے اُسکو کہا کہ وہ بصیر ہے۔ مگر نہ اُس طرح جیسے اُسکی مخلوقات کسی چیز کو دیکھتی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص (زندیق) وہاں سے جدا نہوا یہانتک کہ مسلمان ہو گیا"

جناب امام حسن عسکری بن علی بن محمد علیہم السلام سے مروی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں آپ نے فرمایا۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ یَتَاَلَّہُ اِلَیْہِ عِنْدَ الْحَوَائِجِ وَالشَّدَائِدِ۔ اللہ وہ ہے جسکی طرف شدتوں اور حاجتوں کے وقت ہر مخلوق احتیاج لیجاتی ہے۔ جبکہ سب کی طرف سے سوائے اُسکے قطع امید ہو جاتی ہے۔ اور اُسکے علاوہ سب سے اسباب قطع ہو جاتے ہیں۔ تم جو بسم اللہ کہتے ہو تو اُسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ میں مدد مانگتا ہوں اپنے تمام کاموں میں اُس معبود "اللہ" سے جسکے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ وہی فریادیوں کا فریادرس ہے اور وہی جواب دینے والا ہے۔ جب اُسے پکارا جائے۔

یہی وہ مطلب ہے جسے جناب صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا تھا جبکہ اُس نے عرض کی تھی یا ابن رسول اللہ مجھے خدا کو بتائیے کہ وہ کیا ہے۔ کیونکہ مجھ سے اکثر لوگ بحث کرتے ہیں اور مجھے حیران کر رکھا ہے۔ آپنے فرمایا اے بندہ خدا کبھی تم کشتی میں بھی سوار ہوئے ہو۔ اُس نے عرض کی ہاں سوار ہوا ہوں۔ آپنے فرمایا تو کسی ایسی جگہ پر وہ کشتی

ٹوٹی بھی ہے جہاں نہ کوئی کشتی تھی جو تمہیں بچا سکتی۔ اور نہ پیراک تھے جو تمہاری فریاد رسی کرتے" اس نے کہا..... ہاں ایسا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسوقت تمہارا دل کسی طرف لگا تھا کیا تمہارے دل میں آیا تھا کہ کوئی ایسا بھی ہے جو اس ورطہ ہلاکت سے تمہیں بچا سکے۔ اس نے عرض کی ہاں۔

آپ نے فرمایا تو وہی اللہ ہے جو بچانے پر قادر ہے جبکہ کوئی بچانیوالا نہو۔ اور فریاد رسی پر قدرت رکھتا ہے جبکہ کوئی فریاد رس نہو

یدا۔ لی۔ مقدام بن شریح بن ہانی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ بروز جنگ جمل ایک اعرابی جناب امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے آیا اور عرض کی یا امیر المومنینؑ کیا آپ فرماتے ہیں کہ اللہ واحد ہے؟ راوی کہتا ہو کہ یہ دیکھکر لوگوں نے اسپر حملہ کیا اور کہا اے اعرابی کیا تو دیکھتا نہیں کہ امیر المومنینؑ اسوقت کس پریشانی و تردد میں ہیں۔ اسوقت آپ نے خود ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ اعرابی جو کچھ ہم سے چاہتا ہے (یعنی توحید کا دریافت کرنا) وہی تو ہم اس قوم (مخالف) سے چاہتے ہیں (یعنی اسی توحید ہی کے قایم کرنے کو تو ہم ان سے چاہتے ہیں)

پھر آپ نے فرمایا اے اعرابی! اللہ کو جو واحد کہتے ہیں اسکے چار معنی ہو سکتے ہیں دو انمیں سے تو خدا تعالےٰ کی جناب میں صحیح نہیں ہیں اور دو وجہیں اسکے لئے ثابت ہیں وہ دو وجہیں جو جایز نہیں ہیں۔ تو کسی کا یہ کہنا کہ اللہ واحد ہے اور اس سے وہ واحد عددی مراد لے (یعنی دس بیس یا دو چار خداؤں میں کا ایک خدا) پس اس معنی سے اسکو واحد کہنا جایز نہیں ہے کیونکہ جسکا ثانی (دوسرا) ہی نہو وہ باب اعداد میں کیونکر آسکتا ہے۔ دیکھو کہ جن لوگوں نے خدا کو تین میں کا تیسرا کہا (عیسائیوں نے) وہ کافر ہوگئے دوسرے کسی کا یہ کہنا کہ وہ آدمیوں میں کا ایک ہی۔ جس سے وہ کسی جنس کی نوع مراد لے (یعنی یہ سمجھے کہ خدا بھی کوئی نوع ہے جیسے انسان نوع ہے کہ اسکے تحت میں ہزاروں افراد انسانی داخل ہیں اسی طرح خدا۔ یا اللہ بھی کوئی نوع ہے اور اسکے تحت میں کئی خدا ہیں جنمیں کا ایک یہ خدا بھی ہے) پس یہ بھی جایز نہیں۔ کیونکہ اس میں

تشبیہ پائی جاتی ہے اور پروردگار عالم تشبیہ و مشابہت سے بالاتر ہے۔
لیکن وہ دو باتیں جو خدا میں ثابت ہیں۔ پس ۱؎ کسی کا یہ کہنا کہ وہ واحد ہے یعنی اُسکا کوئی شبیہ و نظیر نہیں ہے، بیشک ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے) یعنی اس معنی سے واحد ہے کہ اُس جیسا دوسرا نہیں) ۲؎ کسی کا یہ کہنا کہ وہ خدائے عزوجل احدیّ المعنی ہے جس سے اُسکی یہ مراد ہو کہ اُسکی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ نہ ظاہر وجود میں۔ نہ عقل میں۔ نہ وہم میں۔ ہمارا پروردگار ایسا ہی ہے (یعنی اس معنی سے ضرور واحد ہے کہ اُسمیں اجزا نہیں پائے جاتے جنہیں عقل یا وہم یا آلات خارجیہ الگ الگ کرکے سمجھ سکیں۔ جیسے اور مرکبات کی حالت ہے۔ پس ان دو معنوں سے خدا تعالےٰ کو واحد کہنا صحیح ہے)

موحدوں کو کیا ثواب ملے گا

(۱۸۰) ۱؎۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا قسم اُسکی جس نے مجھکو سچا بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔ کہ وہ کسی موحد کو دوزخ میں نہ جلائیگا۔ بیشک اہل توحید شفاعت کریں گے اور انکی شفاعت قبول کیجائیگی۔
پھر آپ نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا۔ اور پروردگار عالم کچھ لوگوں کو جن کے اعمال دنیا میں بُرے تھے جہنم میں لیجانے کا حکم دیگا تو وہ عرض کرینگے۔ اے ہمارے پروردگار! تو کس طرح ہمیں دوزخ میں بھیجتا ہے حالانکہ ہم دار دنیا میں تیری توحید کے قایل تھے اور کس طرح آگ میں ہماری زبانوں کو جلاتا ہے حالانکہ ان زبانوں نے تیری توحید بیان کی تھی! او کسطرح تو ہمارے دلوں کو جلاتا ہے۔ حالانکہ اُنکو اس بات کا یقین تھا کہ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اور کیونکر تو ہمارے چہروں کو جلاتا ہے حالانکہ یہی چہرے تیرے سامنے خاک پر گرے تھے اور خاک آلودہ ہوئے تھے (یعنی سجدے کئے تھے) کس طرح تو ہمارے ہاتھوں کو جلاتا ہے۔ حالانکہ ہمنے انہیں دعاؤں میں تیرے سامنے اُٹھایا تھا۔ اُسوقت اللہ جل جلالہٗ فرمائیگا۔ میرے بندو! دُنیا میں تمہارے اعمال بُرے تھے۔ لہذا تمہیں اُسکے بدلے میں جہنم میں بھیجا جاتا ہے۔ وہ عرض کریں گے۔ خدایا! تیری معافی اور بخشش بڑی ہے یا ہمارے گناہ؟۔ فرمائیگا بلکہ میری رحمت بڑی ہے۔ تو وہ عرض کرینگے (خدایا) ہمارا اقرار کرنا تیری

وحدانیت کا بڑا ہے یا ہمارے گناہ۔ تو فرمائیگا۔ بلکہ تمہارا اقرار کرنا میری وحدانیت کا تب وہ عرض کرینگے۔ اے ہمارے پالنے والے۔ تو اب چاہئے کہ تو ہمیں معاف کر اور ہم پر رحم کر کیونکہ تیری رحمت ہر شئے کو محیط ہے۔ اسوقت پروردگار عالم فرمائیگا۔ اے میرے فرشتو! قسم اپنی عزت و جلال کی۔ میری مخلوقات میں جو سب سے زیادہ میرے محبوب ہیں وہی لوگ ہیں جو میری توحید کا اقرار کرتے تھے۔ اور میرے سوا کسی کو سچا معبود نہیں جانتے تھے۔ مجھپر لازم ہے کہ اہل توحید کو دوزخ میں نہ جلاؤں (اب) تم لوگ میرے (ان موحد) بندوں کو جنت میں داخل کرو"

یلا۔ لی۔ موسیٰ بن اسماعیل بن موسیٰ بن جعفر نے اپنے پدر بزرگوار سے اُنہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار جعفر بن محمد (جناب صادق علیہ السلام) سے انہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے اُنہوں نے علی علیہ السلام سے آیہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا پروردگار عالم فرماتا ہے کہ توحید کے عوض میں جو نعمت میں نے قرار دی ہے وہ جنت ہی ہے (یعنی جو لوگ اقرار توحید کرتے ہیں وہ جنتی ہیں)۔

ثو۔ یلا۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ما من شئ اعظم ثوابا من شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ۔ لا الہ الا اللہ کی گواہی سے بڑھکر کسی چیز کا ثواب نہیں ہے لان اللّٰہ عزوجل لا یعدلہ شئ ولا یشرکہ فی الامور احد کیونکہ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی اُسکے کام میں اُسکا شریک ہے (بس وہی ایک ہے جو خالق تمام جہان کا ہے اُسکا کوئی مددگار نہیں ہے۔ لہٰذا جو لوگ اُسکی توحید کی گواہی دینگے اور اُسے یکتا سمجھیں گے اُنکے ثواب کے برابر بھی کسی کو ثواب نہ ملیگا۔ کیونکہ جب وہ بےمثل ہے تو اُسکی توحید کا ثواب بھی بےمثل ہی ہونا چاہئے)۔ *

* ان حدیثوں کا دراصل مطلب یہ ہے کہ جو خدا تعالیٰ کو واحد و یکتا جانیگا تو ضرور ہے کہ اُسکی عبادت بھی کریگا اُسکے احکام کو تسلیم کریگا۔ جن لوگوں نے اُس تک خدا کے احکام پہنچائے ہیں مثلاً رسول یا ائمہ علیہم السلام انکو بھی مانیگا انکی تعظیم کریگا لہٰذا ضرور ہے کہ جنت میں جائے گا۔ کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ کے احکام کو نہیں مانتا اُسپر عمل نہیں کرتا ان احکام کے پہنچانیوالے رسول و امام کی وقعت نہیں کرتا وہ دراصل موحد نہیں اُسکے دل میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی کچھ عزت نہیں اگر عزت ہوتی تو ضرور ان تمام باتوں کو بھی تسلیم کرتا۔ دیکھو یہ مطلب آئندہ

بیـ۱۔ جناب صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک خدا تعالیٰ نے مومن کے لئے ایک بڑی ضمانت کی ہے (مفضل راوی کہتے ہیں) میں نے عرض کی وہ ضمانت کیا ہے؟ فرمایا وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالےٰ کی ربوبیت (پروردگار ہونا) اور محمدؐ کی نبوت اور علیؑ کی امامت کا اقرار کرے۔ اور جو کچھ خدا تعالےٰ نے اُسپر فرض کیا ہے (عبادت و اخلاق وغیرہ) اُسے ادا کرے تو خدا نے ایسے شخص کے لئے ضمانت کی ہے کہ اُسے اپنے جوار (جنت) میں ساکن کریگا راوی کہتا ہے میں نے عرض کی یہ تو خدا کی قسم بڑی کرامت ہے جسکے مانند آدمیوں کی کرامت کبھی ہو نہیں سکتی۔ آپ نے فرمایا "اعملوا قلیلاً تنعموا کثیراً۔ (ہاں یہی تو ہے کہ) کام کرو تھوڑا اور نعمت پاؤ بہت سی (یہ سوائے خدا تعالےٰ کے اور کون کرسکتا ہے کہ ایک فراتماز روزے اور اقرار توحید پر اتنا بڑا باغ جنت اور ابدی نعمت دیدی)۔

بیـ۲۔ ابن متوکل نے اسدی سے اُس نے محمد بن حسین صوفی سے اُس نے یوسف بن عقیل سے اُسنے اسحاق بن راہویہ سے روایت کی ہے کہ جب امام رضا علیہ السلام نیشاپور میں پہنچے (جو ملک ایران کا ایک مشہور شہر ہے) اور چاہتے تھے کہ اسی راہ سے مامون عباسی کے پاس تشریف لیجائیں۔ تو اصحاب حدیث حضرت کے قریب آکر جمع ہوگئے۔ اور عرض کی یا ابن رسول اللہ آپ چلے جاتے ہیں۔ اور ہمسے کوئی ایسی حدیث نہیں بیان فرماتے کہ آپ سے ہم لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ اُسوقت آپ عماری ہی میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں کا یہ کلام سنکر آپ نے عماری سے سر نکالا۔ اور فرمایا میں نے سُنا ہے اپنے پدر بزرگوار موسیٰؑ بن جعفرؑ سے فرماتے تھے کہ میں نے سُنا اپنے پدر بزرگوار جعفرؑ بن محمدؑ سے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں سُنا اپنے پدر بزرگوار محمدؑ بن علیؑ سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے سُنا اپنے پدر بزرگوار علیؑ بن الحسینؑ سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے سُنا اپنے پدر بزرگوار حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالب سے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سُنا اپنے پدر بزرگوار امیر المومنین علی بن ابیطالب سے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے سُنا جبرئیل سے وہ فرماتے تھے کہ میں نے سُنا اللہ جل جلالہ سے کہ فرماتا تھا۔ لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن دخل حصنی امن من عذابی۔ لا الہ الا اللہ (یعنی اقرار وحدانیت خدا) میرا قلعہ ہے۔ پس جو کوئی میرے قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب

سے محفوظ رہا"

راوی کہتا ہے کہ جب سواری آپ کی وہاں سے روانہ ہوئی تو آپ نے پکار کر فرمایا۔ بشروطہا وانا من شروطہا (یعنی اقرار وحدانیت خدا کا قلعہ خدا تو ضرور ہے جو عذاب سے بچانیوالا ہے مگر اسکی کچھ شرطیں بھی ہیں۔ اور میں اُسکی شرطوں میں سے ہوں"

مطلب حضرت کا یہ ہے کہ جب تک امام زمانہ کی امامت کا بھی اقرار نہ کیا جائے تب تک ایمان کامل نہیں ہوتا بلکہ جس نے معرفت امام نہ حاصل کی وہ گویا کافر ہے۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات کی حدیث متفق علیہ فریقین سے ثابت ہے کہ "من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ"

ب۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السلام بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر علیہم السلام نے اپنے پدر بزرگوار جناب امام علی نقی علیہ السلام سے اُنہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے انہوں نے جناب امیر المومنین صلوات اللہ علیہ سے اُنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ سے اُنہوں نے جبرئیل سید ملائکہ سے روایت کی ہے کہ اللہ سید السادات جل وعز نے فرمایا انی انا اللہ لا الہ الا انا بیشک میں ہی۔ وہ معبود برحق ہوں کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ من اقرلی بالتوحید دخل حصنی ومن دخل حصنی امن عذابی۔ جو میری توحید کا اقرار کریگا گویا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوگیا اور جو میرے قلعہ (یعنی حمایت خدائی) میں آگیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔

خدا تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنی کیوں واجب ہے

ن۔ ۶۔ کتاب علل الشرائع میں امام رضا علیہ السلام سے اُن علل میں جو آپ نے فضل سے بیان کئے ہیں مروی ہے۔ "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنی مخلوقات کو یہ حکم کیوں دیا ہے کہ اُسکے وجود کا اقرار کرے۔ اُسکے رسولوں اُسکے قایم کردہ اماموں کو کیوں مانے۔ جو احکام خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے ہیں اُنکو کیوں تسلیم کرے۔ تو اُسکے جواب میں کہا جائیگا کہ اُسکے بہت سے اسباب ہیں منجملہ اُن کے (ایک فلسفیانہ اور حکیمانہ) یہ سبب ہے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کے وجود کو نہیں مانتا (جیسے دہریہ سائنٹفک نیچری وغیرہ) وہ معصیتوں

سے اور بڑے بڑے گناہ کرنے سے ہرگز اجتناب کریگا۔ اور نہ اپنی خواہشوں اور لذتوں کے حاصل
کرنے میں کسی شخص کی پروا کریگا۔ خواہ فساد ہو یا ظلم ہو (کیونکہ جیسے خدا تعالیٰ کے وجود کا یقین
ہی نہیں ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ بُرے کاموں کی وجہ سے کوئی شخص مجھے سزا دینے والا
بھی ہے۔ تو اُسے کیا پروا ہوگی کہ کسی کا مال لوٹ کھائے کسی کو خواہ مخواہ قتل کردے۔ دوسرول
کی جوروؤں سے زنا کرے۔ جھوٹ بولے۔ جہان میں فساد پھیلاے ہرگز اُسکو اُن کاموں کے
کرنے میں مضایقہ نہوگا اسلئے کہ اُسکو آخرت کے عذاب کا کچھ خوف ہی نہیں ہے) اور جب لوگ
یہ باتیں کرنے لگیں گے۔ ہر ایک شخص اپنی خواہش نفس کو بلا لحاظ کسی کے پورا کرنے لگیگا
تو اِس سے تمام جہان میں فساد پھیل جائیگا اور نظام عالم ابتر ہو جائیگا۔ ہر ایک شخص دوسرے
پر ظلم کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیگا۔ تو لوگ ایک دوسرے کی جوروئیں۔ ایک دوسرے کا مال چھین
لیا کریں گے خونریزی جایز سمجھ لیں گے عورتوں کو (عام طور پر) حلال جاننے لگیں گے۔
ناحق بیگناہ ایک دوسرے کو مار ڈالیگا تو اس سے تمام دُنیا میں خرابی پیدا ہو جائیگی۔ تمام مخلوق
تباہ ہو جائیگی۔ زراعت و نسل برباد ہو جائیگی (اور اگر لوگوں کے دلوں میں خدا تعالےٰ کے
وجود اور اُسکی طاقتوں کا خیال ہوگا تو ضرور اُنہیں یہ ڈر لگا رہیگا کہ اگر ہم کوئی بُرا کام کرینگے
تو ہمارا معبود ہم سے ناراض ہوگا اگر ہم کسی کو ناحق مار ڈالیں گے تو وہ ہمکو سزا دیگا۔ کیونکہ
وہ توانا و قادر ہے۔ اس سبب سے خواہ مخواہ برائیوں سے بچیں گے نیکی کی طرف مایل ہونگے
جس سے نظام عالم قایم رہیگا (چنانچہ اِس زمانہ میں بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ علاوہ قانون سلطنت
کے دباؤ کے لاکھوں بلکہ کروروں اور سنکھوں آدمی وہ ہیں جو صرف اس وجہ سے ظلم فسق
فجور جھوٹ چغلی۔ زنا۔ شراب خواری۔ وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں کہ اُنہیں ہر وقت آخرت
کی باز پرس کا خوف لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں ایسا نہو ہم بے ایمانی کریں کسی کا مال چھین لیں تو
ہمارا پروردگار ہمیں سزا دے۔ یہی وجہ سے کہ اتبک نظام عالم میں عام طور پر ابتری نہیں ہے
آج اگر یہ خیال دلوں سے اُٹھ جائے تو عام طور پر لوگ بدکاریاں اور بدمعاشیاں کرنے لگیں
اور چند ہی روز میں دُنیا درہم و برہم ہو جائے۔ لہذا لازم ہوا کہ تمدن کے قایم رکھنے اور نظام
عالم کو برہم نہونے دینے کے خیال سے بھی بلحاظ فلسفہ عقل ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ وجود خدا تعالےٰ

کا اقرار کرے اور تسلیم کرے کہ وہ ہمیں سزا و جزا دینے پر اچھی طرح قادر ہے) اور منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ خدا تعالےٰ حلیم ہے اور کبھی کوئی شخص حلیم نہیں ہو سکتا جب تک فساد سے منع نہ کرے۔ اور نیک کاموں کا حکم نہ دے ظلم سے روکے نہیں۔ فواحش سے نہی نہ کرے اور ظاہر ہے) کہ فساد کا ممنوع ہونا نیک کاموں کا حکم دیا جانا۔ فواحش سے روکنا۔ اُسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالےٰ کے وجود کا اقرار نہ کیا جاوے اور اُسکی معرفت حاصل نکیجائے پس اگر تمام لوگ اسی طرح چھوڑ دئے جائیں اور اُنسے اقرار توحید نہ لیا جائے تو نہ کسی نیک کام کا حکم ہی ثابت ہو سکے گا اور نہ فساد سے نہی ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس خیال کے بموجب کوئی حکم دینے والا ہوگا اور نہ کوئی نہی کرنے والا۔ (لہذا نیک کام نیک سمجھا جائیگا نہ کوئی بدکام بد اور جب اس طرح اباحت عامہ ہو جائیگی تو وہی پہلی خرابیاں لازم آئینگی جو مذکور ہو چکیں)

اور منجملہ ان کے ایک یہ بھی سبب ہی کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں۔ کہ چھپ چھپ کر برے کام کرتے ہیں۔ پس اگر اللہ عزوجل کو نہ مانا جائے اور اس بات سے خوف نہ کیا جائے کہ وہ چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ تو عام طور پر کوئی شخص بھی اپنی خواہش نفس اور ارادے کے پورا کرنے میں کسی کی پروا نکریگا۔ نہ معصیت کو ترک کریگا اور نہ ہتک حرمت سے باز آئیگا۔ نہ گناہ کبیرہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میں تو پوشیدہ طور پر یہ کام کرتا ہوں۔ کوئی دیکھ تو رہا ہی نہیں دیکھ کسی کی جورو سے زنا کرنے سے مجھکو کیا پروا ہے) تو اس صورت میں (بھی) تمام خلق کی تباہی و بربادی ہوگی۔ لہٰذا (معلوم ہوا) کہ انتظام خلق اور اُنکی اصلاح بغیر ایک ایسے معبود برحق کے مانے ہوئے جو علم بھی رکھتا ہو۔ ہر بات سے خبردار بھی ہو۔ ہر پوشیدہ اور خفی باتوں کو جاننے والا بھی ہو۔ نیک کام کا حکم دینے والا ہو۔ فساد سے روکنے والا ہو ممکن ہی نہیں (اور جبکہ لوگ ایک ایسے معبود کو مانتے ہوں گے) تو تنہائی اور تخلیہ میں بھی قسم قسم کے فاسد امور کرنے سے باز رہیں گے (کیونکہ اس صورت میں اُنکو یقین ہوگا کہ ہمارا معبود برحق ہماری پوشیدہ باتوں سے بھی مطلع ہے اگرچہ ان باتوں کو انسانوں میں سے کوئی نہیں دیکھتا ہے لیکن وہ تو دیکھتا ہے تو لامحالہ کسی نہ کسی روز سزا ضرور دیگا۔ لہٰذا ایسے امور سے بچنا چاہئے۔ اور یہی نظام دنیا کے قائم رہنے کی بڑی حکمت ہے)۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا تعالیٰ کو ایک ماننا کیوں واجب ہے اور اس بات کی معرفت کیوں لازم ہے کہ وہ واحد و یکتا ہے۔ تو اسکے جواب میں کہا جائیگا۔ کہ اگر یہ اقرار لازم نہو تو احتمال ممکن ہوگا کہ لوگ دو مدبر عالم یا دو سے زیادہ کے مقر ہونگے۔ پھر تو اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانتے ہی نہونگے کہ کون ہے۔ کیونکہ کئی خدا کے ماننے کی صورت میں کوئی شخص بھی نہ سمجھ سکے گا کہ میں کسکی عبادت کرتا ہوں۔ اپنے خالق کی یا اسکے علاوہ دوسرے کی جو میرا خالق نہیں ہے اور آیا اسکی اطاعت کرتا ہوں جس نے مجھے حکم دیا ہے یا کسی اور کی۔ پس واقعی طور پر لوگ اپنے خالق و صانع کو پہچان نہ سکینگے۔ اور نہ انکو حکم دینے والے کا حکم اور نہ منع کرنے والے کا منع کرنا معلوم ہوگا۔ کیونکہ وہ نہ آمر کو پہچانتا ہے نہ ناہی کو۔ منجملہ اُن کے یہ بھی سبب ہے کہ اگر جائز ہو کہ دو خدا مانے جائیں۔ تو یہی نہ معلوم ہوگا کہ ان دو میں سے کون زیادہ اس قابل ہے کہ اسکی عبادت و اطاعت کیجائے۔ اور اگر یہ جائز رکھا جاوے کہ دوسرے کی عبادت کیجائے تو اسمیں صاف یہ بھی جائز ہوگا کہ (واقعی اور اصلی) خدا کی عبادت نہ کیجائے اور جبکہ اُس خدا تعالیٰ کی عبادت نہ کی گئی جو (واقعی مستحق عبادت ہے) پھر تو خدا تعالیٰ کا بھی انکار ہوگیا۔ اُسکی کتابوں کا بھی انکار ہوگیا۔ ہر امر باطل کا بھی اثبات ہو جائیگا۔ ہر امر حق بھی چھوٹ جائیگا۔ تمام امور حرام حلال ہو جائینگے ہر اطاعت سے خروج لازم آئیگا۔ اور ہر فساد کا مباح و جائز ہونا۔ اور ہر سچی باتوں کا ابطال۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی سبب ہے کہ اگر ایک سے زیادہ خدا مانے جائیں (ایک تو واقعی پروردگار عالم اور دوسرا کوئی اور) تو ابلیس کو بھی ممکن ہوگا کہ وہ اپنی خدائی کا دعویٰ کرے اور کہے کہ وہ دوسرا میں ہی ہوں۔ (جیسا کہ باوجود ایک ہی خدا مانے جانے کے بہت سے آدمیوں نے اپنے خدا ہونے کا دعوےٰ کردیا۔ اور ہزاروں آدمی بیعقلی سے انکے ہمزبان ہوگئے۔ تو جب عقلاً دو خداؤں کا ہونا ممکن سمجھا جائیگا تو اُسوقت بہت سے لوگوں کو ممکن ہوگا کہ وہ اپنی خدائی کا بھی دعوےٰ کریں پھر ممکن ہے کہ ابلیس ہی آدمی کی صورت بنکر کہنے لگے کہ وہ دوسرا خدا میں ہوں مجھے مانو۔ تو بڑی ابتری اور بیہودگی خلق میں پھیلے گی اور نظام عالم کی تباہی لازم آئیگی) یہانتک کہ وہ تمام حکموں میں خدا تعالیٰ کی مخالفت کرنے لگیگا۔ اور اپنی طرف لوگوں کو مائل کریگا۔ پھر اسمیں تو بہت ہی بڑا کفر پھیلیگا اور بہت نفاق برپا ہو جائیگا ؏

اور اگر کوئی یہ کہے کہ اچھا اس امر کا اقرار کیوں واجب ہے کہ خدا کے مثل کوئی نہیں۔
تو جواب میں کہا جائیگا کہ اسکے بھی کئی سبب ہیں۔
منجملہ اُن کے یہ ہے کہ جب لوگ پروردگار عالم کو بے مثل و نظیر سمجھیں گے تو خاصکر اُسی کی
عبادت و اطاعت کی طرف متوجہ ہوں گے۔ کسی اور کو اپنا معبود نہ سمجھیں گے۔ نیز انپر یہ بات
بھی مشتبہ نہوگی کہ اُنکا پالنے والا اور پیدا کرنے والا کون ہے۔ روزی دینے والا کون ہے اور
اگر اُسکے لیے مثل و مانند تجویز کرلیں گے تو پھر اُنہیں اس امر کی شناخت ناممکن ہوجائیگی کہ
ہمارا خدا ان دونوں میں سے کون ہے جسکی عبادت ہمیں لازم ہے۔
اور منجملہ اُنکے ایک یہ بھی سبب ہے کہ اگر لوگ اپنے پروردگار کو بے مثل و نظیر نہ سمجھیں گے تو اُنکو
شبہ ہوسکیگا کہ شاید اُنکے معبود یہ بُت اور مورتیں ہی تو نہیں ہیں جنہیں اُنکے آبا و اجداد نے
قایم کیا تھا۔ یا آفتاب یا ماہتاب یا اور آگ ہی تو کہیں اُنکے معبود و خالق نہیں ہیں۔ کیونکہ
خدا کو بے مثل نہ سمجھنے پر اشتباہ کا ہوجانا بہت سہل ہے (بخلاف اسکے کہ جب خدا تعالےٰ و
تبارک کو بے نظیر و بے مثال سمجھیں گے تو دُنیا میں جتنی چیزیں ایسی دکھائی دینگی جنکے لئے مثال و نظیر
موجود ہے اُنکو وہ اپنا معبود نہ جانیں گے) (اور اگر لوگ اُنہیں آفتاب۔ ماہتاب۔ آگ و
بُت وغیرہ کو اپنا معبود سمجھنے لگے تو) اسمیں بڑا فساد اور تمام عبادات کا ترک اور تمام معاصی
کا ارتکاب لازم آئیگا۔ جسقدر ان حادث و مصنوع معبودوں کے اوامر و نواہی لوگوں تک
پہنچائے جائیں گے۔ (جیسا کہ ہم فرقہ مجوس و ہنود میں دیکھتے ہیں کہ چونکہ ان کے گرو اور پنڈتوں
نے اُنسے یہ کہدیا ہے کہ آگ تمسے یہ چاہتی۔ اور اندر یہ چاہتا ہے۔ آفتاب کی یہ خواہش ہے
وغیرہ وغیرہ تو اُسی کے مطابق یہ لوگ اُن مخلوقات کو خالق سمجھکر اُنکی عبادت کرتے اور
واقعی خدا کو بالکل چھوڑے بیٹھے ہیں۔ نام تو جانتے ہیں۔ مگر عبادت اُسکی خاک نہیں کرتے
ہاں مورتوں کو سجدے کرتے ہیں۔ آفتاب کی چاند کی۔ اگنی کی۔ صبح کی اندر کی البتہ دُعائیں
پڑھتے ہیں جو فی الواقع ایک بے اختیار مخلوق ہیں۔ بالاختیار نہ نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ
نقصان پہنچانے پر)۔
منجملہ اُن کے ایک یہ بھی سبب ہے کہ اگر لوگوں پر خدا تعالےٰ کو بے مثل ماننا لازم و واجب نہ

تو وہ سمجھ سکیں گے کہ جو بات اور مخلوقات میں ہے مثلاً عجز۔ کاہلی۔ تغیر۔ زوال۔ فنا۔ کذب۔ جھوٹے
عذر۔ وہ اُسپر بھی جایز و ممکن ہیں۔ حالانکہ جنمیں یہ صفات پائے جاتے ہیں اُسکے فنا ہو جانیکا ہر وقت
کھٹکا رہیگا۔ نیز اُسکے عدل و انصاف پر پورا اعتماد نہو سکیگا۔ نہ اُسکا کوئی قول۔ کوئی امر و نہی
کوئی وعدہ و عید۔ کوئی ثواب و عقاب۔ قابل ثبوت ہوگا۔ (کیونکہ عاجز و کاذب خدا کی باتوں کا
اعتبار ہی کیا؟) پھر تو تمام خلق میں فساد پھیل جائیگا اور ربوبیت ایک سرے ہی سے ندارد ہو جائیگی"
ناظر منصف! اس حکیمانہ کلام کو غور سے پڑھئے اور سمجھئے کہ واقعیت کو فلسفہ تمدن سے
کیسا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ حضرت کی دلیلیں اُس بنا پر ہیں کہ اگر ایک ہوش سائنٹفک جو اپنے
فلسفہ سائنس کے رو سے ہیں خدا تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو اور وہ یہ چاہتا ہو کہ تمام عالم کے لوگ
بھی میرے ہی ہم خیال بنجائیں تو علاوہ اس بات کے کہ ایک حقیقی اور واقعی بات پر پردہ
ڈالنا چاہتا ہے۔ جو سب سے بڑا جرم ہے۔ وہ اپنی دنیاوی زندگی اور انسانی تمدن کا بھی سخت
دشمن ہے۔ بالفرض نعوذ باللہ من ذالک اگر عالم کا پیدا کرنیوالا واقع میں بھی کوئی بڑا مدبّر
حکیم۔ قادر۔ واجب الوجود۔ حی و قیوم۔ نہو تب بھی تو عقل فلسفہ تمدن اس بات پر مجبور کرتی ہے
کہ ایک ایسے خدا کا وجود مانا جائے جو اپنی ذات سے یکتا ہو۔ تمام کمالیہ صفات پر حاوی ہو بے مثل
و نظیر ہو۔ تمام اچھے اخلاق اُسمیں پائے جاتے ہوں۔ سزا و جزا پر پورا قادر ہو۔ کیونکہ اگر تمام جہان
یہی تسلیم کرلے جو اس سائنٹفک کا قول ہے تو دیکھو کہ عالم میں کیا ابتری پیدا ہوتی ہے۔ پھر کسے
اس بات کا ڈر ہوگا کہ اگر میں چوری کرونگا تو عذاب میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ کون سمجھیگا کہ غصب
ظلم بری بات ہے۔ کون کسی کی عبادت کریگا۔ کون سچائی کی طرف مایل ہوگا۔ کوئی شخص ایک
منٹ کے لئے بھی اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے کیلئے ناجایز باتوں سے پرہیز کریگا۔ اس لئے کہ
اُسکو کسی زبردست طاقت کی پروا نہیں ہے۔ پھر سوچو کہ جہان کا کیا حال ہوگا۔ پس حضرت
کا اس کلام سے یہ منشا ہے کہ خدائے واجب الوجود کا وجود علاوہ عقل فلسفۂ الہیہ کے عقل فلسفہ تمدن
و عقل فلسفہ اخلاق سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ جنکی بابت لوگ مدعی ہوتے ہیں کہ ہم فلسفہ تمدن
خوب جانتے ہیں فلسفۂ اخلاق کے بڑے ماہر ہیں۔ پھر معبود حقیقی کے وجود یا اُسکی صفات کے
منکر ہیں۔ بات کیا ہے صرف بات یہ ہے کہ انہوں نے فلسفہ کا صرف نام ہی نام سُنا ہے

انہیں ہرگز ان علوم کی حقیقت سے اطلاع نہیں۔ ورنہ کبھی انکی عقل اس بات کو تجویز کرتی کہ باوجود عالم وحکیم ہونے کے منکر پروردگار عالم کے ہوجائیں۔ برادر! سمجھو اور معصوم علیہ السلام کی ہدایت سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ ہیں واقعی وہ لوگ جو حقیقی فلسفے اور خدائی مکتب کے تعلیم یافتہ کہے جاسکتے ہیں:

مص۔ جناب صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص خدا کو پہچانتا ہے اسکا جسم ظاہری تو مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر دل اسکا خدا سے لگا ہوتا ہے۔ اگر ذرا بھی اسکا دل خداتعالےٰ سے غافل ہوجائے تو شدت شوق سے فوراً مرجائے۔ جو شخص خداتعالےٰ کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ وہ امانات خدائی کا امین ہے۔ اسکے بھیدوں کا مخزن ہے۔ اسکے نور کا معدن ہے اسکی مخلوقات پر اسکی رحمت کی دلیل ہے۔ اسکے علموں کا حامل ہے۔ اسکے فضل وعدل کی میزان ہے۔ اسے نہ خلق کی کچھ پروا ہے نہ اپنے خواہشوں کی نہ دنیا کی۔ اسکا مونس سوائے خدا کے کوئی نہیں۔ اسکا کلام۔ اسکا اشارہ۔ اسکے سانس بھی جو نکلتے ہیں تو خدا ہی کی یاد میں ہوتے ہیں اور خدا ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ اور خدا ہی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ پس وہی ایسا شخص ہے جو خداتعالےٰ کے باغ قدس میں چلنے والا ہے اور اسکے لطائف فضل سے توشہ حاصل کرنے والا ہے (دیکھو یاد رکھو کہ) معرفت (خدا) اصل اور جڑ ہے۔ اور ایمان اسکی چوٹی ہے"

ثبوت واجب الوجود

ج۔ ہشام بن حکم سے مروی ہے کہ ایک زندیق نے جناب صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ صانع عالم کے وجود کی کیا دلیل ہے۔ فرمایا آپ نے وجود افعال (کاموں اور صنعتوں کا وجود) اس بات کو بتارہا ہے کہ کوئی انکا کرنے والا ہے جس نے انہیں بنایا ہے۔ دیکھو جب تم کسی اچھے مضبوط بنے ہوئے مکان کو دیکھتے ہو تو تمکو یقین ہوجاتا ہے کہ اسکا کوئی بنانیوالا ہے خواہ تمنے اسکے بنانے والے کو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ (پھر اس عالم کے مخلوقات کو دیکھکر تمہیں کیا یقین نہیں ہوتا کہ اسکا کوئی بنانے والا ہے)

اس نے عرض کی (پھر) وہ کیا چیز ہے۔ آپنے فرمایا وہ ایک ایسی چیز ہے جو تمام چیزوں سے علیحدہ ہے میں جو کہتا ہوں کہ وہ ایک چیز ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا کہ دنیاوی چیزوں کے مثل

میں اُسے بتاتا ہوں بلکہ اس سے مراد میری ذات خدا کا ثبوت ہے۔ وہ ایک ایسی شے ہے کہ خود ہی ہے۔ مگر وہ نہ تو جسم ہے نہ صورت۔ نہ اُسکا ادراک حاسہ سے ہو سکتا ہے نہ چھو کر اور ٹٹول کر۔ پانچوں حاسے اُسکی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ وہم و خیال اُسے معلوم نہیں کر سکتے۔ زمانہ (کا گذرنا) اُسمیں نقصان اور کمی پیدا نہیں کرتا اُسمیں زمانہ کی وجہ سے تغیر نہیں ہوتا (بلکہ ہمیشہ سے ایک حال پر ہے۔ اور ہمیشہ ایک حال پر رہیگا)

سائل نے عرض کی ہمارے وہم میں جتنی چیزیں آتی ہیں وہ سب کی سب مخلوق ہیں آپ نے فرمایا اگر ایسا ہو جیسا تم کہتے ہو تو ہم لوگ توحید کے قائل ہی نہوں۔ کیونکہ ہمیں اس بات کی تکلیف نہیں دی گئی ہے کہ کسی غیر موہوم چیز کا اعتقاد رکھیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنی چیزیں حاسوں کے ذریعہ سے خیال میں آتی ہیں اور حاسے اُنکی حدود کو مشکل معلوم کر لیتے ہیں وہ ضرور مخلوق ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کو جو کہ تمام چیزوں کا خالق ہے اُسکو دونوں بڑی جہتوں سے خارج سمجھنا چاہیئے۔ ایک تو یہ کہ وہ معدوم نہیں ہے کیونکہ عدم و نفی تو محض نہونے کا نام ہے (اور خدا موجود ہے پھر عدم اُسمیں کیونکر ہوگا) دوسرے یہ کہ وہ اپنی مخلوقات سے جنمیں کھلی ہوئی ترکیب تالیف پائی جاتی ہے مشابہ نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ ایک بنانیوالا اس وجہ سے مانا جائے کہ مصنوعات پائے جاتے ہیں (ورنہ آخر یہ بغیر بنانیوالے کے کیونکر ہوتے) اور وہ اپنے مصنوع ہونیکی وجہ سے مجبور ہیں کہ اُنکا کوئی صانع تسلیم کیا جائے مگر وہ صانع ان مصنوعات کے مشابہ نہیں ہے نہ ترکیب تالیف میں۔ نہ حدوث بعد العدم میں نہ چھوٹے سے بڑے ہونے میں نہ اس بات میں کہ جیسے کوئی مصنوع چیز کبھی سفید ہوتی ہے پھر سیاہ ہو جاتی ہے۔ نہ اس بات میں کہ جیسے ایک چیز قوی تھی پھر کمزور ہو گئی۔ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جنکے بیان کرنے کی ہمکو ضرورت نہیں ہے (ان سب باتوں میں سے کسی میں بھی اللہ تعالےٰ اپنی مصنوعات کے مشابہ نہیں ہے)۔

سائل نے عرض کی تو جب آپنے اُسکا وجود ثابت کیا تو گویا اُسکی تحدید کر دی۔ آپنے فرمایا میں نے اُسکی تحدید تو نہیں کی بلکہ اُسکے وجود کو تمہارے سامنے ثابت کیا ہے کیونکہ اثبات و نفی کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے (یا کوئی شے موجود ثابت ہوگی یا معدوم

ومنفی۔ اور چونکہ خدا تعالےٰ منفی ومعدوم نہیں ہے لہٰذا موجود وثابت ہوگا)

پھر سایل نے عرض کی کہ خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے۔ الرحمان علی العرش استوی۔ (جس سے بظاہر سایل یہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے) آپ نے فرمایا۔ اس جملہ سے پروردگار نے اپنی قوت وغلبہ کا وصف بیان کیا ہے۔ اسی طرح وہ عرش پر غالب ہے اور اپنے مخلوقات سے بالکل جداگانہ ایک چیز ہے۔ عرش اُسے اُٹھائے ہوئے نہیں ہے اور نہ یہ کہ عرش اُسے محیط ہے۔ اور نہ یہ کہ عرش اُسکا محل نشست ہے۔ مگر مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ خود عرش کا بلند کرنے اور پیدا کرنے والا ہے۔ عرش کو قایم رکھنے والا ہے۔ اس بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو اُس نے خود فرمایا ہے۔ وسع کرسیہ السماوات والارض[۵۱]۔ تو پروردگار عالم نے جو عرش وکرسی کو بیان کیا ہے۔ ہم بھی اُسے مانتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ عرش یا کرسی اُسے محیط نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی جگہ یا کسی چیز کا اپنی مخلوقات میں سے محتاج ہے۔ بلکہ اُسکی مخلوقات البتہ اُسکی محتاج ہے۔

پھر سایل نے عرض کی۔ تو پھر (دُعا کیوقت) آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھانے یا زمین کیطرف جھکانے میں کیا فرق رہا (کیوں آپ لوگ دُعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہیں)

آپ نے فرمایا ہاں یہ بات تو اُسکے علم واحاطہ وقدرت میں مساوی ہے (خواہ ہم اوپر کو اُٹھاکر دُعا کریں یا نیچے جھکا کر دُعا کریں۔ بہرصورت وہ ہمارے دُعاؤں کو سُنتا اور جانتا ہے) لیکن اُسنے اپنے ولیوں اور بندوں کو بھی حکم دیا ہے کہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف عرش کی جانب بلند کرو۔ کیونکہ وہی مقام معدن رزق ہے (وہیں سے انسانوں کے لئے روزی آتی ہے اور مقرر ہوتی ہے) لہٰذا ہم نے بموجب حکم قرآن اور احادیث رسولؐ کی یہ بات مان لی۔ چنانچہ رسولخداؐ نے فرمایا تم لوگ اپنے ہاتھوں کو خدا تعالےٰ عزوجل کی طرف بلند کرو (اور یہ تو ایک ایسا مسئلہ ہے جسپر تمام عالم کے گروہوں اور امتوں کا اتفاق ہے۔ سبھی تو دعا کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہیں۔ اسمیں خاصکر ہم مسلمانوں پر کیا اعتراض ہے)

متعلق توحید خدا تعالےٰ

ج۔ ہشام بن الحکم سے مروی ہے کہ ایک زندیق نے جناب صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ

[۵۱] اسکی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو محیط ہے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے (یہ وہی فرقہ مجوس ہے جنکی رائے پہلے دیباچہ میں بیان کی گئی ہے) کہ خدا تعالےٰ کے ساتھ ساتھ ایک ایذا رسان طینۃ تھی۔ اور وہ اس سے کسی طرح جدا نہوتی تھی اور نہ خدا تعالےٰ اُسے کسی طرح چھٹکارا پا سکتا تھا۔ آخر اس سے امتزاج پیدا کیا اور خود بھی اسی موذی طینت میں داخل ہوگیا۔ یہی وہ طینۃ ہے جس سے اس نے اشیاء عالم کو پیدا کیا ہے"

آپ نے فرمایا سبحان اللہ وتعالےٰ یعنی اللہ تعالےٰ ایسی بیہودہ بات سے جیسے یہ لوگ کہتے ہیں بہت پاک اور برتر ہے۔ کیسا وہ مجبور خدا ہوگا جسکو لوگ قادر کہتے ہیں اور پھر بھی وہ اس موذی طینت سے بچ نہ سکا۔

(اب میں پوچھتا ہوں کہ) وہ طینت اگر زندہ اور ازلی الوجود ہے تو دو قدیم اللہ ہوئے (ایک وہ طینت جسکو تم قدیم کہتے ہو اور ایک خود خدا تعالےٰ) جو آپسمیں مل جل گئے اور ان سے عالم کی خلقت و تدبیر ہوئی۔ پس اگر ایسا ہی ہوا ہے تو پھر موت و فنا کہاں سے آگئی (یعنی اگر تمام عالم کی چیزیں ایک قدیم چیز سے بنی ہیں تو پھر فنا کیوں ہوتی ہیں انکو بھی قدیم ہی ہونا چاہیے) اور اگر وہ طینت مُردہ تھی تو مردہ چیز کبھی قدیم ازلی (خدا) کے ساتھ رہ نہیں سکتی (کیونکہ مردہ سے مطلب یہاں معدوم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معدوم اور موجود کا کوئی ساتھ نہیں ہے) نیز یہ کہ میت (معدوم چیز) سے کوئی زندہ چیز نہیں بن سکتی (پھر یہ کیونکر ممکن ہوا کہ طینت مردہ و معدوم سے تمام جہان کے موجودات بنگئے) یہ تو وہی دیصانیوں کا سا قول ہوا جو بڑے ہی سخت زندیق ہیں اور نہایت ہی مہمل باتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے وہ کتابیں دیکھ رکھی ہیں جو انکے متقدمین تصنیف کر گئے ہیں۔ اور انہیں مزخرفات لا اصل باتیں لکھ گئے ہیں جنپر کوئی دلیل ہے نہ حجت جس سے انکا دعوےٰ درست ہوسکے بلکہ وہ تمام باتیں خدا اور رسول اور آسمانی کتابوں کے برخلاف ہیں۔

لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بدن (موجودات) تو ظلمت ہیں اور روحیں نور ہیں نور کوئی برائی نہیں کرتا اور ظلمت کوئی بھلائی نہیں کرتی" انکو تو کسی شخص کے تئیں ملامت کرنی ہی جایز نہوگی خواہ وہ کوئی معصیت کرے یا کوئی حرام کام یا فحش باتیں۔ کیونکہ بدن تو انکے نزدیک ظلمت ہیں) اور ظلمت سے سوائے بدی کے اور کچھ ہو نہیں سکتا۔

کیونکہ وہ اُسکا ذاتی فعل ہے۔ (پھر بدکاروں کو بدکاری کرنے پر کیوں ملامت کرتے ہیں جبکہ
یہ انکا ایک بے اختیاری فعل ٹھہرا) اور نہ اُنکو یہ مناسب ہوگا کہ کسی معبود سے دُعا کریں
اُس سے تضرع وزاری کریں۔ کیونکہ نور تو خود پروردگار ہے (اور وہی انکی روح ہے)
تو پروردگار کا اپنے آپ سے تضرع وزاری کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ یا کسی غیر سے پناہ مانگنا کیا
جہل بات ہے۔ اور نہ انکو یہ کہنا درست ہوگا کہ میں نے اچھا کیا۔ یا بُرا کیا۔ کیونکہ بدی تو ظلمت
کا فعل ہے اور یہ اسکو کرنا پڑیگا۔ اور نیکی نور کا کام ہے (اور وہ بھی اُسکا لازمی فعل ہے
پھر یہ کیا معنی کہ میں نے یہ بُرا کام کیا۔ یا میں نے یہ اچھا کام کیا۔ "میں" کہاں سے آیا۔ وہ تو ایک
مجبورانہ فعل تھا جو ہوگیا۔ پھر تمنے کیا کیا؟) اور انکے علاوہ کوئی تیسرا ہی نہیں (کیونکہ بدن
میں یا تو روح ہے یا یہ گوشت و پوست سے مرکب بدن ہے۔ بدن ظلمت ہے۔ روح نور
ہے یہ تیسرا کون ہے جو کہتا ہے کہ میں نے اچھا کیا۔ میں نے بُرا کیا)۔

نیز ظلمت انکے قول کی بنا بر بہ نسبت نور کے بہت بہتر ہوئی۔ کیونکہ ہم اجسام و
ابدان کو دیکھتے ہیں تو نہایت ہی صنعت وحکمت پر پاتے ہیں۔ پھر کس نے یہ اجسام
مختلف صفتوں پر بنا دئے۔ (ظلمت تو ایک ہی چیز ہے اُس سے یہ مختلف صورتیں اور
مختلف خواص و آثار کیوں ظاہر ہوتے ہیں)۔

نیز اس بنا پر لازم آتا ہے کہ جسقدر درخت۔ پھل۔ پرندے۔ چوپائے۔ وغیرہ ہیں سب خدا
ہوجائیں (کیونکہ یہ سب جسم رکھتے ہیں اور جسم تمہارے قول کے بنا پر ظلمت ہے اور ظلمت
کو تم خدا اور خالق کہتے ہو۔ لہذا یہ سب کے سب خدا ہوں گے؟۔ آخر یہ کیسا بیہودہ قول ہے)
انتہی بقدر الحاجۃ۔

یل۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ان اللہ عزوجل تبارکت اسمائہ
وتعالیٰ فی علو کنہہ احد توحد بالتوحید فی توحدہ ثم اجراہ علی خلقہ فھو
احد صمد ملک قدوس یعبدہ کل شئی ویصمد الیہ وفوق الذی عسینا
نبلغ ربنا وسع کل شئ علما۔ بیشک اللہ عزوجل جسکے نام مبارک ہیں۔ اور اپنی بلندی
کنہ میں برتر ہے۔ یکتا ہے۔ اپنی یکتائی میں۔ اکیلا ہونے میں صرف وہی ایک ہی (باقی چیزیں جع

اُسکے سوا ہیں کوئی ایسی نہیں جسمیں دوئی کی بو نہو مگر وہ اس سے بری ہے) پھر اُس نے اِس لفظ واحد کو اپنی خلق پر بھی جاری کردیا (مثلاً کہتے ہیں۔ ایک آدمی آیا۔ فلاں شخص اپنے زمانے میں یکتا ہے۔ مگر وہ یکتائی کی صفت جو خدا تعالے میں ہے کہ اسمیں نہ اجزا ہیں نہ ترکیب ہے نہ اسکی صفات زائدہ بر ذات ہیں وہ بات کسی اور میں نہیں) بس وہی احد ہے ہمارا (بے نیاز) ہے۔ بادشاہ ہے۔ پاک ہے۔ ہر شے اُسکی عبادت کرتی ہے اور اُسکی محتاج ہے۔ اور ہماری رسائی سے بہت بالاتر ہے۔ ہمارے پروردگار کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ (کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس سے مخفی ہو۔

خدا تعالے کے کوئی بیٹا بیٹی نہیں ہے

قتی۔ ابوبصیر نے جناب ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام سے اتخذ الرحمان ولدًا کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ جب قریش نے کہا کہ خدا تعالے کے اولاد بھی ہے۔ یہ فرشتے عورتیں ہیں (اور یہی خدا کی بیٹیاں ہیں معاذاللہ) تو پروردگار عالم نے ان لوگوں کے رد میں فرمایا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا یعنی تم لوگوں نے بڑی سخت بات کہدی۔ تکاد السماوات یتفطرن منہ ان دعوا للرحمان ولدًا قریب تھا کہ آسمان اس بات سے پھٹ جائیں کہ ان قریش نے کہدیا خدا کے اولاد بھی ہے۔ وما ینبغی الرحمان ان یتخذ ولدًا۔ حالانکہ ممکن نہیں کہ پروردگار کسی کو اپنا فرزند بنالے۔ ان کل من فی السماوات والارض الا آتی الرحمان عبدًا۔ جتنے آسمان وزمین کے رہنے والے ہیں وہ سب خدا کے بندے ہیں (کوئی اُسکا بیٹا یا بیٹی نہیں ہے) تو فرمایا پروردگار نے لقد احصاھم وعدھم عدًا وکلھم آتیہ یوم القیامۃ فردًا واحدًا واحدًا۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سب کا احصا و شمار کرلیا ہے جیسا چاہیے اور سب کے سب قیامت کے دن اُسکے سامنے اکیلے یعنی ایک ایک کرکے آئیں گے"

خدا تعالیٰ جسم وجسمانیات سے منزہ ہے

لب۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ایک نصاریٰ سے مناظرہ ہو رہا تھا۔ اُس مناظرہ کے ایک حصہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "مثیت خدا تعالیٰ اس سے زیادہ اجل واعظم ہے کہ اسکے لیے

ہاتھ یا پاؤں یا حرکت یا سکون ثابت کیا جائے یا اُسکو یہ کہا جا سکے کہ وہ لمبا ہے۔ یا پست قد ہے۔ یا یہ کہ خیالات اُسکو ادراک کر سکیں یا عقلیں اُسکی حقیقی صفتوں کو معلوم کر سکیں۔ اُس سنے اپنے مواعظ اور رعد و وعید کو نازل فرمایا ہے۔ (نہ یہ کہ زبان سے بولا ہے) اُس نے بغیر زبان اور ہونٹھ کے حکم فرمایا۔ لیکن جسطرح چاہا فرما دیا ہو جا۔ پس ہو گیا اور وہی بہتر تھا جو ہوا جیسا کہ لوح محفوظ میں اُس نے ارادہ فرمایا تھا (مطلب یہ ہے کہ نہ خدا کے ہاتھ ہیں نہ پاؤں نہ زبان نہ ہونٹھ۔ بلکہ چیزوں کا موجود ہو جانا صرف اُسکی ایک مشیت ہے)

ج۔ امام موسی کاظم علیہ السلام سے یعقوب بن جعفر جعفری نے روایت کی ہے کہ آپ کے سامنے کچھ لوگوں کا ذکر آیا کہ وہ کہتے ہیں خدا تعالے آسمانِ دُنیا پر اُترتا ہے۔ آپ نے فرمایا پروردگار ہرگز نہیں اُترتا اور نہ اُسے اُترنے کی احتیاج ہے وہ تو قریب بعید ہر حال میں برابر جانتا ہے۔ کوئی قریب چیز اُس سے دُور نہیں اور نہ کوئی بعید چیز اُس کے پاس چلی جاتی ہے نہ وہ کسی شے کا محتاج ہے۔ بلکہ اور سب چیزیں اُسکی محتاج ہیں۔ وہی بخشش والا ہے اُسکے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہی عزیز حکیم ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اُترتا ہے تو یہ ایسے لوگوں کا قول ہے جو خدا تعالے کی طرف کمی و زیادتی کی نسبت دیتے ہیں۔ حالانکہ ہر حرکت کرنے والی چیز کسی محرک کی محتاج ہے۔ یا اُس آلہ کی محتاج ہے جس سے وہ حرکت کرے (اگر پروردگار آسمان اوّل پر اُترے تو چاہیے اُسکو اُن آلات کی ضرورت پڑے جس سے اُسے اُترنا ہے۔ مثلاً پاؤں۔ زینے وغیرہ) پس جو شخص خدا تعالے کی جناب میں ایسے خیالات کرتا ہے وہ تباہ ہوا۔ لہٰذا تم لوگ اس بات سے ڈرتے رہو کہ اُس کیلئے کوئی حد کمی یا زیادتی کی قایم کرو۔ اور تحریک یا تحرک یا زوال یا استنزال یا اُٹھنا بیٹھنا ثابت کرو۔ کیونکہ خدا تعالے تمام بیان کرنے والوں کے بیان اور تعریف کرنے والوں کی تعریف اور خیال کرنے والوں کے خیال سے بالاتر ہے"

بشاج۔ ایک یہودی خلیفہ ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا کیا تمہیں رسول خدا کے خلیفہ ہو"

ابوبکر۔ ہاں

یہودی۔ ہمنے توریت میں دیکھا ہے کہ انبیاء کے خلفاء انکی تمام اُمت سے زیادہ علم والے

ہوتے ہیں تو تم مجھے بتاؤ کہ خدا تعالےٰ کہاں ہے۔ آسمان میں ہے یا زمین میں؟

ابو بکر۔ آسمان میں ہے۔ عرش پر (بیٹھا ہے)۔

یہودی۔ تو میرے خیال میں زمین اُس سے خالی ہوگی؟۔ اس قول کے مطابق تو لازم آتا ہے کہ خدا تعالےٰ کسی جگہ ہو اور کسی جگہ نہ ہو۔

ابو بکر۔ یہ تو زندیقوں کا سا کلام ہے۔ دُور ہو میرے پاس سے ورنہ تجھکو قتل کردونگا

یہودی یہ سُنکر تعجب کرتا اور اسلام پر ہنستا ہوا چلا۔ راہ میں امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔

امیر المومنین علیہ السلام۔ یہودی! مجھے معلوم ہوگیا جو کچھ تم نے سوال کیا تھا اور جو جواب پایا (تمہارے سوال کے جواب میں) ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ہی نے جگہ اور مقامات پیدا کئے ہیں اُسکے لئے کوئی جگہ کوئی مقام خاص نشست کا نہیں ہے (ورنہ اُسکا محتاج الی المکان ہونا لازم آئیگا۔ حالانکہ خدا تعالےٰ کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اُسی نے زمین آسمان عرش و کرسی وغیرہ پیدا کئے ہیں۔ آخر ان کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں رہتا تھا۔ اگر اُسکو مکان اور جگہ کی ضرورت ہوتی تو چاہئے تھا کہ خدا سے پہلے جگہ اور مقام موجود ہوتا جہپر اُسکا مقام ہوتا۔ حالانکہ وہی سب سے پہلے ہے اُس سے پہلے کوئی چیز نہیں ہے) وہ خدائے عزوجل اس سے بالاتر ہے کہ کوئی جگہ اُسکو محیط ہو۔ بلکہ وہ ہر مقام پر (اپنی قدرت سے) موجود ہے (مگر) نہ کسی چیز سے ملا ہوا ہے۔ نہ کسی چیز کا ہم پہلو ہے (لیکن) جانتا ہر چیز کو ہے۔ اُسکی تدبیر سے کوئی شے خالی نہیں ہے (دیکھو) میں تمکو تمہاری ایک کتاب کے مضمون کی خبر دیتا ہوں جو میرے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ اگر تم اُسے جانتے ہو تو کیا تم اُسے مان لوگے؟

یہودی۔ ہاں۔

امیر المومنین علیہ السلام۔ کیا تمہاری کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے کہ موسیٰ بن عمران علیہ السلام ایک روز بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک فرشتہ پورب سے آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہاں سے آئے؟ کہا خدا کے پاس سے۔ پھر دوسرا فرشتہ پچھم سے آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے

پوچھا کہاں سے آئے؟ کہا خدا کے پاس سے۔ پھر ایک فرشتہ اور آیا۔ حضرت موسیٰ نے پوچھا کہاں سے آئے۔ کہا خدا تعالے کے پاس سے ساتویں آسمان سے آتا ہوں۔ پھر ایک اور فرشتہ آیا حضرت موسیٰ نے پوچھا کہاں سے آئے؟ کہا ساتویں طبقہ زمین سے خدا تعالے کے پاس سے۔ اُسوقت حضرت نے فرمایا "سبحان من لا یخلو منہ مکان ولا یکون الی مکان اقرب من مکان" پاک ہے وہ معبود برحق جس سے کوئی جگہ خالی نہیں (بلکہ ہر جگہ موجود ہے) اور نہ ایسا ہی کہ کسی جگہ سے بہ نسبت کسی اور جگہ کے زیادہ قریب ہو (بلکہ اُسکو ہر مقام ہر چیز ہر شخص سے نسبت برابر ہے)۔

یہودی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہی حق اور سچ بات ہے۔ اور (اے علیؑ) تم اپنے نبی کے قایم مقام ہونے کے زیادہ مستحق ہو بہ نسبت اُس شخص کے جسنے غلبے اس جگہ کو حاصل کر لیا ہے:

علم خدا تعالیٰ

ید۔ ن۔ حسن بن بشار نے جناب ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہتا ہے کہ میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کیا خداوند تعالےٰ اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے۔ جو اب تک نہیں ہوئی ہیں۔ کیا اُسے خبر ہے کہ اگر ہونگی تو کس طرح ہونگی؟ یا یہ کہ وہ صرف اُنہیں چیزوں کو جانتا ہے جو موجود ہیں؟ آپنے فرمایا۔ بیشک خدا تعالیٰ تمام چیزوں کو اُنکے موجود ہونے سے پہلے جانتا ہے۔ فرماتا ہے انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون اور اہل دوزخ کی بابت فرماتا ہے۔ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکاذبون (اگر وہ پھر دُنیا کی طرف لوٹا دئے جایئں تو پھر وہی کام کرنے لگیں گے جس سے انکو منع کیا گیا تھا) یہ ارشاد پروردگار کا اُس موقع پر ہے جہاں قیامت کے دن کے حالات قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے۔ کہ اُس دن کفار اور بدمعاش لوگ کہیں گے کہ خدایا ہمیں دوزخ میں نہ ڈال بلکہ ہمیں پھر دُنیا میں بھیجدے کہ ہم لوگ نیک کام کرینگے اور تیرے حکم کو مانیں گے۔ تو پروردگار اُن کے جواب میں فرماتا ہے کہ اگر وہ پھر لوٹا بھی دئے جائیں تب بھی خدا کے حکموں کو نہ مانیں گے۔ بلکہ اپنی اُسی قدیمی شرارت پر قایم رہیں گے) تو دیکھو کہ خدا تعالےٰ کو

معلوم ہے وہ بات جو ابھی نہیں ہوئی- اور اپنے فرشتوں سے فرمایا تھا جبکہ انہوں نے (حضرت آدم کے پیدا ہونیکی بابت کہا تھا) کیا تو پیدا کریگا ایسے لوگونکو جو زمین پر فساد پھیلائیں اور خونریزیاں کریں- حالانکہ ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہی ہیں- تو فرمایا پروردگار عالم نے انی اعلم مالا تعلمون میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"

(تمکو معلوم ہونا چاہئے) کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تمام چیزوں کو جانتا ہے- اگرچہ وہ ابھی پیدا نہوئی ہو) پس مبارک ہے ہمارا پروردگار- اور بلند مرتبہ ہے- پھر بہت ہی بلند مرتبہ ہے- اسی نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور انہیں (انکے پیدا کرنے سے) پہلے جانتا تھا جس طرح اسکی مشیت میں تھا- ہمارا پروردگار اس طرح کا ہے- ہمیشہ سے وہ علیم و سمیع و بصیر رہا ہے- (یعنی اسکا علم قدیم ہر شے سے خواہ معدوم ہو یا موجود ہو متعلق ہے- ایسا نہیں ہے کہ موجود چیزوں کو تو جانتا ہو اور معدوم چیزوں کو نہ جانتا ہو)-

مع- محمد بن مسلم کہتے ہیں میں نے جناب صادق علیہ السلام سے دریافت کیا خدای عزوجل کے اس کلام کی تفسیر کیا ہے- یعلم السر و اخفی- (وہ جانتا ہے سر و اخفی کو) آپ نے فرمایا السر سے مراد تو یہ ہے جو تم اپنے دل میں کوئی بات پوشیدہ رکھتے ہو (اور اسے ظاہر کرنا نہیں چاہتے اسے بھی خدا تعالے جانتا ہے) اور اخفی سے مراد یہ ہے کہ کوئی بات تمہارے دل میں آئی ہو- اور پھر تم اسے بھول گئے ہو اسے بھی پروردگار عالم جانتا ہے اگرچہ تم اسے نہ جانتے ہو اور تمہیں یاد نہو)-

میں- ابو علی جناب صادق علیہ السلام کے پاس حاضر تھے- وہ کہتے ہیں کہ میری زبان سے نکلا- الحمد للہ منتہی علمہ- یعنی میں خدا کی حمد کرتا ہوں اسقدر جو اسکے علم کی حد ہے!! حضرت نے فرمایا "لا تقل ذلک فانہ لیس لعلمہ منتہی" اے ابو علی! ایسا نہ کہو کیونکہ خدا تعالے کے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے-

قدرت اور ارادہ خدا تعالے

دیں- عبداللہ دیصانی نے ہشام ابن حکم سے ایک مرتبہ پوچھا "کیا تمہارا کوئی پروردگار نہیں" انہوں نے کہا "ہاں ہے" کہا- کیا وہ قادر بھی ہے" کہا بیشک قادر ہے غالب ہے"

کہا دو کیا تمہارے پروردگار کو یہ بھی قدرت ہے کہ تمام دُنیا کو ایک انڈے کے اندر داخل کر دے کہ نہ تو انڈا بڑھے اور نہ دُنیا چھوٹی ہو (پھر بھی دُنیا ایک انڈے میں سما جائے)۔
ہشام نے کہا۔ مجھے اس کے جواب میں مہلت دو۔ اُس نے کہا میں نے تمکو ایک سال کی مہلت دی۔
ہشام وہاں سے سوار ہو کر ابو عبداللہ الصادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اجازت مانگی حضرت نے اندر آنے کی اجازت دی۔ ہشام نے عرض کی یا ابن رسول اللہ دیصانی نے مجھ سے ایک سوال کیا جسکے جواب میں یا آپ پر بھروسا ہے یا خدا پر (تیسرا کوئی تو اُسکا جواب دے نہیں سکتا)۔
آپ نے فرمایا اُسنے کیا سوال کیا ہے۔ ہشام نے وہ سوال عرض کیا۔
آپ نے فرمایا ہشام! تمہارے کتنے حاسے ہیں۔
عرض کی۔ پانچ۔
فرمایا سب میں چھوٹا حاسہ کونسا ہے۔
عرض کی۔ آنکھ (پتلی)
آپ نے فرمایا۔ اُسکی مقدار کیا ہے۔
عرض کی۔ ایک مسور کے برابر یا اس سے بھی کم۔
آپ نے فرمایا۔ اے ہشام۔ ذرا اپنے سامنے اور اوپر کی طرف تو دیکھو کیا دکھائی دیتا ہے۔
عرض کی۔ آسمان۔ زمین۔ مکانات۔ عمارت۔ مٹی۔ پہاڑ۔ نہریں (دکھائی دیتی ہیں)۔
آپنے فرمایا (سمجھو اور غور کرو) کہ جو شخص (پروردگار عالم) اس بات پر قادر ہے کہ مسور برابر کی یا اُس سے بھی چھوٹی ایک چیز میں تمام وہ چیزیں داخل کر دے جنہیں تم دیکھتے ہو۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہو سکتا ہے۔ کہ تمام دُنیا کو ایک انڈے کے اندر داخل کر دے کہ نہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ انڈا بڑا (جیسا کہ ایک ذراسی آنکھ کے اندر اتنی بڑی بڑی چیزیں ایک دم میں آسکتی ہیں)
یہ جواب سنکر ہشام حضرت پر جھکے اور ہاتھ پیروں اور سر کا حضرت کے بوسہ لیا۔ اور عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ بس یہ جواب میرے لئے کافی ہے، یہ کہکر اپنے گھر کو واپس آگئے۔" (انتہی بقدر الضرورۃ)۔

کلام پروردگار عالم اور یہ کہ اُس نے کلام کو پیدا کیا ہے

صا۔ ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے سُنا فرماتے تھے۔ لم یزل اللہ جل اسمہ عالماً بذاتہ۔ ولا معلوم ولم یزل قادراً بذاتہ۔ ولا مقدور۔ یعنی پروردگار عالم ہمیشہ عالم بذاتہ رہا۔ جبکہ کوئی معلوم (یعنی قابل علم) نہ تھا۔ اور ہمیشہ سے قادر بذاتہ رہا۔ جبکہ کوئی مقدور (قابل قبول قدرت) نہ تھا"

تو میں نے عرض کی "میں آپ پر فدا ہوں۔ کیا وہ ہمیشہ سے متکلم بھی تھا" آپ نے فرمایا۔ کلام اُسکا پیدا کیا ہوا ہے۔ خدا تعالےٰ موجود تھا اُسوقت اُس میں کلام (جو ایک حادث چیز ہے اور حروف و آواز سے مرکب ہے) نہ تھا۔ پھر اُس نے کلام کو پیدا کر دیا (لوگوں کی زبانوں اور درخت کے اندر سے جیسا کہ حضرت موسیٰ سے درخت نے کلام کیا وغیرہ وغیرہ)۔

جج۔ ابو قرہ محدث نے جناب صادق علیہ السلام سے کلام اور گفتگوئے بار تعالےٰ کی بابت دریافت کیا کہ میں آپ پر فدا ہوں۔ بار تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کیونکر کلام کیا" آپنے فرمایا "خدا بہتر جانتا ہے کہ اُس نے کس زبان میں اُنسے کلام کیا۔ سریانی میں گفتگو کی یا عبرانی میں۔ اُسوقت ابو قرہ نے اپنی زبان پکڑ کر عرض کی "میں تو اس زبان کی بابت دریافت کرتا ہوں (کہ آیا۔ اُس نے اسی زبان سے حضرت موسیٰ سے گفتگو کی تھی؟) آپ نے فرمایا بار تعالےٰ اس سے پاک ہے۔ جو تم کہتے ہو (اُسکے مُنہ اور زبان نہیں ہے) پناہ بخدا کہ وہ اپنی مخلوقات سے مشابہ ہو۔ یا اُس طرح کلام کرے جیسے لوگ گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن۔ اوس معبود تبارک تعالےٰ کے مانند کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ اور نہ اُسکا سا کوئی کہنے اور کرنیوالا ہے۔

ابو قرہ نے عرض کی یہ کیونکر؟۔

آپ نے فرمایا۔ خدا تعالےٰ جو اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو وہ ایسا نہیں ہوتا جیسے ایک آدمی دوسرے آدمی سے بات کرتا ہے اور نہ مُنہ سے لفظ نکالکر بات کرتا ہے لیکن (کلام اُسکا ایک حکم ہے) کہدیتا ہے ہوجا۔ بس ہوجاتا ہے (یعنی آپسے آپ اُسکے حکم سے ویسی ہی آواز آنے لگتی ہے) جیسا وہ چاہتا ہے۔ بار تعالےٰ نے جو خواب میں سے کلام کیا تھا۔ امر و نہی فرمایا تھا۔ وہ بغیر کسی تردد کے تھا نفس خبر میں۔ (یعنی آپسے اس کلام

ہیں کوئی زحمت نہ تھی۔ بلکہ یہ کلام اُسکا ایک حکم تھا۔ نہ یہ کہ زبان ہلانا آواز نکالنا حروف
والفاظ ادا کرنے)۔

کتاب التوحید۔ ابن عبدوس نے ابن قتیبہ سے اُس نے فضل بن شاذان سے
روایت کی ہے کہ ایک ثنویہ (جو مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے) نے جناب ابو الحسن علی بن موسی الرضا علیہ السلام
سے سوال کیا اور میں وہاں حاضر تھا۔ کہ میں تو کہتا ہوں عالم کے بنانے والے دو ہیں۔ پھر اسپر کیا دلیل
ہے کہ صانع عالم ایک ہی ہے۔ آپنے فرمایا۔ تمہارا یہی کہنا کہ وہ دو ہیں اِس بات کی دلیل ہے کہ صانع
عالم ایک ہی ہے۔ کیونکہ تم جو۔ دو خدا ہونے کا دعوی کرتے ہو۔ تو پہلے ایک کا وجود مان لیتے ہو۔ تب تو دو
کہتے ہو پس (معلوم ہوا) کہ ایک کا ہونا تو متفق علیہ ہے اور ایک سے زیادہ مختلف فیہ ہے (لہذا دو ہونے
کا بار ثبوت تمہارے ذمے رہا۔ ایک تو تمہارے ہی کلام سے ثابت ہو گیا جسکے ثابت کرنے کی ہمیں
ضرورت نہ رہی۔ رہا دوسرا خدا اُسے تم ثابت کرو!۔ سبحان اللہ کیسا الزامی جواب ہے۔ اس سے بہتر
الزامی جواب بھی ناممکن ہے)۔

ج۔ ہشام بن الحکم سے مروی ہے۔ کہ ایک زندیق نے جناب صادق علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا
کہ صانع عالم کا ایک سے زیادہ ہونا کیوں ناممکن ہے۔ آپنے فرمایا۔ تم جو دو صانع عالم کہتے ہو تو اِس
بات سے خالی نہیں کہ وہ دونوں قدیم و قوی ہونگے۔ یا دونوں ضعیف ہونگے یا ایک قوی اور
دوسرا ضعیف ہوگا۔ پس اگر دونوں قوی ہیں تو ہر ایک اُنمیں سے دوسرے کو دفع کیوں نہیں کرتا
اور تنہا رہکر تدبیر عالم میں کیوں نہیں مصروف ہوتا۔ اور اگر کہو کہ ایک قوی ہے اور دوسرا ضعیف
ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے۔ جیسا کہ تمہیں کہتے ہو کیونکہ دوسرے میں (ضعف کی وجہ
سے) عجز ظاہر ہے (موجود) ہے (اور جو ضعیف ہے وہ خدا ہو نہیں سکتا) اور اگر کہو کہ نہیں صاحب
وہ تو دو ہی ہیں (ہٹ دھرمی سے) تو اِس بات سے خالی نہیں کہ دونوں آیا متفق ہیں ہر
طرح سے یا ہر طرح سے مختلف ہیں (اگر دونوں ہر جہت سے متفق اور ایک سے ہیں۔ تو دوئی ناممکن
ہے کیونکہ دو چیزیں جبھی دو ہوتی ہیں جبکہ انمیں کسی جہت سے تشخصات وغیرہ کے ذریعہ سے اختلاف
ہو ورنہ کبھی دو چیزیں ہر طرح سے متحد الصورۃ متحد التشخص متحد الماہیتہ ہو کر دو نہیں ہو سکتیں
اور اگر دونوں میں کچھ اختلاف ہے ایک کی صورت کیسی ہے دوسرے کی کیسی ایک کا تشخص اور

علامت ونشان اور ہو دوسرے کی علامت دوسرے کا نشان اور یہ تو چاہئے کہ ہمیں دونوں کے آثار قدرت محسوس ومعلوم ہوں۔ حالانکہ ہمکو ایک کے سوا دوسرے کی قدرت یا صنعت کہیں دکھائی نہیں دیتی (پس جبکہ ہمنے خلقت کو منتظم دیکھا اور آسمان کو ایکساں چلتا ہوا پایا رات دن اور سورج۔ چاند کا آنا جانا ایکساں دیکھا تو کام کی صحت تدبیر وانتظام عالم کے تناسب نے ہمیں بتایا کہ مدبر ایک ہی ہے)

نیز - ایک روایت میں اسقدر اور زیادہ ہے کہ اگر تم دعویٰ کروگے کہ خدا دو ہیں تو تمہیں لازم ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی حد فاصل وممیز بھی ہے تاکہ دو ہوسکیں (کیونکہ بغیر کسی ممیز اور شئے فاصل کے دو دو کیونکر ہوسکتے ہیں) تو اب وہ ممیز وحد فاصل تیسرا خدا ٹھیرا اور یہ بھی ان دونوں کے ساتھ قایم ہوا۔ تو تمہیں تین خدا کا لازم ہوگا اور اگر تین خدا کے قائل ہوجاؤگے تو انہیں وہی بات لازم آئیگی جو ہمنے دو میں کہی ہے۔ (یعنی تین تین نہیں ہوسکتے جب تک انہیں ہر ایک کو تمیز دینے والا نہو) تو ان تینوں کے درمیان دو اور ہوں گے پھر تو پانچ خدا ہوجائیں گے (تین پہلے اور دو یہ قدیم ممیز) اور پھر بیشمار ہی خدا ہوتے چلے جائیں گے (کیونکہ جیسی گفتگو تین میں ہوئی ویسی ہی پانچ میں بھی ہوگی تو تین ممیز اور پیدا ہونگے لہذا آٹھ خدا ہوجائیں گے اور یونہیں بڑھتے رہیں گے یہانتک کہ لاانتہا خدا ہوجائیں نعوذ باللہ)
(یہ برہان بھی برہان لمی ہے جس سے توحید پروردگار عالم آپنے ثابت فرمائی ہے)

بُت پرستی کیونکر شروع ہوئی

ع - حریز نے جناب جعفر بن محمد علیہما السلام سے تفسیر آیۂ وقالوا لا تذرن آلھتکم ولا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا - میں نے سُنا کہ آپنے فرمایا یہ لوگ (جنکے نام اس آیت میں لئے گئے ہیں یعنی ود اور صواع - یغوث اور یعوق اور نسر) پہلے اللہ عزوجل کی عبادت کرتے تھے جب مر گئے - تو انکی قوم میں رونا پڑگیا اور اُنپر انکی جدائی بہت شاق ہوئی - تو ابلیس لعنہ اللہ اُن کے پاس آیا اور کہا کہ میں تم لوگوں کے لئے انہیں یعوق ونسر وغیرہ کی صورت کے بت بنا دیتا ہوں - انہیں دیکھ لیا کرو - اور انہیں سے انس ودلچسپی حاصل کرو اور اللہ کی عبادت کیا کرو (رونے پیٹنے سے کیا فائدہ) پھر اُس نے ان لوگوں کے

لئے اُن مردوں کی صورت کی مورتیں بنا دیں۔ وہ لوگ خدا کی عبادت کیا کرتے اور ان
مورتوں کو دیکھ لیتے تھے (جس سے انکی دلچسپی قایم رہے) جب جاڑے اور مینہ کے دن آئے
تو اُن مورتوں کو گھر میں اُٹھا کر رکھ دیا۔ اور برابر خدا تعالےٰ کی عبادت کرتے رہے۔ یہانتک
کہ جب یہ لوگ بھی مر گئے۔ اور انکی اولاد نے نشوونما پایا تو کہنے لگے کہ ہمارے آبا و اجداد تو
انہیں مورتوں کی عبادت کیا کرتے تھے لہذا خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر ان نقشوں اور بتوں
کی عبادت کرنے لگے۔ یہی مطلب خدا تعالیٰ کے اس قول کا ہے۔ لا تذرن ودا ولا
سُواعاً الخ۔ (یعنی چونکہ تمہارے باپ دادا انہیں کی عبادت کرتے رہے ہیں لہذا تم لوگ
بھی ود و سُواع و یغوث و یعوق و نسر کو نہ چھوڑنا)+

آتش پرستی کب سے شروع ہوئی

بیا۔ عبد الحمید بن ابی الدیلم نے ابوعبد اللہ (جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام) روایت
کی ہے کہ قابیل (حضرت آدمؑ کے بیٹے) نے جب دیکھا کہ آگ نے ھابیل (حضرت آدمؑ
کے دوسرے بیٹے) کی قربانی قبول کر لی۔ تو ابلیس نے اُس سے کہا کہ (دیکھو) ہابیل اس
آگ کی پرستش کرتا تھا اسوجہ سے اُس نے ہابیل کی قربانی منظور کر لی (قابیل نے کہا
میں تو اُس آگ کی پرستش نہیں کرونگا جسے ہابیل پوجتا تھا۔ لیکن دوسری آگ کی پرستش
کرونگا اور اسپر قربانی چڑھاؤنگا تو وہ میری قربانی منظور کر لیگی۔ پھر آتش خانے بنائے
اور قربانی چڑھائی۔ نہ اُسے اپنے پروردگار کا کچھ علم تھا اور نہ اُسکی اولاد کو۔ لہذا اُسکی
اولاد نے وراثت میں اُس سے آگ کی پرستش حاصل کی (جو اب مجوسیوں (پارسیوں) میں رائج ہے)

بیا۔ عطار اپنے باپ سے اور وہ سہل سے روایت کرتا ہے۔ سہل کہتے ہیں کہ میں نے
ابو محمد علیہ السلام کو ۲۵۵ھ ہجری میں لکھا کہ یا سیدی۔ ہمارے ساتھ والے توحید میں اختلاف
کرتے ہیں۔ کوئی تو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے جسم ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ صورت ہی۔ پس اگر
آپ کی رائے ہو اے میرے سردار کہ اس بارے میں مجھکو کچھ تعلیم فرماویں جسپر میں واقف ہو جاؤں

ف پہلے زمانہ میں جب قربانی چڑھائی جاتی تھی تو اسکے قبول ہونیکی شناخت یہ تھی کہ ایک آگ آسمان سے گرتی اور اُسکو
جلا دیتی تب تو قربانی خدا کے نزدیک مقبول سمجھی جاتی اور اگر ایسا نہوتا تو نامقبول سمجھی جاتی ۱۲-

اور اُس سے آگے نہ بڑھوں تو ضرور ایسا کریں۔ یہ آپ کی بندے پر ایک بخشش ہو گی۔ تو آپ نے اپنے دست اقدس سے یہ توقیع لکھی کہ تمنے توحید کی بابت مجھ سے سوال کیا ہے اور یہ بات تمسے دُور کی گئی ہے (یعنی اسمیں زیادہ غور و خوض کرنا) خدائے تبارک تعالےٰ ایک ہے یکتا ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ خود وہ کسی کو جنا اور نہ دوسرے کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اور نہ اُسکا کوئی ہمسر ہے۔ پیدا کرنیوالا ہے پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔ وہ خدائے تبارک برتر جسم وغیر جسم میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح کی چاہتا ہے صورت بناتا ہے۔ خود مصّور (تصویر بنایا ہوا) نہیں ہے۔ اُسکی تعریفین جلیل ہیں اُسکے نام مقدس ہیں۔ وہ اس سے زیادہ بالاتر ہے کہ کوئی اُسکے مشابہ ہو سکے۔ بس وہی ہے۔ اُسکے سوا کوئی نہیں۔ اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ بس وہی سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) ہے۔

معرفت پروردگار عالم

ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک اعرابی جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ مجھکو غرائب علم تعلیم فرمائے۔ آپنے فرمایا تمنے راس علم ہی کی بابت کیا کچھ کر لیا ہے جو علم کے عجائبات کو پوچھنے لگے۔ اُس نے عرض کی یا رسول اللہ راس علم (علم کی چوٹی) کیا چیز ہے۔ آپنے فرمایا معرفت خدا تعالےٰ جو حق معرفت ہے۔ اعرابی نے عرض کی خدا تعالیٰ کی معرفت٭ حق معرفت کیا ہے۔ آپنے فرمایا کہ اُسکی یوں معرفت حاصل کرے کہ وہ بے مثل ہے۔ بے شبہ ہے۔ بے مانند ہے۔ بیشک وہی ایک ہے اکیلا ہے۔ ظاہر ہے۔ باطن ہے۔ اوّل ہے۔ آخر ہے۔ نہ اُسکا کوئی ہمسر ہے۔ نہ اُسکی کوئی نظیر ہے۔ بس یہ خدا کی پوری معرفت ہے۔

ٍٍٍیلا۔ جناب ابوالحسن علیہ السلام سے مروی ہے۔ یزید جرجانی کہتا ہے میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ کم از کم آدمی کو معرفت پروردگار کتنی ہونی چاہیے۔ آپنے فرمایا۔ اس بات کا اقرار کرنا کہ اُسکے سوا کوئی معبود نہیں اُسکی کوئی شبیہ نہیں۔ اُسکی کوئی نظیر نہیں۔ بیشک وہی قدیم ہے ثابت ہے۔ موجود ہے۔ کبھی مفقود نہ ہوگا۔ اور یہ کہ اُس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

٭ یعنی اور پوری معرفت

فطرت کیا چیز ہے

علاء بن فضل نے جناب صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے قول خدا تعالے فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا۔ کی تفسیر پوچھی آپ نے فرمایا فطرۃ سے مراد توحید ہے (یعنی وہ فطرت جسپر خدا تعالے نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اُس سے مراد توحید ہے یعنی سب کو توحید پر پیدا کیا ہے)

عبداللہ رمانی نے علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے اپنی پدر بزرگوار سے اُنہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے اُنہوں نے اپنے پدر بزرگوار محمد بن علی بن الحسین صلوات اللہ علیہ و علیہم سے تفسیر کلام پروردگار عالم فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا میں فرمایا آپ نے اس سے مراد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ امیرالمومنین ہے۔ توحید یہانتک ہی (یعنی انمیں سے کسی کا منکر دراصل توحید کا منکر سمجھا جائیگا۔

ذاتِ خدا تعالیٰ قدیم ازلی ہے اُسکے لئے زوال نہیں

لی۔ بحذف اسناد۔ بزنطی نے ابوالحسن الموصلی سے اُس نے جناب ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ایک عالم علمائے یہود سے امیرالمومنین علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کی یا امیرالمومنین متی کان ربک۔ آپ کا پروردگار کب سے ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں روئے وہ کب نہ تھا۔ یہانتک کہ کہا جائے کب سے ہے۔ میرا پروردگار پہلے سے پہلے تھا جس سے کوئی چیز قبل نہیں ہے۔ اور ہر بعد کے بعد رہیگا جسکا کوئی بعد نہیں اور نہ کوئی حد ہے۔ نہ اُسکے انتہا کی کوئی غایت ہے اُس سے تمام ہی انتہائیں منقطع ہیں۔ وہی ہر انتہا کی انتہا ہے۔

مع۔۔ میمون البان نے بیان کیا ہے کہ میں نے جناب صادق علیہ السلام سے سُنا۔ اُسوقت جبکہ کسی نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے معنی پوچھے تھے۔ ھو الاول والاٰخر تو آپ نے فرمایا وہی اوّل ہے اُس سے قبل کوئی اوّل نہیں اور نہ کوئی ابتدا اُس سے سابق ہے۔ اور وہی آخر ہے اُسکی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جیسا کہ صفات مخلوقین سے سمجھا جاتا ہے کہ جسکو آخر کہتے ہیں اُسکے معنی یہ ہوئے ہیں کہ یہاں اُسکی حد ہوگئی مگر خدا تعالیٰ اس معنی سے

آخر نہیں کہ اُسکی کوئی انتہا ہے) لیکن وہ قدیم ہے اوّل ہے آخر ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا نہ اُسکی کوئی ابتدا ہے نہ انتہا۔ اُس پر حدوث واقع نہیں ہوتا اور نہ وہ ایک حال سے دوسرے حال پر بدلتا ہے۔ ہر چیز کا (وہی) خالق ہے۔

ب ۔۔۔ ابو بصیر سے روایت ہے کہ جناب صادق علیہ السلام نے (ایک تبر) ایک ٹیا نکالا جسکے اندر ایک پرچہ تھا۔ اُس میں یہ لکھا ہوا تھا "یا کہ ہو وہ معبود یکتا جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ قدیم ہے۔ پیدا کرنے والا ہے۔ اُسکی کوئی ابتدا نہیں۔ (دایم ہے جسکے واسطے فنا نہیں۔ زندہ ہے جسکے واسطے موت نہیں۔ ہر دکھی اور نہ دیکھی ہوئی چیزوں کا خالق ہے۔ بغیر تعلیم کیے ہوئے ہر شئے کا عالم ہے۔ وہی وہ معبود ہے جسکا کوئی شریک نہیں"

ب ۔۔۔ جناب صادق علیہ السلام سے محمد بن سماعہ نے روایت کی ہے اور اس نے کہا کہ ایک وقت ایک تبر یہودیوں سے کہا کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ ہے کہ علی علیہ السلام بڑا بحث کرنیوالا اور سب سے بڑھکر عالم ہے۔ ہمیں اُسکے پاس لیچلو۔ تاکہ میں اُن سے ایک سوال کروں اور انہیں کو انہیں مخاطب قرار دوں ۔۔۔ پس حضرت کے پاس آیا۔ اور کہا یا امیر المومنین میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ایک سوال کروں۔ آپنے فرمایا جوجی چاہے پوچھو۔ اُس نے کہا یا امیر المومنین ہمارا پروردگار کب سے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے یہودی! "کب سے ہے" تو اُسکو کہا جاتا ہے۔ جو کبھی نہ رہا ہو اور پھر موجود ہو گیا ہو۔ وہ تو بغیر کینونیتہ کے موجود ہے۔ اور بغیر کسی کیفیت کے موجود تھا۔ اے یہودی! اُسکے لئے قبل کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر قبل سے قبل ہے۔ نہ اُسکی کوئی حد ہے نہ کوئی انتہا ہے اور نہ کوئی منتہی ہے جس تک وہ ختم ہو۔ اُس سے تو تمام انتہائیں منقطع ہیں وہی ہر حد کی حد ہے ۔۔۔ یہ سُنکر اُس یہودی نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپکا دین سچّا ہے اور جو مذہب اس مذہب کے مخالف ہے وہ باطل ہے"

خدا تعالےٰ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے

ب ۔۔۔ یونس بن ظبیان نے روایت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں جناب صادق جعفر بن محمد علیہ السلام کے پاس گیا۔ اور عرض کی یا بن رسول اللہ میں (امام) مالک اور اُن کے اصحاب کے پاس گیا تھا۔ وہاں سُنا کہ بعض تو کہتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کے چہرہ ہے جیسے عام لوگوں

کے چہرے ہوتے ہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں اُسکے دو ہاتھ ہیں۔ اور اسپر خدا تعالیٰ کے اس کلام سے سند لاتے ہیں۔ بیدیّٰ استکبرت۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ وہ ایک تیس برس کے جوان کی صورت میں ہے ،، تو یا ابن رسول اللہ اس معاملہ میں آپ کیا کہتے ہیں۔ (راوی) کہتا ہے کہ آپ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے سیدھے ہو بیٹھے۔ اور فرمایا خدایا معاف کر نا معاف کرنا (توبہ توبہ) پھر فرمایا۔ یونس! جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے لئے بھی ویسا ہی چہرہ ہے جیسے اور لوگوں کے چہرے ہیں۔ وہ مشرک ہے۔ اور جو یہ دعوےٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ویسے ہی ہاتھ پاؤں ہیں جیسے مخلوقین کے وہ کافر ہے (خدا کا منکر ہے) اُسکی گواہی نہ قبول کرنا اور نہ اُسکا ذبح کیا ہوا جانور کھانا۔ اللہ تعالےٰ ان تمام باتوں سے بالاتر ہے جو صفت مخلوقین سے خدا کو تشبیہ دینے والے کہتے ہیں۔ وجہ اللہ سے مراد اُسکے انبیاء و اولیاء ہیں (جن کے توسط اور ذریعہ سے خدا تک رسائی ہوسکتی ہے) اور یہ جو خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے خلقت بیدی استکبرت۔ اِسمیں ید سے مراد قدرت ہے (یعنی اے ابلیس میں نے تجھکو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ پھر بھی تو متکبر بن گیا؟) جیسا کہ اُسکے کلام وایدکم بنصرہٖ میں ہے۔ (جسکے معنی یہ ہیں کہ خدا نے تمکو اپنی نصرت سے قدرت و قوت دی) پس جو شخص یہ دعوےٰ کرتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کسی چیز کے اندر ہے یا کسی چیز پر ہے (جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا آسمان پر ہے یا عرش پر ہے) یا ایک حالت سے دوسری حالت میں آجاتا ہے۔ یا اُس سے کوئی چیز خالی ہے۔ یا اُس سے کوئی چیز بھری ہوئی ہے (یعنی کسی جگہ نہیں ہے کسی جگہ موجود ہے) تو وہ خدا تعالےٰ کو مخلوقین کے صفات سے متصف کرتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔ وہ اندازہ سے قیاس نہیں کیا جاسکتا اور نہ وہ آدمیوں سے مشابہ ہے۔ نہ اُس سے کوئی جگہ خالی ہے۔ نہ اُس سے جگہ بھری ہوئی ہے۔ وہ باوجود دوری کے قریب ہے اور باوجود نزدیکی کے دُور ہے۔ یہی ہمارا پروردگار ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس جو شخص اس صفت سے خدا کو دوست رکھے اور اُسکا ارادہ کرے وہ موحد ہے اور جو کوئی اس صفت کے علاوہ کسی اور صفت سے اُسکو دوست رکھے اُس سے خدا بھی الگ ہے اور ہم بھی اُس سے الگ ہیں ،،

ابن ابی محمود سے روایت ہو وہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امام رضا علیہ السلام سے عرض کی۔ یا بن رسول اللہ آپ اُس حدیث کی بابت کیا کہتے ہیں جسے لوگ جناب رسول خدا سے روایت کرتے ہیں کہ خدائے تبارک تعالےٰ ہر شب میں نیچے والے آسمان پر اُتر آتا ہے، آپ نے فرمایا خدا لعنت کرے اُن لوگوں پر جو باتوں میں تحریف کردیتے ہیں (اور اُس کے مقام سے ہٹا دیتے ہیں) خدا کی قسم رسول اللہؐ نے ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ خدا تعالےٰ ایک فرشتہ کو نیچے والے آسمان پر نازل فرماتا ہے ہر شب کی پچھلی تہائی میں اور ہر شب جمعہ کے ابتدائی حصہ میں اور اُسکو حکم دیتا ہے کہ ندا کرے۔ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں اُسے عطا کروں۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اُسکی توبہ قبول کروں۔ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اُسے بخشوں۔ اے طالب خیر متوجہ ہو۔ اے طالب شر کمی کر،، پس برابر وہ فرشتہ یہ پکارتا رہتا ہے یہانتک کہ صبح ہوجاتی ہے۔ جب صبح ہوجاتی ہے تو ملکوت آسمان میں اپنے مقام پر واپس چلا جاتا ہے،، اسے میرے پدر بزرگوار نے اپنے جد بزرگوار سے اُنہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے اُنہوں نے رسول خدا سے روایت کیا ہے،، صلے اللہ علیہ وآلہ۔

یل۔ ابراہیم بن محمد ہمدانی کہتے ہیں کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ ہم سے پہلے کچھ لوگ آپکے موالیین میں سے توحید میں اختلاف کرتے تھے۔ بعضے کہتے تھے خدا تعالےٰ کے جسم ہے۔ بعضے کہتے تھے اُسکی کوئی صورت ہے،، تو حضرت نے اُسکے جواب میں لکھا۔ یہ غلط ہے کہ خدا تعالےٰ کے جسم ہو یا صورت ہو۔ پاک ہو وہ معبود جسکی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اور نہ اُسکا وصف بیان ہوسکتا ہے۔ اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ بس وہی سمیع وعلیم ہے یا حضرت نے بجائے علیم کے بصیر فرمایا (راوی کو اس لفظ میں اشتباہ ہے۔

ثابت بن دینار سے مروی ہے۔ کہ میں نے جناب امام زین العابدین علی بن الحسین بن علی ابن ابیطالب علیہم السلام سے دریافت کیا کہ آیا خدا تعالےٰ کو مکان کے ساتھ صفت کرسکتے ہیں (یعنی اُسکے لئے جگہ یا مکان تجویز کرسکتے ہیں کہ فلاں جگہ ہے) آپ نے فرمایا

پروردگار عالم اس سے بالاتر ہے (کہ کسی جگہ میں پایا جائے) میں نے عرض کی پھر اپنے
نبی کو آسمان پر کیوں بلایا۔ آپ نے فرمایا اس لئے کہ انکو آسمان اور جو اسمیں عجائب صنعت
وعزائب خلقت ہیں دکھلائے۔ میں نے عرض کی پھر یہ جو خدا نے فرمایا ہے دنی فتدلی
فکان قاب قوسین او ادنی۔ یعنی رسول ہمارا قریب ہوا پھر جھکا تو دو کمان کا فاصلہ
رہگیا۔ یا اس سے بھی کم۔ آپ نے فرمایا۔ یہ یوں ہے کہ رسول خدا پردہائے نور سے قریب
ہوئے اور ملکوت سموات کو ملاحظہ فرمایا۔ پھر جھکے تو اس کے ماتحت ملکوت زمین کو ملاحظہ
فرمایا یہانتک کہ خیال فرمایا کہ گویا میں زمین سے اسقدر قریب ہوں کہ صرف دو کمانوں
کا فاصلہ رہگیا ہے* یا اس سے بھی کم۔

۱۶۱۔ ن۔ تمیم قریشی نے اپنے باپ سے اس نے احمد بن علی انصاری سے اس نے
ہروی سے روایت کی ہے کہ ماموں نے ابوالحسن علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے خدا تعالے
کے اس قول کی تشریح پوچھی۔ وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ
ایام وکان عرشہ علی الماء۔ وہی وہ خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز
میں پیدا کیا اور اسکا عرش پانی پر تھا، تو آپ نے فرمایا کہ خدائے تبارک تعالی نے عرش اور
پانی اور فرشتوں کو قبل آسمان وزمین کے پیدا کرنے کے خلق فرمایا تھا۔ فرشتے اپنے تئیں
دیکھکر اور عرش اور پانی کو دیکھکر خدا تعالے کے وجود کو سمجھتے تھے۔ پھر پروردگار عالم نے
اپنے عرش کو پانی پر قایم کیا تاکہ اس سے اپنی قدرت (فرشتوں پر) ظاہر کرے۔ اور تاکہ
فرشتے یہ جان لیں کہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ پھر اپنی قدرت سے عرش کو بلند کیا اور ایک
جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل فرمایا اور اسے ساتوں آسمانوں کے اوپر قرار دیا۔ پھر چھ روز
میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ درحالیکہ وہ عرش پر غالب تھا اور اس بات پر قادر تھا
کہ ان سب آسمانوں کو چشم زدن میں پیدا کرے (معلوم ہوا کہ جو لوگ استوی علی العرش کے

*۔ نہ یہ کہ جیسا عالم لوگ اس آیت کے معنی سمجھتے ہیں کہ جناب رسالتمآب خدا تعالی سے اسقدر قریب ہوئے کہ انمیں اور خدا تعالی میں دو کمان کا فاصلہ رہگیا اگر ایسا ہو تو پروردگار عالم کا مکانی یعنی محتاج مکان ہونا لازم آئیگا حالانکہ وہ زمانی کا محتاج ہے نہ مکان کا وہ ہر جگہ موجود ہے اور پھر کہیں نہیں اسکی نشست کی کوئی خاص جگہ نہیں ہے ورنہ وہ جسم ہوگا اور جب جسم ہوگا تو ضرور حادث ہوگا اور جب حادث ہوگا تو قدیم نہ سکیگا حالانکہ وہ بذاتہ قدیم ہے۔ ۱۲ ؛؛

معنی خدا کے بیٹھنے کے لیتے ہیں وہ غلط ہے۔ بلکہ استویٰ کے معنی غلبہ و قدرت کے ہیں (لیکن اس نے
چھ روز میں اسلئے پیدا کیا کہ فرشتوں پر رفتہ رفتہ ظاہر کرے کہ وہ کیونکر کسی چیز کو خلق فرماتا ہے تاکہ
اس طرح کے حدوث سے وہ خدائے عزوجل کے وجود کو درجۃً بعد اخریٰ (آہستہ آہستہ رفتہ رفتہ) سمجھ سکیں
اس نے اسلئے تو نہیں پیدا کیا کہ اسے اس بات کی غرض تھی کیونکہ وہ عرش (تخت) سے غنی ہے
(اسکو بیٹھنے کی تو ضرورت ہی نہیں جس لئے اس نے تخت بنایا ہو) اور (نیز) تمام مخلوقات سے
مستغنی ہے۔ اسکو یہ کہنا جایز نہیں ہے کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے پروردگار
عالم اپنی مخلوقات کی صفات سے بہت بالاتر ہے"

بیلا۔ مع۔ ن۔ معاذی نے احمد ہمدانی سے اس نے علی بن فضال سے روایت کی ہے
کہ میں نے امام رضا علی بن موسیٰ علیہ السلام سے اس قول خدا کی نسبت دریافت کی۔ کلا انھم
عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ بیشک وہ لوگ (گنہگار) اپنے پروردگار کے دیکھنے سے اس
دن (قیامت میں) روکے جائیں گے (جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی مقام
پر بیٹھا ہوگا اور اسکے اور ان گناہگاروں کے درمیان پردہ حایل ہوگا جس سے یہ لوگ اسے
نہ دیکھ سکینگے) تو آپنے فرمایا خداوند تبارک و تعالیٰ کی صفت مکان سے نہیں کیجا سکتی (یعنی
اسکو یہ نہیں کہنا جایز ہے کہ وہ فلاں مقام پر ہے) کہ انہیں وہ داخل ہو اور وہاں رہکر اپنے
بندوں سے چھپے۔ لیکن اسکا یہ مطلب ہے کہ گناہگار لوگ اپنے پروردگار کے ثواب سے محجوب یعنی
محروم رہیں گے۔ راوی کہتا ہے پھر میں نے حضرت سے خدا تعالیٰ کے اس کلام کو پوچھا وجاء
ربک والملک صفا صفا۔ اور آیا تیرا پروردگار اور فرشتے صف بصف" (جس سے پروردگار
کا آنا جانا بظاہر ثابت ہوتا ہے) تو آپنے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی صفت آنا جانا نہیں ہے۔ وہ
انتقال و تبدل مکان سے بالاتر ہے۔ بلکہ اس آیت میں اسکی مراد یہ ہے کہ (قیامت کے دن)
تیرے پروردگار کا حکم آیگا اور فرشتے بھی صف بصف آئیں گے (یہاں مضاف محذوف ہے یعنی
جاء امر ربک) راوی کہتا ہے کہ میں نے پوچھا کہ خدا تعالیٰ کے اس کلام کا کیا مطلب ہے۔ ھل
ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ" (جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ پروردگار عالم اور فرشتے قیامت میں بادل کے سایہ میں ہوکر آویں گے) آپنے فرمایا دراصل آیت

یوں ہے ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ بالملائکۃ فی ظلل من الغمام یعنی یہ کہ پروردگار عالم فرشتوں کو ابر کے سایہ میں لائیگا۔ نہ یہ کہ خود اور فرشتے ساتھ ساتھ ابر کے سایہ میں آئیں گے) آیت دراصل یوں اتری تھی (محرفین نے تحریف کردی ہے) اور کہا۔ یا کہ یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملائکۃ ہے) راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت سے خدا تعالی کے اس قول کی تفسیر پوچھی۔ سخر اللہ منھم۔ اللہ یستھزء بھم۔ مکروا ومکر اللہ یخادعون اللہ وھو خادعھم۔ (اللہ نے انسے ٹھٹھا کیا۔ اللہ انسے ٹھٹھا کرتا ہے۔ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا۔ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور اللہ انکو دھوکا دیتا ہے) تو آپ نے فرمایا خدا تعالی ٹھٹھا نہیں کرتا اور نہ مسخراپن کرتا ہے۔ نہ مکر کرتا ہے نہ فریب لیکن (مطلب ان آیتوں کا یہ ہے) کہ وہ انکو بدلہ دیتا ہے انکے ٹھٹھے کا انکے مسخرپن کا انکے مکر کا انکے فریب کا (تو مطلب سخر اللہ منھم کا یہ ہوا کہ جب وہ خدا سے ٹھٹھا کرتے ہیں تو پروردگار اس ٹھٹھے کا مزہ چکھائیگا اور اسکا انکو بدلہ دیگا۔ سزا کرے گا۔ عذاب میں مبتلا کرے گا۔ نہ یہ کہ ساتھ لگا خود بھی ان سے ٹھٹھا کریگا۔ یا کرتا ہے کیونکہ خدا تعالے کی شان اس سے زیادہ ارفع ہے کہ وہ ایسا کرے۔ جب ایک معمولی شخص اسکو پسند نہیں کرتا تو خدا تعالی کیونکر پسند کریگا۔ اور علی ہذا القیاس اور آیتوں کا بھی یہی مطلب ہے مکروا ومکر اللہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا سے مکر کرتے ہیں تو پروردگار اس مکر کا انکو مزہ چکھائیگا اور عذاب میں مبتلا کرے گا۔)

خدا تعالے اس سے بہت برتر ہے جو ظالمین (اسکی شان میں) کہتے ہیں!!

کش.... عبد الملک بن ہشام خیاط۔ راوی ہے کہ میں نے ابو الحسن الرضا علیہ السلام سے عرض کی کہ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں (مجھکو خدا آپ پر قربان کرے) آپ نے فرمایا۔ اے جبلی کیا پوچھتے ہو پوچھو۔ میں نے عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں ہشام بن سالم کا خیال ہے کہ اللہ تعالے صورۃ (صورت والا) ہے اور یہ کہ آدم اپنے پروردگار کی صورت پر پیدا کیئے گئے تھے اور وہ (ہشام) یہ بھی بیان کرتا ہے اور یہ بھی۔ اور میں نے اپنے پہلو اور سر کے بالوں کی طرف اشارہ کیا (یعنی حضرت کو بتایا کہ ہشام کہتا ہے خدا کے پہلو بھی ہے سر کے بال بھی ہیں) اور یونس مولائے آل یقطین اور ہشام بن الحکم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے ایک شے مثل اور

چیزوں کے ہی اور یہ کہ یہ تمام اشیا ء اُس سے جُدا بھی ہیں۔ اور وہ اِن اشیاء سے جُدا ہے (یعنی ہے تو وہ انہیں چیزوں کے مانند مگر صورت میں فرق ہے) یہ دونوں یہ بھی کہتے ہیں کہ کوئی چیز یوں ثابت کیجا سکتی ہے کہ اُسکو جسم کہا جائے۔ لہذا پروردگار جسم ہے مگر اوجسموں کا سا نہیں ہے۔ اور ایک شے ہے۔ مگر اور اشیاء کے مانند نہیں ہے۔ موجود ہے کھویا ہوا نہیں ہے اور نہ معدوم ہے۔ دونوں حد ابطال التشبیہ سے خارج ہے (یعنی نہ معدوم محض ہے اور نہ کسی چیز سے مشابہ ہے مگر جسم ضرور ہے) تو میں ان دونوں قولوں میں کس قول کو مانوں۔
حضرت نے فرمایا کہ ابوعبداللہ (امام جعفر صادق) علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اُس نے تو خدا کے ثابت کرنے کا قصد کیا تھا۔ اور اُس نے خدا کو اُسکی مخلوقات سے مشابہ کر دیا۔
اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے۔ اُسکی کوئی شبیہ نہیں ہے۔ نہ اُسکا مثل ہے۔ نہ کوئی اُسکے برابر ہے نہ اُسکی کوئی نظیر ہے۔ نہ وہ کسی مخلوق کی صفت سے ہے (اے جبلی) تم اس بات کو نہ مانو جو ہشام بن سالم نے کہا ہے۔ بلکہ وہ مانو جو مولیٰ آل یقطین اور اسکا ساتھی کہتا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی جو کوئی مسئلہ توحید میں ہشام کا مخالف ہو اُسکو زکوٰۃ دیجائے آپ نے سر سے اشارہ کیا کہ نہیں "

خدا تعالیٰ زمانہ مکان حرکت و انتقال سے منزہ ہے

لی.... ابوبصیر نے جناب ابوعبداللہ الصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ان اللہ تبارک و تعالیٰ لا یوصف بزمان ولا مکان ولا حرکۃ ولا انتقال ولا سکون.... بیشک خدائے تبارک تعالیٰ کو زمانے۔ مکان حرکت۔ انتقال۔ اور سکون کے ساتھ صفت کرنی نہیں جایز ہے۔ (یہ کہنا جایز نہیں ہے کہ وہ کسی زمانہ میں تھا یا ہے یا ہوگا۔ یا فلاں زمانہ سے موجود ہے۔ فلاں زمانہ تک رہیگا۔ نہ یہ کہنا جایز ہے کہ خدا تعالےٰ فلاں مقام پر ہے۔ یا بہ حرکت چلتا پھرتا ہے۔ یا یہ کہ کہیں بیٹھا ہوا ہے۔ یا یہ کہ ایک حالت سے دوسری حالت یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہ کچھ جایز نہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ ان سب حالتوں سے منزہ اور پاک ہے) بلکہ اُس نے زمانہ کو پیدا کیا۔ اُس نے مکان (ہر جگہ) کو پیدا کیا۔ اُسی نے حرکت و سکون و انتقال کو پیدا کیا۔ (یہ سب اُسکی مخلوقات ہیں۔ پھر

اُسمیں خود یہ باتیں کیونکر داخل ہو سکتی ہیں) یہ ظالمین جو کہتے ہیں اُس سے خدا تعالےٰ بہت بلند و برتر ہے "

خدا تعالےٰ کو کوئی دیکھ نہیں سکتا

لی .... عبد اللہ بن سنان نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابو جعفر محمد بن علی الباقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ کے پاس ایک خارجی المذہب آدمی بھی آیا۔ اور عرض کی یا ابا جعفر تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو فرمایا اللہ کی "

اُس نے کہا ..... کیا آپ نے اُسے دیکھا ہے۔

فرمایا ..... لم تره العیون بمشاهدة العیان ورأته القلوب بحقائق الایمان آنکھوں نے تو اُسکو مشاہدہ ظاہری سے ہرگز نہیں دیکھا ہے (اور نہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز ہے) (لیکن) دلوں نے ایمان کی حقیقتوں سے (یا حقیقی ایمان کے ذریعہ سے اُسے دیکھا ہے"

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ آنکھ سے دکھائی نہیں دیسکتا۔ ہاں البتہ اُسکے وجود کا یقین کرتے ہیں اور یہی دل کا یقین کرنا گویا اُسکو دیکھنا ہے۔ کیونکہ دیکھنے کا نتیجہ بھی یقین ہی ہے اور دل سے معلوم کرنیکا نتیجہ بھی یقین ہے۔

یں۔ لی۔ اصبغ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے حضور میں ایک شخص کھڑا ہوا جسکا نام ذعلب تھا۔ اور عرض کی یا امیر المومنینؑ هل رایت ربک کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے فرمایا۔ ویلک یا ذعلب وائے ہو تجھپر اے ذعلب میں ایسا شخص نہیں ہوں جو ان دیکھے خدا کی عبادت کروں " اُس نے عرض کی تو کیونکر آپ نے اُسکو دیکھا فرمایا۔ لم تره العیون بمشاهدة الابصار ولکن رأته القلوب بحقائق الایمان آنکھوں نے اُسکو مشاہدہ بصری سے ہرگز نہیں دیکھا ہے لیکن دلوں نے ایمانی حقیقتوں سے اُسکو دیکھا ہے " ! ! افسوس اے ذعلب ! بیشک میرا پروردگار دوری۔ حرکت۔ سکون۔ قیام سجدے کھڑے ہونے۔ آنے۔ جانے۔ سے موصوف نہیں ہوتا۔ (یعنی یہ باتیں اُسمیں نہیں ہیں) لطیف ہے مگر اُسکی صفت لطف (لطافت و باریکی) نہیں ہے۔ بڑی عظمت والا ہے۔ مگر اُسکو بڑا ہونے سے موصوف نہیں کر سکتے۔ (یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بڑا سا ہے جیسے پہاڑ۔ یا

آسمان وغیرہ) بڑی بزرگی والا ہے۔ مگر اُسکی صفت کبر (بزرگی اور بڑائی) نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ایسا بڑا ہے جیسے کھجور کا درخت مثلاً) بڑی جلالت والا ہے۔ مگر اسکو صفت غلظ (موٹا ہونا) نہیں ہے (یعنی اُسکو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ موٹا تازہ ہے) بڑا مہربان ہے۔ مگر اُسکی صفت رقت نہیں ہے (یعنی جیسے انسان کو مہربانی اُسوقت عارض ہوتی ہے جب اُسکے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہو۔ خدا کے دل ہی نہیں جسمیں رقت و نرمی پیدا ہو) مومن ہے مگر عبادت کی وجہ سے مومن نہیں کہا جاتا (یعنی اُسکا نام مومن بھی ہے مگر اس لحاظ سے اُسکو مومن نہیں کہتے جس لحاظ سے کسی انسان عبادت گزار کو مومن کہتے ہیں) ہر چیز کا ادراک کرنیوالا ہے مگر چھو کر اور ٹٹول کر نہیں۔ بات کرنیوالا ہے۔ مگر زبان سے لفظ نکالکر نہیں (کیونکہ اُسکی زبان نہیں ہے جیسے انسان کی زبان ہوتی ہے) وہ ہر چیز میں موجود ہے (یعنی اُسکے آثار قدرت وصفت ہر شے سے نمایاں ہیں) مگر کسی چیز سے مخلوط و ممزوج نہیں ہے۔ ہر شے سے خارج ہے مگر اُس سے بالکل مباین اور الگ نہیں ہے (کہ اُسکی حالت کو نہ جان سکے بلکہ ہر شے سے خارج ہے اور پھر اُسکی حقیقت کو جانتا ہے) ہر شے سے اوپر ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں شے کے اوپر بیٹھا ہے (یا موجود ہے) ہر شے کے سامنے موجود ہے۔ مگر اُسکو یہ نہیں کہا جاتا کہ آگے یا سامنے ہے۔ ہر چیز کے اندر داخل ہے (ہر چیز کی اندرونی حالت کو جانتا ہے) مگر اس طرح نہیں جیسے ایک چیز دوسری چیز کے اندر ہوتی ہے (جیسے پانی برتن میں مثلاً اس طرح خدا تعالےٰ کسی چیز کے اندر نہیں ہے) ہر چیز سے خارج بھی ہے مگر نہ اسطرح جیسے ایک چیز کسی دوسری چیز سے خارج ہوتی ہے" یہ سنکر دعلب بیہوش ہو گیا۔

لی..... جناب امام رضا علیہ السلام سے ابن بزیع نے قول خدا تعالےٰ۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار۔ کی تفسیر میں سنا کہ آپ نے فرمایا (جب) دل کے خیالات ہی اُسکا ادراک نہیں کر سکتے تو آنکھوں کی بصارتیں کیونکر اُسکو دیکھ سکتی ہیں (یعنی جب پروردگار عالم کی کنہ ذات کو وہم وخیال بھی نہیں پاسکتا جو آنکھ سے زیادہ قوی ہے۔ تو بھلا آنکھ کی کیا طاقت ہے کہ اُسکو دیکھ سکے)۔

مض۔ ابن ابی عمیر نے ہشام سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جناب صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ معاویہ بن وہب اور عبدالملک بن اعین آگئے۔ معاویہ بن وہب نے حضرت

سے عرض کی یا بن رسول اللہ۔ آپ اُس حدیث کی بابت کیا فرماتے ہیں جسمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسولخدا نے اپنے پروردگار کو دیکھا، آخر کس صورت میں خدا کو حضرت نے دیکھا، اور اُس حدیث کی بابت آپ کیا کہتے ہیں جسے روایت کرتے ہیں کہ مومنین اپنے پروردگار کو جنت میں دیکھیں گے، آخر کس صورت میں خدا کو دیکھیں گے،، یہ سنکر آپ متبسم ہوئے پھر فرمایا۔ معاویہ! کیسا بُرا حال اُس شخص کا ہوگا جسکی ستر یا اسّی برس کی عمر ہو جائے اور اتنے دنوں وہ ملک خدا میں اپنی زندگی بسر کرے، اور اُسکی نعمتیں کھائے۔ پھر بھی اپنے معبود کو جیسا چاہیئے نہ پہچانتا ہو۔ پھر فرمایا اے معاویہ! بیشک ہرگز محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پروردگار تبارک و تعالےٰ کو مشاہدہ ظاہری سے نہیں دیکھا (یعنی آنکھوں سے) !۔ دیکھنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک دل کا دیکھنا (یعنی دلی یقین) دوسرے آنکھ کا دیکھنا۔ تو جو کوئی یہ مراد لیتا ہے کہ حضرت نے دل کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا وہ تو ٹھیک کہتا ہے۔ اور جو یہ مراد لیتا ہے کہ آنکھ سے حضرت نے خدا کو دیکھا وہ خدا اور آیات خدا کا منکر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا ہے جو شخص خدا کو اُسکی مخلوقات سے مشابہ کرے وہ کافر ہے۔ میرے پدر بزرگوار نے اپنے باپ سے اُنہوں نے امام حسین بن علی بن ابیطالب علیہم السلام سے روایت کی ہے۔ فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تھا کہ اے رسول اللہ کے بھائی کیا آپنے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے۔ تو فرمایا کہ میں کیونکر ایسے شخص کی عبادت کرتا ہوں جسکو دیکھا ہی نہیں۔ (مگر) آنکھوں نے مشاہدہ ظاہری سے اُسکو ہرگز نہیں دیکھا۔ لیکن دلوں نے ایمان کی حقیقتوں سے اُسے دیکھا ہے (یعنی دل سے اُسکی ذات اور اُسکے وجود کا یقین حاصل ہوا ہے)۔

اور جبکہ کوئی مومن اپنے پروردگار کو آنکھ سے دیکھ سکتا ہو تو (تم جانتے ہی ہو کہ) جس چیز کو آنکھ سے دیکھنا ممکن ہے وہ مخلوق اور پیدا کی ہوئی چیز ہے۔ اور ہر مخلوق کے لئے ایک خالق کی ضرورت ہے (جسنے اُسے پیدا کیا ہو) تو اُسوقت اُس نے خدا کو حادث بنا دیا، مخلوق بنا دیا (کیونکہ جب ہر دیکھی ہوئی چیز مخلوق و حادث ہے تو خدا بھی جب آنکھوں سے دیکھا گیا تو ضرور ہوا کہ وہ مخلوق و حادث ہو) حالانکہ جس نے خدا تعالےٰ کو اُسکی مخلوقات سے مشابہ بنایا وہ مشرک ہے۔ ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے (جو دیدار خدا کے قایل ہیں) کیا اُنہوں نے خدا

کے اس کلام کو نہیں سنا کہ فرماتا ہے۔ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو
اللطیف الخبیر۔ آنکھیں اسکو نہیں دیکھ سکتیں (لیکن) وہ خود تمام آنکھوں کو دیکھتا اور جانتا ہے
اور وہی لطیف وخبیر ہے۔ اور (کیا انہوں نے خدا تعالے کے) اس کلام کو (نہیں سنا) کہ فرماتا ہے
لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی " اے موسیٰ تم مجھکو
ہرگز آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن اس پہاڑ کی طرف نظر کرو پس اگر یہ ٹھیرا رہے اپنی جگہ
پر تو عنقریب مجھکو دیکھو گے"۔ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا (حالانکہ جب پروردگار کا جلوہ
ہوا (یعنی اسکی پیدا کی ہوئی روشنی کوہ طور پر چمکی) تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ حالانکہ اس کے
(پیدا کئے ہوئے) نور میں پہاڑ پر اتنی روشنی نکلی تھی جیسے سوئی کے سوراخ سے نکلتی ہے۔ تو زمین
بھی پھٹ گئی۔ پہاڑ بھی چیخ اٹھے۔ حضرت موسیٰ بھی چیخ کر بیہوش ہوگئے یعنی مرگئے۔ جب افاقہ
ہوا اور انکی روح انکے بدن میں واپس کی گئی۔ تو عرض کی (جناب باری میں) سبحانک تبت الیک
اے پاک پروردگار میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔ ان لوگوں کی گفتگو سے جو یہ کہتے ہیں کہ تو دکھائی
دے سکتا ہے۔ اور میں اس معرفت کی طرف رجوع کرتا ہوں جو تیری نسبت مجھکو حاصل تھی کہ
آنکھیں تجھکو نہیں دیکھ سکتیں۔ اور (اب) میں پہلا ایمان لانیوالا۔ اور پہلا اقرار کرنیوالا ہوں کہ
ضرور تو تو خود (ہر چیز کو) دیکھتا ہے اور (مگر) تو دیکھا نہیں جا سکتا۔ اور تو نظر آنے سے پرے ہے
(یعنی تجھپر نظر نہیں پڑ سکتی)۔

پھر حضرت نے فرمایا افضل فرائض و واجب ترین واجبات انسان پر خدا تعالے کی
معرفت حاصل کرنی ہے اور اسکی بندگی کا اقرار کرنا۔ اور حد معرفت یہ ہے کہ جانے سوائے اسکے
کوئی معبود نہیں ہے نہ اسکی شبیہ ہے اور نہ نظیر۔ اور اس بات کو پہچانے کہ وہ قدیم ہی (ہمیشہ
سے ہی) ثابت ہی موجود ہے۔ کبھی کھویا نہ جائیگا (یعنی معدوم نہ ہوگا) بغیر کسی شبیہ یا مبطل (نقصان
پہنچانے والی صفت) کے موصوف ہے۔ اسکے مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا
ہے۔ اور اسکے بعد رسول کی معرفت اور نبوت کی گواہی دینا۔ اور ادنے درجہ معرفت رسول کا انکی
نبوت کا اقرار کرنا ہے اور یہ کہ جو کچھ وہ لائے خواہ کتاب ہو یا امر ونہی ہو وہ خدائے عزوجل کی طرف
سے ہے۔ اور اسکے بعد امام کی معرفت ہے جسکی معرفت سے خدا کی نعمت اور صفت اور اسم

کو حال عسر و آسایش میں تم پورا کرتے ہو۔ اور ادنےٰ درجہ معرفت امام کا یہ ہے کہ وہ نبی کے برابر ہے مگر درجہ نبوت اما میں نہیں ہے اور یہ کہ امام کی اطاعت عین خدا و رسول کی اطاعت ہے اور اُسکے حکم کو ماننا ہر امر میں۔ اور اُسکی طرف رجوع کرنی اور اُسکے قول پر عمل کرنا اور اس بات کو جاننا کہ امام بعد رسولخدا صلے اللہ علیہ و آلہ کے علیؑ بن ابیطالب علیہ السلام ہیں اور بعد اُنکے (امام) حسن علیہ السلام پھر (امام) حسین علیہ السلام پھر علیؑ بن الحسین علیہ السلام پھر محمدؑ بن علیؑ (امام محمد باقر) علیہ السلام۔ پھر میں۔ پھر میرے بعد موسیٰؑ (کاظم) میرے بیٹے اور اُنکے بعد علیؑ (رضا) اُنکے بیٹے اور بعد علیؑ (بن موسیٰ رضا) کے اُنکے بیٹے محمدؑ (تقی) اور بعد محمد کے اُنکے بیٹے علیؑ (نقی) اور بعد علیؑ (نقی) کے اُنکے بیٹے (امام) حسن (عسکریؑ) اور بعد اُنکے (امام) حجت فرزند ان امام حسن عسکری علیہ السلام سے۔

پھر آپ نے فرمایا اے معاویہ! میں نے تمہارے سامنے اس معاملہ میں یک اصل بیان کر دی اسپر عمل کرو کیونکہ اگر تم اُس حالت پر مر جاتے جس حالت پر تھے۔ تو تمہارا بُرا حال ہوتا۔ تمہیں اُن لوگوں کی باتیں دھوکے میں نہ ڈالیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ دکھائی دیگا۔ آپنے فرمایا۔ اور اُن لوگوں نے تو بہت ہی تعجب خیز بات کہی ہے (یعنی حضرات اہلسنت والجماعت نے) کیا ان لوگوں نے حضرت آدمؑ کو امر بد کی نسبت نہیں دی؟۔ کیا حضرت ابراہیمؑ کی طرف جو نسبت چاہی نہیں دی؟۔ کیا حضرت داؤد علیہ السلام کو بُرے امروں کی طرف نسبت نہیں دی؟۔ (وہ پرندے والا واقعہ) کیا حضرت یوسف کی زلیخا کے معاملہ میں جو نسبت چاہی نہیں دی؟۔ کیا حضرت موسیٰ کی طرف قتل کی نسبت نہیں دی؟۔ کیا جناب رسالت مآبؐ کی طرف زید کے معاملہ کی نسبت نہیں دی؟۔ کیا علی بن ابیطالب علیہ السلام کی طرف واقعہ قطیفہ کی نسبت نہیں دی؟ (ان سب تہمتوں سے کتب سواد اعظم مملو ہیں فاعتبروا یا اولی الابصار)۔

ان لوگوں نے ایسی باتوں سے اسلام کی توہین چاہی تھی تاکہ لوگ اپنے پچھلے پاؤں (کفر کی طرف) واپس چلے جائیں۔ خدا اُنکی آنکھوں کو نابینا کرے جس نے اُن کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ خدا تعالےٰ ان سب باتوں سے بالاتر ہے"۔

خدا تعالیٰ کے صفات اُسکی حقیقت ذات کے علاوہ نہیں ہیں بلکہ اُسکی صفات اور ذات ایک ہی چیز ہے

ن۔ یٰ۔ لی۔ حسین بن خالد سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے جناب امام رضا علی بن موسیٰ علیہ السلام کو سُنا وہ فرماتے تھے۔ خداوند تبارک و تعالےٰ ہمیشہ ہی سے عالم۔ قادر۔ حی۔ قدیم۔ سمیع۔ اور بصیر ہے۔ میں نے عرض کی یا ابن رسول اللہ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ ہمیشہ سے عالم تو ہے۔ مگر علم کے ذریعہ سے عالم ہے اور قدرت کے ذریعہ سے قادر ہے۔ حیات کے ذریعہ سے زندہ ہے۔ قدامت کے ذریعہ سے قدیم ہے۔ قوت سامعہ کے ذریعہ سے سننے والا ہے قوت باصرہ کے ذریعہ سے دیکھنے والا ہے (یعنی یہ سب صفتیں جُدا جُدا خدا تعالےٰ میں پائی جاتی ہیں) آپ نے فرمایا جو شخص اس بات کا قایل ہے اور جو یہ مذہب رکھتا ہے اُس نے ایک خدا کے ساتھ بہت سے خدا مان لئے (کیونکہ جب یہ صفات اُسکے اُسکی ذات کے علاوہ ہوئے تو یقیناً اُسکی ذات کے ساتھ ساتھ موجود ہونگے ورنہ لازم آیگا کہ کسی وقت وہ عالم نہ رہا ہو کسی وقت قادر نہ رہا ہو کسی وقت سمیع و بصیر نہ رہا ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور جب یہ صفات اُسکے ذات کے ساتھ ساتھ ہوئے اور ذات اُسکی قدیم ہے تو یہ صفات بھی قدیم ہونگے۔ لہذا بہت سے قدیم ہو جائیں گے۔ ایک اللہ۔ دوسرے اُسکا علم۔ تیسرے اُسکی قدرت۔ چوتھے۔ اُسکی سماعت۔ پانچویں اُسکی بصارت چھٹے اُسکی حیات الیٰ غیر ذالک اور جب اتنے قدیم جمع ہو جائیں گے تو لازم آیگا کہ سب خدا ہی ہوں کیونکہ خدا وہی ہے جو واجب الوجود ہو اور یہ سب صفات واجب الوجود ہیں۔ لہذا یہ سب خدا ہوئے۔ یہاں ایک خدا کا رونا پڑا تھا۔ یہ تو بہتیرے ہی خدا نکل آئے نعوذ باللہ من ذالک۔ اس موقع پر فلسفیانہ تقریر ایک اور بھی ہو سکتی ہے مگر اشکال کی وجہ سے چھوڑتا ہوں) (حضرت فرماتے ہیں) ایسا شخص ہمارا دوست نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا ہمیشہ سے خدا تعالےٰ اپنی ذات مقدس سے عالم ہے۔ قادر ہے۔ زندہ ہے۔ قدیم ہے۔ سننے والا ہے۔ دیکھنے والا ہے (ان صفات میں سے کوئی صفت اُسکی ذات سے زائد نہیں ہے) مشرکین و مشبہین جو کہتے ہیں اُس سے ہمارا پروردگار بہت بالاتر ہے"

یا۔ ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے ابو عبداللہ (جناب صادق ع) کو سُنا فرماتے تھے حضرت اللہ تعالیٰ

ہمیشہ سے اس طرح پر ہے۔ کہ علم اُسکی عین ذات ہے۔ (وہ عالم تھا) جبکہ کوئی معلوم نہ تھا۔ اور سمع (سماعت) اُسکی عین ذات ہے جبکہ کوئی مسموع (قابل سماعت) نہ تھا۔ بصر اُسکی عین ذات ہے جبکہ کوئی مبصر (دیکھنے کے قابل چیز) نہ تھا۔ قدرت اُسکی عین ذات ہے جبکہ کوئی مقدور (جس سے قدرت متعلق ہو اور قدرت کا اثر قبول کرے) نہ تھا۔ پھر جب اُس نے اشیائے عالم کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اُسکا علم ذاتی اُسپر واقع ہوا اور سماعت ذاتیہ مسموع پر واقع ہوئی۔ اور بصارت ذاتیہ مبصر پر واقع ہوئی اور قدرت ذاتیہ مقدور پر واقع ہوئی

راوی کہتا ہے میں نے کہا تو پروردگار ہمیشہ سے متکلم بھی تھا۔ آپنے فرمایا کلام ایک صفت حادثہ ہے ذاتی صفت نہیں ہے (بلکہ اسے خدا نے پیدا فرمایا ہے۔ اور جس چیز میں چاہتا ہے قوت کلام دیدیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ سے بات کرنے کیلئے درخت میں آواز اور گفتگو پیدا کردی۔ اس معنی سے اُسکو متکلم کہتے ہیں نہ یہ کہ وہ منہ سے بولتا ہے)

علم

ص... ابن حازم کہتے ہیں میں نے جناب ابوعبداللہ سے دریافت کیا۔ کیا ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز آج پیدا ہوئی ہے وہ علم خدا میں نہ رہی ہو؟ آپنے فرمایا۔ نہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ چیز علم خدا میں آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے تھی۔

ید۔ صیقل نے جناب ابوعبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ آپنے فرمایا ان اللہ علم لاجھل فیہ۔ اللہ تعالےٰ ہمہ علم ہے اُسمیں مطلق جہالت نہیں۔ حیوۃ لاموت فیہ ہمہ زندگی ہے اُسمیں بالکل موت نہیں۔ نور لاظلمۃ فیہ۔ بالکل نور ہے اُسمیں مطلق ظلمت نہیں

ص۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام۔ وماتدری نفس ماذا تکسب غدا؛ وماتدری نفس بای ارض تموت بیشک خدا ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی مینہ برساتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ رحموں کے اندر کیا ہے (لڑکا ہے یا لڑکی یا خنثیٰ یا کچھ نہیں) اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا۔ جناب صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنکو نہ ملک مقرب جانتا ہے۔ نہ نبی مرسل (یعنی بغیر خدا کے بتلائے ہوئے) یہ خاص خدائے عزوجل

کے صفات میں سے ہے"

یل۔ عبداللہ بن سنان نے تفسیر آیۂ "وسع کرسیہ السموات والارض"

اللہ تعالےٰ کی کرسی آسمانوں اور زمین کو محیط ہے، یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو عبداللہؑ نے

ارشاد فرمایا۔ تمام آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے کرسی و عرش میں ہے

(کرسی و عرش سے کیا مراد ہے) وہ (اللہ تعالےٰ کا) علم ہے جس کا کوئی شخص اندازہ نہیں کرسکتا۔

یس۔ عبداللہ بن عامر نے ربعی بن ابی الخطابؒ روایت کی ہے۔ اس نے جعفر بن البشیر

سے اس نے غرلیس سے اس نے ابو جعفر (امام محمد باقر علیہ السلام) سے آپ نے فرمایا پروردگار کے

دو قسم کے علم ہیں۔ ایک علم مبذول۔ دوسرا علم ملفوف۔ لیکن علم مبذول تو کوئی چیز ایسی نہیں

جسے فرشتے اور پیغمبر نہ جانتے ہوں اور ہم نہ جانتے ہوں (یعنی جن جن چیزوں کا علم مبذول ہے

یعنی خدا نے اسکا علم اوروں کو عطا کیا ہے انہیں سے ہر شے کا علم ہمکو بھی ہے۔ اور علم ملفوف

خاص خدا کے پاس ام الکتاب (غالباً اس سے مراد لوح محفوظ ہے) میں ہے (اسکا علم دوسرے کو نہیں)

یس۔ جناب ابو عبداللہ علیہ السلام سے فضیل نے روایت کی ہے حضرت نے فرمایا خدا تعالیٰ

کا ایک تو وہ علم ہے جسے اسکے فرشتے اور اسکے انبیا و رسل جانتے ہیں اور اسکو ہم بھی جانتے ہیں۔

اور اسکا ایک وہ علم ہے جسکو اسکے فرشتے اور اسکے انبیا و رسل نہیں جانتے۔

قدرت و ارادہ پروردگار عالم

ن۔ محمد بن عرفہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ جناب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں

میں نے عرض کی۔ خدا تعالےٰ نے تمام چیزوں کو قدرت سے پیدا کیا ہے یا قدرت کے سوا

کسی اور چیز سے (گویا مطلب یہ کہ خدا کی قدرت کوئی ایک چیز ہے جس سے اس نے اشیاء عالم

کو پیدا کیا ہے) آپ نے فرمایا ایسا جائز (ممکن) نہیں ہے کہ اس نے اشیاء کو قدرت سے پیدا کیا

ہو کیونکہ جب تم کہتے ہو قدرت سے چیزوں کو پیدا کیا۔ (جیسے قلم سے خط لکھا۔ چاقو سے قلم بنایا)

تو گویا تم قدرت کو اسکی ذات کے علاوہ کوئی اور چیز قرار دیتے ہو۔ اور اسے ایک آلہ ٹھہراتے ہو

جس سے اس نے چیزوں کو پیدا کیا۔ یہ کہنا کفر ہے (شرک ہے) اور جب تم کہتے ہو بغیر قدرت کے

اس نے چیزوں کو پیدا کیا تو تم اسکی یہ صفت بیان کرتے ہو کہ اس نے اقتدار و تمکن سے ان

چیزوں کو بنایا ہے مگر اُسمیں قدرت نہیں ہے (یہ دونوں ہی صورتیں غلط ہیں نہ یہ سمجھنا جائز ہے کہ اُسکی قدرت اُسکے کام کا آلہ ہے اور اُسکی ذات سے علیحدہ کوئی شے ہے اور نہ یہ کہنا جائز ہے کہ بغیر قدرت کے اُس نے کام کیا ہے۔ کیونکہ اِس صورت میں نفی قدرت لازم آئیگی) لیکن وہ نہ تو ضعیف ہی نہ عاجز ہے۔ اور نہ اپنے غیر کا محتاج ہے۔ بلکہ وہ پاک پروردگار اپنی ذات سے قادر ہے (خود اُسکی ذات قادر ہے) نہ یہ کہ قدرت کے ذریعہ سے قادر ہے۔ ورنہ اُس کا محتاج ہونا لازم آئیگا۔ کیونکہ قدرت جب اُسکی ذات سے الگ اور ایک آلہ ٹھیری اور وہ اپنے میں اُس آلہ سے مدد لینے لگا تو اسکا محتاج ہوا کیونکہ بغیر اسکے کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا۔ اور محتاج ہونا خدا تعالیٰ کا محال ہے۔ لہذا اُسکی قدرت کا اُسکی ذات سے علیحدہ کوئی اور چیز ہونا بھی محال ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قدرت اُسکی عین ذات ہے)۔

ید۔ ن۔ بن ادریس نے اپنے باپ سے اُس نے محمد بن عبد الجبار سے اُس نے صفوان بن یحییٰ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ مجھے ارادۂ خدائے عزوجل اور ارادۂ خلق سے خبر دیجیے (یعنی ان دونوں کا فرق اور ان دونو کے معنی بتائے) تو آپ نے فرمایا مخلوق کا ارادہ تو ضمیر (جو بات دل میں آتی ہے) ہے اور اُسکے بعد جو کام اُسکے لیئے ظاہر ہوتا ہے (یعنی جسے وہ کرنا چاہتا ہے) (مطلب یہ ہوا کہ مخلوق یعنی انسان وغیرہ جو ارادہ کرتے ہیں تو پہلے دل میں ایک قصد پیدا ہوتا ہے اور اُسکے بعد جس کام کا قصد ہوتا ہے وہ کام اُسپر مترتب ہوتا ہے) لیکن اللہ عزوجل کا ارادہ (صرف اُسکا کسی چیز کو) پیدا کر دینا ہے۔ اِس سے علاوہ اور کچھ نہیں۔ کیونکہ نہ تو فکر و غور کرتا ہے اور نہ وہ سوچتا ہے۔ نہ تفکر کرتا ہے (بس کسی چیز کا پیدا کر دینا ہی اُسکا ارادہ ہے) یہ صفات (فکر و غور و تامل) اُس سے منفی ہیں۔ یہ مخلوقات کے صفات ہیں۔ اللہ کا ارادہ تو بس فعل ہی ہے نہ کچھ اور۔ اُس سے کہدیتا ہے ہوجا وہ ہوجاتا ہے۔ نہ زبان سے لفظ نکالتا ہے (کیونکہ وہاں زبان ہی نہیں) اور نہ زبان سے بولتا ہے۔ نہ سوچتا ہے۔ نہ فکر کرتا ہے۔ اور نہ اُسکے ارادے کی کوئی کیفیت ہے۔ جیساکہ خود وہ بلاکیف ہے (اُسمیں کوئی کیفیت نہیں پائی جاتی کیونکہ کیفیت عرض ہے جیسے نرمی سختی۔ گرمی سردی۔ رطوبت یبوست۔ ملاست خشونت وغیرہ

اگر ایسی چیزیں ذات پروردگار میں پائی جائیں تو لامحالہ وہ محل حوادث ہو جائیگا۔ اسلئے خود بھی حادث ہوگا۔ حالانکہ وہ واجب الوجود ہے)۔

ذات خدا تعالےٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے بس وہ ایک خالق ہے

خود فرماتا ہے۔ قل اللہ خالق کل شیئ (سورہ رعد) واللہ خالق کل شیئ وھو علی کل شیئ قدیر (سورہ زمر)

یہ۔ جناب ابو عبد اللہ (الصادق) علیہ السلام سے عبد اللہ بن سنان نے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ فی الربوبیۃ العظمیٰ والالھیۃ الکبریٰ لا یکون الشئ لا من شیئ الا اللہ ولا ینقل الشئ ومن جوھریتہ الی جوھر اخر الا اللہ ولا ینقل الشئ من الوجود الی العدم الا اللہ یعنی علم ربوبیہ عظمیٰ اور الہیہ کبریٰ میں (یہ بات ثابت ہے) کہ بغیر مادہ وصورۃ کے کوئی نہیں پیدا کرسکتا مگر اللہ۔ اور نہ کسی شے کو اسکی جوہریت سے دوسرے جوہر کیطرف منتقل کرسکتا مگر اللہ۔ اور نہ کسی شئے کو وجود سے عدم کی طرف لاسکتا ہے۔ مگر اللہ (یعنی جسقدر بھی چیزیں موجود سے عدم میں جاتی۔ یا عدم سے وجود میں آتی ہیں)۔ خواہ مادہ سے ہوں یا بلا مادہ وہ سب خدا تعالےٰ کی طرف سے ہیں)۔

یہ۔ زرارہ سے منقول ہے کہ میں نے سنا جناب صادق علیہ السلام سے کہ فرماتے تھے۔ ان اللہ تبارک وتعالیٰ خلو من خلقہ وخلقہ خلو منہ وکل ما وقع علیہ اسم شئ ما خلا اللہ فھو مخلوق واللہ خالق کل شئ تبارک الذی لیس کمثلہ شئ "

اسمائے پروردگار عالم

کتاب التوحید صادق۔ قطان سے ابن زکریا قطان سے اس نے ابن حبیب سے اسنے ابن بہلول سے اس نے اپنے باپ سے اس نے ابو الحسن عبدی سے اس نے سلیمان بن مہران سے اسنے صادق جعفر بن محمد علیہ السلام سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار محمد بن علیؑ سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار علی ابن الحسینؑ سے انہوں نے اپنے باپ حسین بن علیؑ سے انہوں نے اپنے پدر عالیمقدار علی ابن ابیطالب علیہم السلام سے روایت کی ہے۔ کہ آپ نے کہا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "بیشک اللہ تعالےٰ کے ننانوے ۹۹ نام ہیں۔ ایک کم سو۔ جو ان تمام ناموں کا احصا

کرے گا (بظاہر مطلب یہ ہی کہ انکے معانی پر اطلاع حاصل کرے گا۔ انکے معانی کو سمجھے گا) وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ یہ ہیں۔ اللّٰہ۔ الالٰہ۔ الواحد۔ الاحد۔ الصمد۔ الاول۔ الآخر۔ السمیع البصیر۔ القدیر۔ القاہر۔ العلی۔ الاعلیٰ۔ الباقی۔ البدیع۔ الباری۔ الاکرم۔ الظاہر الباطن۔ الحی۔ الحکیم۔ العلیم۔ الحلیم۔ الحفیظ۔ الحق۔ الحسیب۔ الحمید۔ الحفی الرب۔ الرحمان۔ الرحیم۔ الذاری۔ الرازق۔ الرقیب۔ الرؤف۔ الرائی۔ السلام المومن۔ المہیمن۔ العزیز۔ الجبار۔ المتکبر۔ السید۔ السبوح۔ الشہید۔ الصادق الصانع۔ الطاہر۔ العدل۔ الغفور۔ الغنی۔ الغیاث۔ الفاطر۔ الفرد۔ الفتاح۔ الفالق القدیم۔ الملک۔ القدوس۔ القوی۔ القریب۔ القیوم۔ القابض۔ الباسط۔ المولیٰ قاضی الحاجات۔ المجید۔ المنان۔ المحیط۔ المبین۔ المقیت۔ المصور۔ الکریم الکبیر۔ الکافی۔ کاشف الضر۔ الوتر۔ النور۔ الوہاب۔ الناصر۔ الواسع۔ الودود الہادی۔ الوفی۔ الوکیل۔ الوارث۔ البر۔ الباعث۔ التواب۔ الجلیل۔ الجواد۔ الخبیر الخالق۔ خیر الناصرین۔ الدیان۔ الشکور۔ العظیم۔ اللطیف۔ الشافی۔

جوامع توحید

نہج البلاغۃ۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے حمد پروردگار اور اسکے صفات کے بیان میں کیا ارشاد فرمایا ہے۔ تمام تعریفیں اس معبود حقیقی کے لئے ہیں جسے حاسے ادراک نہیں کر سکتے اور نہ جگہیں اسکو محیط ہو سکتیں (یعنی اسکے لئے مکان وغیرہ نہیں) نہ اسکو آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ پردے اسے چھپا سکتے ہیں۔ اپنی قدامت سے اپنی مخلوقات کے حادث ہونیکو بتاتا ہے اور اپنی مخلوقات کے حدوث سے اپنے وجود کو۔ اور انکے باہم آپسمیں مشابہ ہونے سے اس بات کو بتاتا ہے کہ اسکا کوئی مشابہ نہیں۔ وہ ایسا ہے کہ وعدہ اسکا سچا ہے اور اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اپنی مخلوقات میں انصاف قایم کیا ہے۔ اور اپنے فیصلہ کرنے میں ان پر عدل جاری کرتا ہے اشیاء عالم کے حدوث سے اپنی ازلیت پر گواہ لایا ہے (اشیاء عالم کا حدوث اسکی ذات مقدس کی ازلیت کا گواہ ہے) اور ان (اشیاء) پر عاجزی کا نشان لگانے سے اپنی قدرت پر اور انکو فنا پر مجبور کرنے سے اپنے دوام پر (یعنی اشیاء عالم کا فانی ہونا اس بات کا گواہ ہے کہ خود وہ باقی

دوام ہے) واحد ہے۔ مگر واحد عددی نہیں دایم (ہمیشہ رہنے والا) ہے مگر کسی حد و غایت تک نہیں۔ قایم ہے مگر کسی کے سہارے پر نہیں۔ ذہن اُسے سمجھنے تو ہیں مگر شعور و احساس سے نہیں۔ مناظر اشیا اُسکے گواہ ہیں مگر نہ اس طور پر کہ وہ انکے اندر حاضر ہو۔ وہم اُسے احاطہ نہیں کر سکتے۔ اُس نے خیالات پر جلوہ تو کیا (یعنی اپنی قدرت کے آثار اُنہیں دکھائے) اور اُنہیں اپنے تئیں نہ بتایا (یعنی خیالات و اوہام صرف اُسکی قدرت کے جلوہ کو تو دیکھ سکے مگر اُسکی کنہ ذات کے معلوم کرنے سے عاجز رہے) اور اُنکا فیصلہ خود اُنہیں پر چھوڑ دیا۔ وہ بڑا (ساجسم) نہیں جسکی (حدود جسم) دراز ہوں اور اُسکو بڑا ساجسم بنا دیا ہو۔ اور نہ ایسا عظیم ہے کہ اُسکے (جسم کی) انتہائیں کسی حد پر ختم ہوئی ہوں۔ اور اُسکو کوئی عظیم المقدار جسم بنا دیا ہو۔ بلکہ شان اُسکی بڑی ہے۔ اور غلبہ اُسکا عظیم ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اُسکے بندے اُسکے منتخب رسول اور پسندیدہ امین ہیں۔ خداوند تعالےٰ اُنپر اور اُنکی آل پر رحمت نازل کرے۔ اُس نے اُنہیں لازم حجتیں اور بین فتح اور واضح طریقہ دیکر بھیجا تھا تو اُنہوں نے پیغامبری کے کام کو پورا کر دیا۔ اُسے خوب واضح کیا۔ روشن طریقہ پر لوگوں کو لیچلے۔ اُس طریقہ (مذہب اسلام) کی لوگوں کو راہ دکھائی۔ ہدایت کے نشانات روشنی کے مینار (عمدہ دلیلیں) قایم کئے۔ اسلام کی رسیوں کو مضبوط کر دیا۔ اور ایمان کے رستوں کو مستحکم۔

یں۔ ن۔ جناب امام رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے کرام سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے مسجد کوفہ میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا " تمام تعریفیں اُس معبود برحق کے لئے ہیں جو کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ کسی چیز سے پیدا کیا اُن چیزوں کو جو موجود ہیں (کیونکہ مادہ جسکو تمام چیزوں کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔ یہ خود بلا مادہ پیدا کیا گیا ہے اسکا خود کوئی مادہ نہیں ورنہ مادہ کے لئے مادہ کا ہونا لازم آئیگا اور تسلسل قایم ہو جائیگا۔ جو محال ہے) اشیاء کے حدوث کو اپنی ازلیت کا گواہ قرار دیا۔ اور اُنکی عاجزی کو اپنی قدرت کا گواہ۔ اور اُنکے ضروری فنا ہونے کو اپنے دوام کا گواہ۔ کوئی جگہ اُس سے خالی نہیں تا کہ مکانیت سے اُسکا ادراک ہو سکے۔ اور نہ اُسکی صورت و شبیہ ہے جسکی وجہ سے کسی کیفیت سے اُسکا وصف کیا جاسکے۔ اور نہ کسی چیز سے غایب ہے کہ حیثیت (کہاں ہے) سے اُسکا علم حاصل کیا جاسکے۔ (مثلاً یہ کہیں کہ اسمیں خدا نہیں ہے

تو کہاں ہے؟ فلاں جگہ ہے۔ یہ بات خدا تعالے کی نسبت نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ وہ جگہ او
مکان سے مستغنی ہے) جتنی چیزوں کو اُس نے پیدا کیا ہے اُن سب سے صفات میں مباین مغایر
ہے (کسی مخلوق میں اُسکی صفت نہیں) ذوات اشیاء کے تغیرات کو ازسرنو پیدا کرنے کیوجہ
سے اُسکا ادراک محال ہے (کیونکہ ہم دُنیا کی جتنی چیزیں دیکھتے ہیں سب کو متغیر پاتے ہیں اور
وہی تغیرات اشیاء کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ پس پروردگار کی کنہ حقیقت کا کیونکر ادراک ہوسکتا ہے
جسمیں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل) اپنی کبریاء و عظمت کی وجہ سے تمام گردش حالات سے خارج
ہے۔ بڑے کامل اور دور رسانے والے ذہنوں کو بھی اُسکی حقیقت ذات معلوم کرنی حرام (ناممکن)
ہے اور بڑے روشن اور عمیق فکروں کو بھی اُسکی کیفیت معلوم کرنی محال ہے۔ اور بڑے
تیرنے والے غوطہ زن غور و نظر کو بھی اُسکی صورت خیال میں لانی ناممکن ہے۔ اُسکی عظمت
کو مکانات احاطہ نہیں کرسکتے۔ اور نہ اُسکے جلال کو مقداریں گھیر سکتیں۔ اور نہ اندازے اُسکی
کبریاء و بزرگی کو جُدا جدا کرسکتے (یعنی اُسکی حقیقت ذات کا اندازہ نہیں ہوسکتا) وہم و گمان
سے اُسکی کنہ کا معلوم کرنا محال ہے۔ اور فہموں سے اُسکا استغراق ناممکن ہے اور ذہنوں
سے اُسکی تصویر قایم کرنی ممتنع ہے۔ بلند عقلیں بھی اُسکا احاطہ کرنے سے مایوس ہوگئی ہیں۔
اور علموں کے دریا بھی اُسکی حقیقت ذات کی طرف اشارہ کرنے سے خشک ہوگئے ہیں۔
اور لطیف مناظرے اُسکی قدرت کے وصف کی بلندی تک پہنچنے سے ذلت کے ساتھ واپس
آئے ہیں۔ یکتا ہے۔ مگر عددی یکتا نہیں۔ ہمیشہ رہنے والا ہے مگر کسی حد تک نہیں۔ قایم ہے
مگر کسی سہارے سے نہیں۔ وہ کوئی جنس نہیں جسکی ہمسر اور جنسیں ہوسکیں۔ وہ صورت
و تصویر نہیں کہ اور صورتیں اُسکے برابر ہوسکیں۔ وہ مثل اور اشیاء کے نہیں کہ اسپر صفات
واقع ہوسکیں (یعنی اُسکی صفتیں بیان ہوسکیں)۔ ادراک کے موجزن دریا کی لہروں میں عقلیں
گم گشتہ راہ ہوگئی ہیں اور خیالات اُسکی ازلیت کے احاطہ سے حیران ہیں۔ فہم اُسکی قدرت کے
بیان کے معلوم کرنے سے عاجز ہیں۔ اُسکی ملکوت کے آسمانوں کے لجّوں میں ذہن غرق ہوگئے ہیں
اپنی نعمتوں کے ذریعہ سے با اقتدار ہے۔ اپنی کبریاء و بزرگی کے ذریعہ سے ممتنع ہے (ناممکن
ہے کہ اُس تک دسترس ہوسکے) تمام چیزوں کا مالک (اور اُنپر قابض ہے) نہ زمانہ اُسے کہنہ

کرتا ہے اور نہ کوئی وصف اُسی احاطہ کرتا ہے۔ بڑے بڑے اونچے پہاڑ اُسکے سامنے اپنی انتہائی قرار میں جھکے ہوئے ہیں۔ مضبوط اسباب سجا دی اپنے بلند قطروں میں اُسکی معبودیت کا اقرار کئے ہوئے ہیں۔ تمام قسم کی چیزوں سے اُس نے اپنی ربوبیت کی گواہی لیلی ہے۔ اور اُنکی عاجزی کو اپنی قدرت کا گواہ قرار دیا ہے۔ اور انکے فطور (دفنا) کو اپنی قدامت کا۔ اور انکے زوال کو اپنی بقا کا۔ پس انہیں (موجودات عالم کو) اس سے کوئی چارہ نہیں کہ وہ انکو (جب چاہے) پالے۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ اُس کے احاطہ (قدرت) سے نکلجائیں۔ اور نہ یہ کہ اُسکے احصا (وشمار) سے پوشیدہ رہجائیں اور نہ یہ کہ اُسکی قدرت (اور اُسکا دسترس) اُنپر محال ہوجائے۔ (کوئی چیز کتنی بڑی یا کیسی ہی بزرگ یا کتنی ہی دشوار کیوں نہو مگر خدا تعالےٰ اُسپر قادر ہے اور جس طرح چاہے اُسمیں تغیر و تبدل کرسکتا ہے) ان موجودات کی خوبی صنعت (اُسکے وجود و قدرت کی) ایک دلیل ہے اور اُنکی مرکب طبیعتیں (اُسکے موجودیۃ کی) برہان ہیں۔ اور اُنکے طبایع کا حادث ہونا اُسکی قدامت و ازلیت کا ثبوت ہے۔ اور انمیں جو کاریگریاں ہیں اُنکا محکم ہونا (عقل والونکے واسطے) عبرت ہے پس نہ تو اُسکی طرف کوئی حد منسوب کیجا سکتی ہے اور نہ اُسکی کوئی مثل بیان کیجا سکتی اور نہ کوئی شے اُس سے پوشیدہ ہے۔ وہ ضرب المثلوں اور مخلوقہ صفتوں سے بہت بالاتر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اُسکے سوا کوئی برحق معبود نہیں اُسکی ربوبیت پر ایمان لاتا ہوں اور اُسکے نہ ماننے والوں کا مخالف ہوں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمّد اُسکے بندے اور رسول تھے۔ ایک اچھے مستقر پر ٹھیرائے گئے تھے۔ کریم صلبوں اور پاک رحموں سے پیدا ہوئے تھے شریف الاصل معادن اور افضل منابت سے پیدا کئے گئے تھے۔ بڑی بلند چوٹی۔ اور بڑی معزز اصل (وخاندان) سے تھے۔ اُس شجرہ سے پیدا ہوئے تھے جس سے اللہ نے انبیا کو ڈھالا تھا اور جس سے اپنے امینوں کو منتخب کیا تھا جسکی لکڑی خوشبودار تھی (استعارات وکنایات ہیں) جسکی عمود سیدھی تھی جسکی چوٹیاں بلند تھیں جسکی شاخیں تروتازہ تھیں۔ جسکے پھل پختہ تھے جسکا باطن کریم تھا۔ جو زمین کرم میں لگایا گیا تھا۔ اور جو حرم میں اوگایا گیا تھا اور وہیں اُسکی شاخیں پھوٹی تھیں۔ وہیں پھلا تھا۔ معزز ہوا تھا۔ وہیں ایسا ہوا تھا کہ اُسپر دسترس ناممکن ہوگیا تھا۔ وہیں بلند ہوا۔ اور وہیں بہت اونچا ہوگیا تھا۔ یہانتک کہ اللہ عزوجل نے اُن کو

روح امین (جبرئیل فرشتہ خدا) کے ذریعہ سے (کہ انکو) انکے پاس نازل فرمایا) اور نور روشن کنندہ (قرآن مجید) اور کتاب مستبین کی وجہ سے مکرم کیا۔ اُنکے لئے براق کو مسخر کیا۔ اُنسے فرشتوں نے مصافحہ کیا۔ اُنکے ہاتھ سے شیطانوں کی ناک رگڑوائی۔

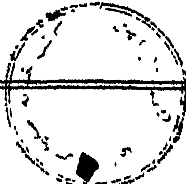
اُنکے ذریعہ سے بتوں اور دیگر پرستش کئے ہوئے (مصنوعی) خداؤں کو منہدم کیا۔ سنت اُنکی رشد ہے سیرت اُنکی عدل تھی۔ فیصلہ انکا حق ہوتا تھا۔ جو کچھ بھی اُنکے پروردگار نے انکو حکم دیا اُسکو ظاہر فرمایا۔ جو کچھ بھی اُنسے خدا تعالےٰ نے اُٹھوایا (یعنی احکام) اُسے (خلق تک) پہنچادیا یہانتک کہ توحید کی خوب واضح دعوت دی۔ خلق میں ظاہر کردیا کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔ یہانتک کہ وحدانیت خالص (طورپر) مانی جانے لگی۔ اور ربوبیت صاف ہوگئی (ہر شخص سمجھ گیا کہ واقعی خدائی اور ربوبیت کیا چیز ہے) اور اللہ نے (بھی) توحید کے ساتھ اُنکی حجت کو ظاہر فرمایا۔ اور اسلام سے انکا درجہ بلند کیا۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی کے لئے وہ روح اور وہ درجہ اور وہ وسیلہ چھانٹ کے دیا جو اُسکے پاس ہے اُنپر اور انکی آل پر اللہ رحمت نازل کرے"

خلاصہ ان تمام بیانات کا جو آئمہ معصومین علیہم السلام سے ہم تک پہنچا ہے یہ ہوا کہ

اللہ عزوجل۔ واحد ہے	دو نہیں ہوسکتے۔
قدیم ہے	حادث نہیں ہے۔ نیز یہ کہ دو یا تین قدیم نہیں ہیں جیسا عیسائیوں کا خیال ہے کہ خدا۔ عیسیٰ اور روح القدس تینوں قدیم ہیں۔
علیم ہے	جاہل نہیں ہے۔
قادر ہے	بے اختیار نہیں ہے۔
سمیع و بصیر و مدرک ہے	ناواقف نہیں ہے۔
تمام صفات حقیقیہ اُسکی عین ذات ہیں۔	کوئی صفت اُسکی ذات سے علاوہ اُسمیں لگی ہوئی نہیں ہے ورنہ اُسکا حدوث لازم آئے گا۔
اُسکے لئے کوئی مکان نہیں	وہ مکان سے مستغنی ہے۔ ایسا نہیں ہے جیسا کہ حضرات اہلسنت والجماعت

	کہتے ہیں کہ وہ عرش پر ہے۔
اُسکے لئے جسم نہیں ہے	ورنہ وہ مرکب ہوگا اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے یعنی عدم سے وجود میں آیا ہوا ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالےٰ ایسا نہیں کہ پہلے معدوم رہا ہو۔ پھر موجود ہوگیا ہو
وہ زمانی نہیں ہے۔ اُسکا اوّل و آخر نہیں۔ خود ہی اوّل ہے خود ہی آخر ہے۔	ہر زمانہ کو اُسنے پیدا کیا ہے۔ وہ ہر زمانے سے مقدم ہے۔ کوئی چیز نہ تھی جب بھی وہ موجود تھا۔ جب کچھ نہ رہیگا جب بھی وہ موجود رہے گا۔
ہر چیز کو اُسی نے پیدا کیا ہے	یہانتک کہ مادہ بھی اُسی کا پیدا کیا ہوا ہے
اُسمیں تغیر نہیں ہے۔	کیونکہ یہ صفت مخلوقات و حوادث کی ہے۔
وہ واجب الوجود ہے	ماسوا اُسکے سب ممکن الوجود ہیں۔
وہ دکھائی نہیں دیسکتا۔	کیونکہ نہ وہ جسم ہے نہ رنگ ہے۔ نہ عرض ہے نہ جوہر ہے بلکہ ان سب سے مبائن کوئی چیز ہے۔ جسے عقل ادراک نہیں کرسکتی۔
اُسکی کوئی صورت نہیں ہے	لہذا یہ غلط ہے کہ پروردگار ایک امرد نوجوان کی شکل کا ہے۔
وہ کبھی پہلے آسمان پر نہیں اُترتا	جیسا کہ امام مالک اور بہت سے اہلسنت کا خیال ہے
وہ کسی میں حلول نہیں کرتا	اہل تصوف کہتے ہیں کہ اُنمیں خدا حلول کرتا ہے۔ بلکہ کہتے۔ بلی میں بھی حلول کرتا ہے۔ اور ہنود کی کتابوں میں بھی ایسا میں نے دیکھا ہے کہ خدا تعالےٰ نے آدمی میں حلول کیا۔ اور روح انسانی دراصل خدا ہے۔ مگر یہ خیال محض غلط ہے۔
اُسکی حقیقت کو کوئی عقل ادراک نہیں کرسکتی۔	اِس وجہ سے کہ عقل صرف اُن چیزوں کو معلوم کرسکتی ہے جنہیں حاسوں نے ادراک کیا ہو۔ اور حاسے صرف اُن چیزوں کو معلوم کرسکتے ہیں جنمیں کیفیات پائی جاتی ہیں مثلاً رنگ یا بو۔ یا مزا۔ یا گرمی سردی۔ یا نرمی سختی۔ وغیرہ۔ اور یہ سب

چیزیں حادث اور عرضی ہیں خدا تعالےٰ میں انکا وجود نہیں ہو سکتا لہذا حاسے اُسکو نہیں معلوم کرسکتے۔ اور جب حاسے اُسکے ادراک سے عاجز ہوئے تو عقل بھی اُسکی حقیقت وکُنہ کو نہیں معلوم کرسکتی البتہ عقل اُسکے وجود کو اُسکے مخلوقات کو دیکھکر اُسکے مصنوعات کی خوبیاں پہچان پہچان کر معلوم کرسکتی ہے۔ جس طرح انسان اپنی روح کے وجود کو اُسکے آثار دیکھکر معلوم کرتا ہے اُسی طرح خدا تعالےٰ کے وجود کو اُسکے آثار قدرت دیکھکر معلوم کرسکتا ہے مگر اُسکی حقیقت نہیں معلوم ہوسکتی جس طرح آجتک کسی کو روح اور عقل کی حقیقت نہ معلوم ہوسکی۔ عقل اپنے تئیں خود نہ معلوم کرسکی کہ میں کیا ہوں پھر خدا تعالےٰ جل ذکرہ کو کیا معلوم کرسکتی ہے ؛



تمام شد

نوٹ۔ اِس کتاب میں جابجا ید۔ لی۔ ج۔ ن۔ وغیرہ الفاظ ہیں اُنسے نام کتاب مقصود ہی یدؔ سے مراد کتاب توحید صدوق علیہ ہے۔ نؔ سے مراد کتاب عیون الاخبار۔ لیؔ سے مراد امالی صدوق ہے۔ جؔ۔ سے مراد نہج البلاغہ۔ اور علیٰ ہذا القیاس ؛

اعلان

حق التالیف بالکل محفوظ ہے کوئی صاحب بغیر سید زوار حسین
اور سید محمد اسلام کی اجازت کے قصد چھاپنے کا نکریں
ورنہ فائدہ کی عوض نقصان ہوگا۔ بلکہ جس قدر
جلدیں مطلوب ہوں۔ ذیل کے پتہ سے طلب کریں
شہر دہلی۔ کشمیری دروازہ ۔ مسجد نواب حامد علیخان
سید زوار حسین و سید محمد اسلام

سنہ ۱۹۰۷